PDF
سچی کہانیاں
APRIL
2018
APRIL 2018
Darr Digest April 2018
URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہو گا۔ شُکریہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

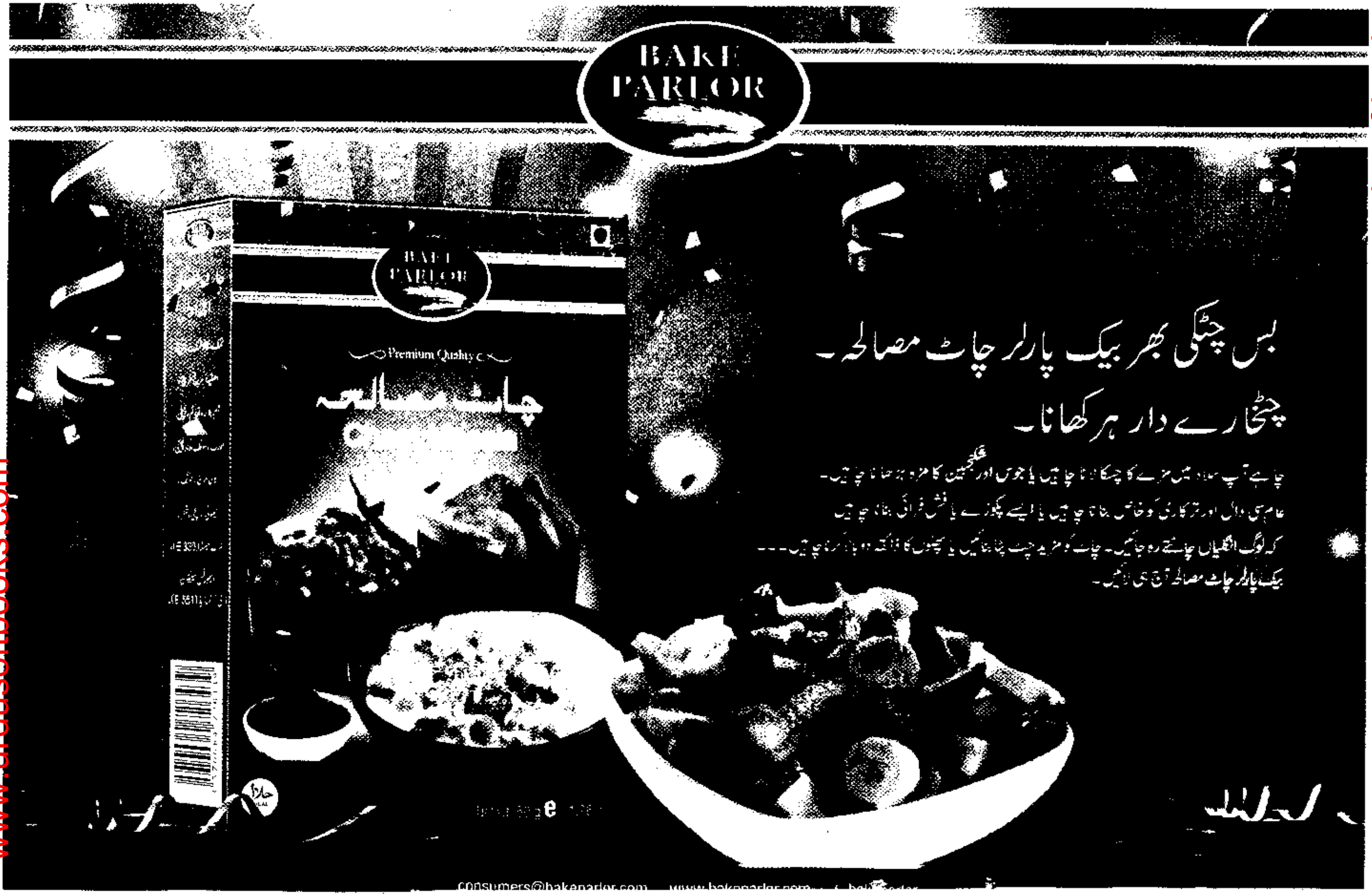

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

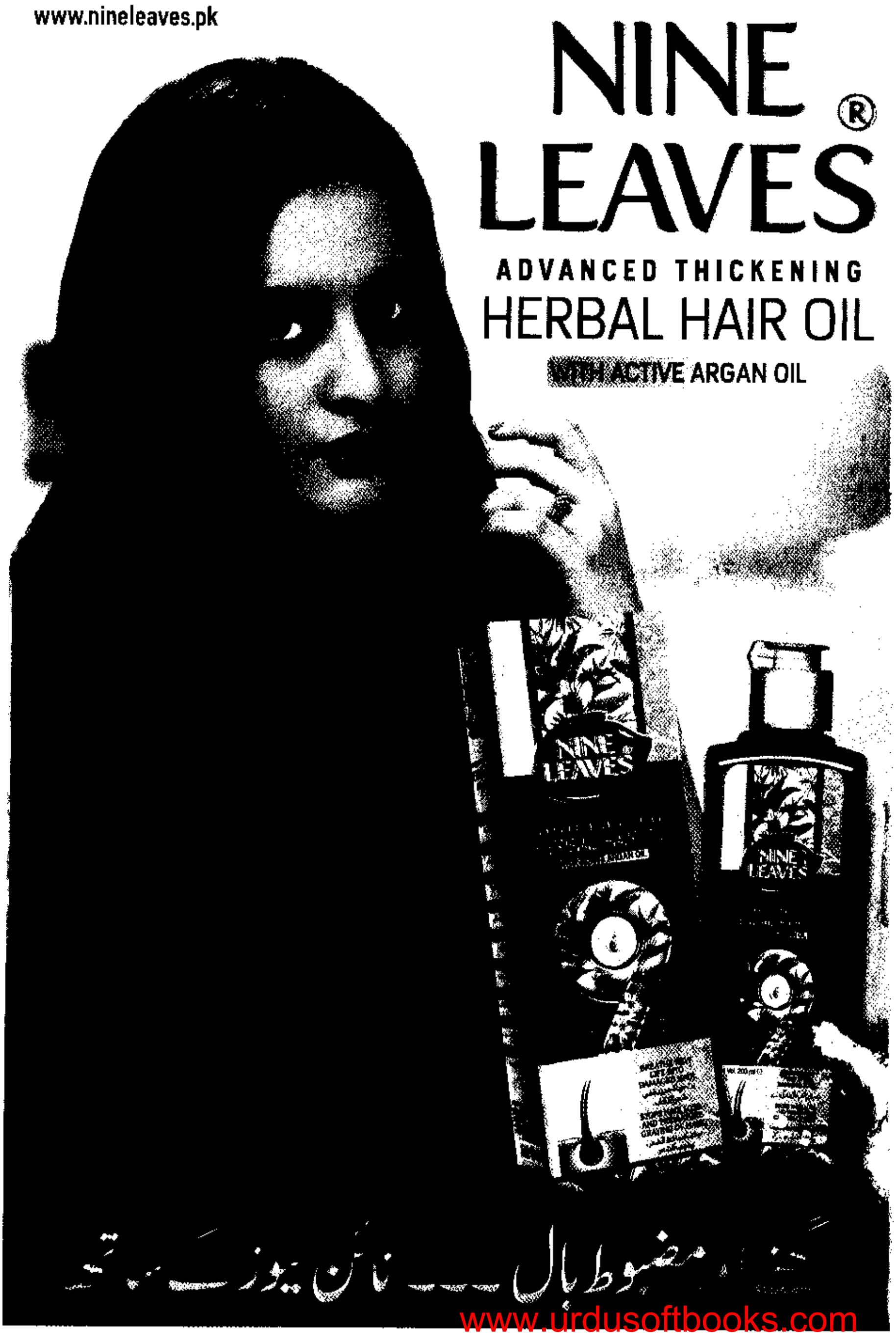

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ماہنامہ سچی کہانیاں کراچی

E-mail.pearlpublications@hotmail.com

بانی سہام مرزا

مدیر اعلیٰ: منزہ سہام

مدیر: دانیال شمسی

مدیر اعزازی: محمد سلیم اختر

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

خط و کتابت کا پتا: 88-C II فرسٹ فلور خیابان جامی کمرشل ڈیفنس فیز-7، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی

منیجر مارکیٹنگ
زین شمسی
0331-8221212

منیجر سرکولیشن
آفتاب عالم
0334-3193174

انکم ٹیکس ایڈوائزر
مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹس)

رابطے کے لیے
021-35893121
021-35893123

قیمت فی شمارہ: 60 روپے ✲ جلد: 35 - شمارہ: 04 ✲ اپریل 2018ء

ایڈیٹر، پبلشر: منزہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

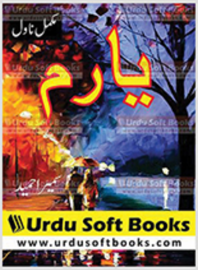

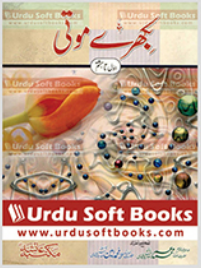

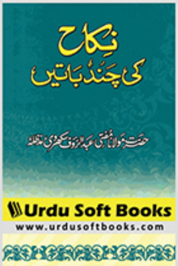

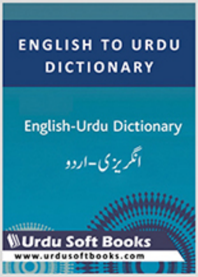

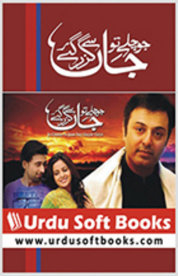

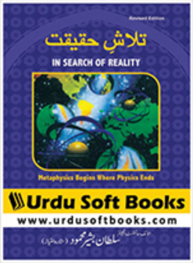

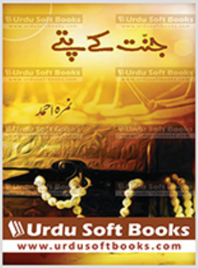

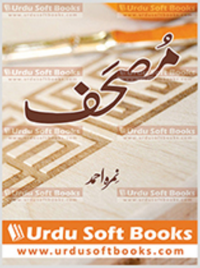

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

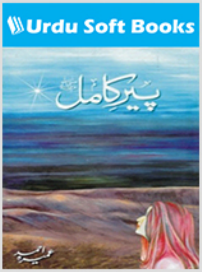

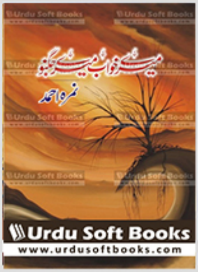

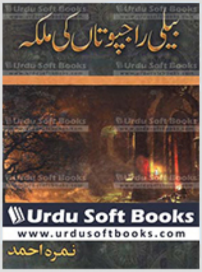

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

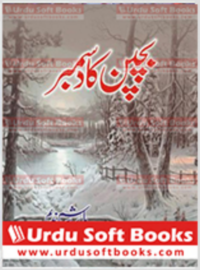

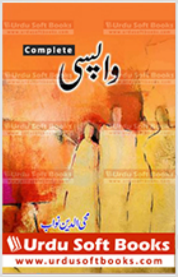

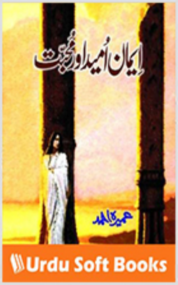

www.urdusoftbooks.com

07 جوتے کا سفر — منزہ سہام

08 احوال — مدیرہ

32 کالی سروپ — رفعت محمود

40 محبت برائے فروخت — عابدہ مغل

51 عشق میں حساب کیسا — افتخار چوہدرو

63 تم ایسی محبت... — ریما نور رضوان

67 عشق جو ہم سے... — رئیسہ خالد

74 محبت لاحاصل... — سحرش بانو

93 خالہ خیرن — فریدہ فری

95 ڈائنا امر ہوگئی — سیدہ ابرِ محبت آزاد

98 معصوم محبت — ڈاکٹر عامر شہزاد

106 احساس محبت — نازیہ بتول

127 آج کا نثر نگار — شگفتہ شفیق

129 کنواری ماں — شعیب صادق

فون: 021-35893121-35893122 / پرنٹر: حسام محی الدین عباسی' سٹی پریس' OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

134 ادھوری محبت کی... — سیدہ فرح فاطمہ

140 آل پاکستان ایوارڈ — ساحل ابڑو

142 قرینۂ عشق — مدیحہ گل

148 دوشیزہ کا سفر — منزہ سہام

156 شمع عشق — حنا بشریٰ

175 دھند کے اُس پار — حنا اصغر

196 املتاس — شازیہ سعید مغل

206 ریشم کے دھاگے — روشانے سبین مہارزو

217 انوکھا وعدہ — نزہت جبیں ضیاء

223 وہ لوٹ آئی — سیدہ زینب ندا

229 ترکی میں عباسی — ثمر علی عباسی (مرحوم)

245 آپ کی ڈائری — قارئین

250 مسئلہ یہ ہے — ادارہ

257 تیر نیم کش — قارئین

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 890 روپے، افریقہ 65 ڈالر، کینیڈا، آسٹریلیا 65 ڈالر، ایشیا، یورپ 55 ڈالر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عامل عامل

کالے جادو کی بھیانک دنیا میں ایک خدارسیدہ عامل کی داستان......

کالی دنیا، جادو، جنات، ٹونے ٹوٹکوں، سیاہ دل لوگوں کی کالی دنیا سے جہاں دوشیزاؤں کو جادو کی بھینٹ چڑھانا، شیطان کو خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا اس دنیا میں ایک دین دار اور ایمان والے نے کس طرح ٹکر لی اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں پیش آنے والے دلچسپ عبرت ناک، سبق آموز واقعات......

دین و ایمان کی کشمکش کی سچی داستان

پیر شاہ محمد قادری

سچی کہانیاں کے سینئر ترین قلم کار کاوش صدیقی کے جادوگر قلم سے ایک بار پھر سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے مئی سے سچی کہانیاں کے ابتدائی صفحات پر......

فوری طور پر اپنا شمارہ بک کروا لیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ

اس غیر معمولی داستان کی قسط آپ سے مس ہو جائے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جوتے کا سفر

انسان دنیا میں آتا بھی ننگے پاؤں ہے اور جاتا بھی ننگے پاؤں ہے۔ بس یہ جو درمیان کا وقفہ ہے اس میں تمام تام جھام کی ضرورت پڑتی ہے جس میں 'جوتا' بھی ایک ضرورت ہے۔ سنا تھا کہ جوتا پہننے کے کام آتا ہے مگر کچھ عرصے سے جوتے کو محو پرواز دیکھنے کا موقع مل رہا' میں نے تو زندگی میں پرندوں کو محو پرواز دیکھا۔ قیمتیں پرواز کرتی محسوس ہوئیں یا روح کو قفس عنصری سے پرواز کرتے دیکھا۔ لیکن یہ جو جلسے جلوسوں میں جوتا محو پرواز ہے یہ کافی حیرت انگیز محسوس ہو رہا ہے۔

اختلاف رائے اپنی جگہ لیکن اس میں بھی تہذیب کا عنصر نمایاں ہو تو اچھا ہے قومیں ترقی کے مدارج طے کرتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ زندگی کا سفر صفر سے شروع ہو کر ترقی کی منازل طے کرتا مکمل ہو تو' زندگی سہل ہو جاتی ہے اور اگر اعمال اچھے ہوں تو آخرت بھی......

شاید اپنی چرب زبانی' چالاکی' ذاتی تعلقات کی بنیاد پر یہاں تو جوتے کھانے سے بچ جائیں مگر صفر سے شروع سفر کا اختتام بھی اگر اعمال کے حساب سے صفر پر ہوا تو وہاں جو جوتے پڑیں گے اُن سے بچنا ناممکن ہے۔ بہتر ہے کہ جوتے کا سفر پیروں تک ہی محدود رہے۔

منزہ سہام

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

احوال

قارئین کے درمیان رابطہ' آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

عزیز احوالیوں......!

السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ عشق نمبر کے ساتھ حاضر ہوں یہ تیسرا شمارہ ہے جو میں نے آپ لوگوں کے تعاون سے دیا اور مجھے یہ لکھتے ہوئے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے کہ کہانیوں کا معیار بہت اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ لکھاری بڑے جوش و خروش سے اپنے پیارے سچی کہانیاں کے ساتھ کھڑے ہیں آپ لوگوں کا یہ ساتھ یونہی میرے ساتھ رہا تو میں سچی کہانیاں کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچاؤں گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ پرنٹ میڈیا ڈوب رہا ہے اور میں کہتی ہوں کہ ہم نے تو سیکھا ہی جینا طوفانوں سے لڑ کر ہے۔ لہٰذا نہ ڈوبنے دیں گے نہ ڈوبیں گے۔ کچھ خوشخبریاں آپ لوگوں کے لیے ہیں۔ ہمارے مارکیٹنگ منیجر زین شمسی نے بہترین خط پر پانچ سو روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے لہٰذا اب آپ لوگ بہت اچھے اچھے خط لکھیں ہمارے مدیر اعزازی سلیم اختر صاحب نے بہترین کہانی پر پانچ سو روپے انعام کا اعلان کیا ہے۔ بہترین کہانی اور بہترین خط کا فیصلہ آپ لوگ کریں گے۔ مگر حتمی فیصلہ میرا ہوگا۔ اب ذرا دل تھام لیجیے آپ کی مدیرہ کی طرف سے بھی بہترین کہانی پر =/1000 روپے سکہ رائج الوقت انعام دیا جا رہا ہے۔ اگر آپ میں سے کچھ لوگ لکھاریوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انعام کا اعلان کرنا چاہتے ہیں تو سو بسم اللہ...... ونرز کے ناموں کا اعلان ہر ماہ ٹائٹل پیج پر ہوگا...... لہٰذا اپنے خطوط اور کہانیوں کے ساتھ اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر لکھنا مت بھولیے گا۔ جو لوگ سالانہ خریداری لیں گے۔ انہیں سچی کہانیاں کے ساتھ دوشیزہ بھی ارسال کیا جائے گا یعنی ایک کی قیمت میں دو شمارے...... ان اعلانات کا مقصد آپ لوگوں کو اپنے سے جوڑے رکھنا ہے اور پھر وہ قرض بھی تو چکانا ہے جس کی وجہ سے میرے اور آپ کے درمیان فاصلے در آئے تھے۔ انشاء اللہ آنے والے دنوں میں انعامی رقوم میں اضافہ بھی ہوگا۔ میں پاکستان کے ہر شہر میں نمائندہ خصوصی بھی نامزد کر رہی ہوں اُس شہر یا آس پاس کے علاقوں کے رہنے والے شمارہ ملنے میں دشواری پر اُن سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ ساہیوال ڈویژن کے نمائندہ خصوصی عبدالغفار عابد ہیں اور شہداد کوٹ کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نمائندہ خصوصی مور شاہد حسین ہیں۔ اُن کے نمبرز بھی شمارے میں شائع کیے جارہے ہیں۔ امید کرتی ہوں کہ میں اور آپ مل کر پرانے رنگ' قہقہے اور خوشیاں واپس لے آئیں گے۔ کوئی بھی شکایت ہو تو اپنی مدیرہ سے بنا ہچکچاہٹ رابطہ کیجیے۔ ان تمام خوشنما باتوں کے ساتھ بڑھتے ہیں اپنے پہلے خط کی جانب نظر علی برمانی دادو سے لکھتے ہیں۔ قابل احترام منزہ باجی السلام علیکم! پچھلے ماہ مصروفیت کی وجہ فروری کا پُراسرار نمبر 15 تاریخ کو لے سکا۔ جس میں انکل ناصر رضا کے انتقال کی نہایت افسوسناک خبر پڑھی بہت دیر تک صدمے کی سی کیفیت رہی۔ دل کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ناصر انکل اب ہم میں نہیں رہے۔ ابھی چند ماہ پہلے میری ان سے دو تین مرتبہ فون پر بات ہوئی تھی۔ وہ ہر بار مجھے کہانی لکھنے کا کہتے تھے اور احوال میں خط کے جواب میں بھی یہی بات دہراتے کہ تم کہانی لکھ کر بھیجو میں خود اس کو ٹھیک کرلوں گا۔ اتنے اچھے اور پیار کرنے والے پُرخلوص اور نہایت شفیق ناصر انکل ہمیں چھوڑ کر چل دیے۔ دلی دعا ہے کہ رب تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر کی توفیق دے آمین۔ منزہ باجی میرا اور سچی کہانیاں کا ساتھ لگ بھگ بیس سال پرانا ہے۔ میں سولہ سال کی عمر سے یہ رسالہ پڑھ رہا ہوں اور اب میں یہ چھتیسواں موسم گرما دیکھ رہا ہوں درمیان میں کافی سال احوال سے غیر

اعلان

اقبال زمان صاحب جو کہ ہمارے سابقہ سرکولیشن منیجر تھے اُن کا ادارہ سے اب کوئی تعلق نہیں لہٰذا پرچوں کی معلومات' خریداری اور دیگر معاملات کے لیے ان نمبروں 23-22-35893121 یا موجودہ سرکولیشن منیجر آفتاب عالم سے رابطہ کریں۔

رابطہ:0334-3193174

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

حاضر رہا لیکن رسالہ زیر مطالعہ رہا اور اب بھی کوشش کر کے کبھی کبھی احوال میں حاضری لگا لیتا ہوں۔ گزرتے وقت کے ساتھ میرا سچی کہانیاں سے رشتہ اور بھی مضبوط ہوا ہے۔ بہت سے پرانے دوست اب نظر نہیں آتے پرانے دوستوں میں صرف عبدالغفار عابد اور منشی محمد عزیز میئے وہ دوست ہیں جو اب بھی احوال میں شرکت کر کے اس کی رونق بڑھاتے ہیں۔ دونوں دوستوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام اور دعائیں۔ ادی تحسین جونیجو اور ادی زرینہ جونیجو بھی کبھی کبھی حاضری لگا لیتی ہیں۔ ماریہ عرفان' امجد جاوید' محمود الدین فاذ' شہباز عثمانی' علی رضا خان اور بہت سارے پرانے احوالی ہیں جو طویل عرصے سے غائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت رکھے امید ہے کہ اب یہ لوگ بھی حاضری لگائیں گے اب کہانیوں کی طرف آتے ہیں۔ منورہ نوری خلیق کی 'دختر کاہن' کا اختتام بہت اچھا رہا۔ منزہ باجی ان کی ایک کہانی جو کہ جلیل القدر مجاہد محمد بن قاسم کے بارے میں تھی آپ وہ کہانی بھی پھر سے شائع کر دیں تو مہربانی ہوگی۔ احمد توفیق جیلانی کی کہانی 'سحر ہونے تک' بیک وقت پُراسراریت سنسنی خیزی اور ٹریجڈی کا حسین امتزاج تھی۔ نیمیں غزالہ نہاں کی کہانی 'آگہی کا عذاب' ایک دکھ بھری کہانی تھی زینت کے بہن بھائی اس قدر سنگ دل تھے کہ انہوں نے زینت کو قبول نہ کیا مگر زینت یا زرینہ نے اپنی والدہ کو جائیداد واپس کر کے بہت اچھا کیا۔ وسیم احمد کی کہانی 'صدقہ زندگی' پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا اور دل سے بے اختیار سبحان اللہ کا ورد جاری ہو گیا۔ بے شک صدقہ بلاؤں کا رخ موڑ دیتا ہے یا ان کو کھا جاتا ہے۔ واہ کیا بات ہے اس کہانی کی 'بہت اچھی رہی۔ م ش خ نے سلطان راہی اور سدھیر کے بارے میں بہت اچھی معلومات دیں۔ یہ دونوں نہ صرف بڑے اداکار تھے بلکہ عظیم لوگ بھی تھے۔ اللہ اُن کی مغفرت فرمائے۔ جاوید راہی نے ایک بار پھر اپنے قلم کا جادو جگایا اور حرماں نصیب جیسی ایک لاجواب تحریر لائے دکھوں کے درد کرتی یہ کہانی بھی دکھی کر گئی۔ اس کے علاوہ 'آج کی رضیہ سلطانہ' اور پھر انہونی ہو گئی۔ تشنہ لب مٹی کی خوشبو اور 'میں بدکردار نہیں' بہت ہی خوبصورت کہانیاں تھیں۔ ادی منزہ باجی اس بار تیر نیم کش کس طرح شائع ہو گیا اور وہ بھی کافی پرانا۔ منزہ باجی میں کوئی لکھاری تو نہیں ہوں لیکن سچی کہانیاں سے ایک طویل وابستگی ہے اور میرا اس سے بہت پرانا تعلق ہے کیا اگر میں اپنا انٹرویو لکھ کر بھیجوں تو کیا وہ شائع ہو سکے گا۔ باجی اگر ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی میرا اور سچی کہانیاں کا تعلق یونہی قائم اور دائم رہے گا۔ انشاء اللہ' باجی میری آپ سے آج فون پر بات ہوئی تھی کہانی کی چوری کے معاملے پر' باجی یہ بات میں خط کے آخر میں اس لیے کر رہا ہوں تاکہ اگر آپ اس بات کو خط سے حذف کرنا چاہیں تو آپ کو آسانی ہو۔ مارچ کے شمارے میں صفحہ 240 پر ایک 'جن زادہ' شیخ معظم الٰہی کے نام سے چھپی ہے۔ اس کہانی کی اصل

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مصنفہ غزالہ نزہت فاطمہ ہیں جوکہ بہت منجھی ہوئی رائٹر ہیں۔ یہ کہانی مصنفہ کے نام سے گزشتہ سال کے ایک پُر اسرار نمبر میں شائع ہو چکی ہے۔ باجی یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے گزشتہ سال میری کہانی بھی جو کہ پُراسرار کہانی تھی وہ چوری کر کے سچی کہانیاں کو بھیجی تھی جو کہ غالباً گزشتہ ستمبر کے پُر اسرار نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ میری وہ کہانی اپریل دو ہزار کے پُر اسرار نمبر میں 'شکاری روح' کے نام سے شائع ہوئی تھی باجی لگتا ہے کہ موصوف کو پُر اسرار کہانیاں بہت پسند ہیں کیونکہ ہر بار پُر اسرار کہانی ہی چراتے ہیں میں نے اپنی کہانی چوری ہونے کی اطلاع ناصر بھائی کو فون پر دی تھی۔ جنہوں نے پھر اگلے ماہ احوال میں مجھے بتایا تھا کہ اس چوری لکھاری کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے اگلے احوال میں' میں نے خط لکھ کر ناصر انکل کو بتایا تھا کہ میں نے انہیں معاف کر دیا ہے تو پھر شاید اس وجہ سے اُن کے خلاف کارروائی روک دی گئی باجی میں نے تو ان کو یہ سوچ کر معاف کیا تھا کہ کہیں میری وجہ سے 'سچی کہانیاں' ایک اچھے لکھاری سے محروم نہ ہو جائے لیکن یہ حضرت تو کہیں سے بھی لکھاری نہیں لگتے۔ اور دوسروں کی تحریروں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اللہ انہیں عقل سلیم عطا فرمائے آمین۔

☆ نظر بھائی میں تو آپ کے نام کے ساتھ شہر دادو ہی لکھوں گی آپ اسی سے پہچانے

اطلاع عام

پرویز بلگرامی سابق مدیر سچی کہانیاں نے غیر اخلاقی حرکت کر کے ادارے کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچانے کی جو کوشش کی ہے ادارہ دوشیزہ اُس کی پرزور مذمت کرتا ہے اور قانونی چارہ جوئی کا بھی حق محفوظ رکھتا ہے۔

(ادارہ)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جاتے ہیں۔ کراچی میں ہیں تو آفس آیئے آپ کو اچھی سی چائے پلواتے ہیں۔ شیخ معظم الٰہی بھائی نے مجھے خود فون کر کے بتایا تھا کہ یہ کہانی اُن کی نہیں غلطی سے اُن کا نام شائع ہو گیا' لہٰذا اس غلطی کی ذمہ داری ادارہ قبول کرتا ہے مگر نظر بھائی آپ نے احوال کے ابتدائی حصے میں پڑھ لیا ہو گا کہ غلط کام کا انجام انتہائی رسوائی کا سبب بنے گا کیونکہ اب میں خود ہر کہانی کو دیکھ رہی ہوں۔ منورہ نوری صاحبہ کی تحریر اگر ریکارڈ میں ہوئی تو ضرور شائع کروں گی اور آپ فوراً اپنا اچھا سا تعارف مجھے ارسال کر دیں اپنی دو عدد تصویروں کے ساتھ میں آنے والے شمارے میں شائع کر دوں گی۔ امید کرتی ہوں آپ اسی طرح وقت نکال کر احوال میں شریک ہوتے رہیں گے۔

فوزیہ اختر کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترمہ منزہ سہام مرزا السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ سچی کہانی کا فروری کا شمارہ ہاتھ میں ہے۔ ناصر رضا بھائی کے انتقال کی خبر بجلی بن کر گری۔ بہت افسوس ہوا اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر ''شش کوئی ہے'' بہت اچھی لگی۔ اپریل کے شمارے ''عشق نمبر'' کے لیے ایک کہانی ارسال کر رہی ہوں امید ہے اِسے شائع کیا جائے گا۔ دراصل یہ کہانی میری دوست کی خالہ کی سچی آپ بیتی ہے میں ان کی اجازت سے اس کہانی کو لکھ رہی ہوں اور امید ہے آپ کو بھی پسند آئے گی۔

☆ فوزیہ ڈیئر! خدا کے فیصلوں کے سامنے ہم سب بے بس ہیں۔ تم نے پُراسرار نمبر کے بارے میں تو اپنی پسندیدگی بتا دی مگر مارچ کے شمارے پر تبصرہ کیوں نہ کیا بھئی یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ کہانی مجھے مل گئی ہے مگر ڈیئر آج 9 تاریخ کو ملی ہے کہانی اگر ایک ماہ قبل ملے تو پڑھ کر کمپوز کروالی جاتی ہے خیر اب تو سچی کہانیاں کس شمارہ ہوا کرے گا۔ عشق' نفرت' مزاح' پُراسراریت سب ایک ہی رسالے میں ملے گا۔ لہٰذا اطمینان رکھو تمہاری کہانی جلد شائع کر دوں گی۔

خضر حیات روڈہ تھل خوشاب سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم! پیاری آپی کیسی ہیں امید کرتا ہوں آپ خیر خیریت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو سدا خوش سلامت رکھے اور لمبی عمر دے۔ سچی کہانیاں کے سب قارئین رائٹرز اور سچی کہانیاں کو پڑھنے اور چاہنے والوں کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو۔ سب سے پہلے میں ناصر رضا کے لیے دعا کرنا چاہتا ہوں۔ ناصر رضا کے بارے میں سن کر بہت دکھ ہوا۔ ان کے جانے سے خلا پُر نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن کی اگلی منزلیں آسان کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے۔ ان کی فیملی کو صبر عطا فرمائے۔ اب شمارے کی طرف آتے ہیں۔ فروری کا ایک بھیانک خوفناک ٹائٹل کے ساتھ 6 فروری کو مل گیا۔ ٹائٹل خوفناک بھی تھا ساتھ ساتھ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خوبصورت تھا۔ شمارہ ایک طرف اور ٹائٹل ایک طرف' جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ شمارہ بہت ہی اچھا اور زبردست تھا' سب کہانیاں بہت بہت زبردست اچھی اور عمدہ تھیں۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں فلاں کی بری تھی فلاں کی اچھی تھی یہ بالکل اور سراسر زیادتی ہوگی۔ آپ کی ڈائری میں سب کی سب تحریریں بہت بہت عمدہ اور اچھی تھیں اپنی اور اپنے دوست کی تحریریں دیکھ کر خوشی ڈبل ہوگئی دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا میں مزید تحریریں بھیج رہا ہوں امید کرتا ہوں جگہ دے کر مزید لکھنے کا موقع دیں گی۔ عشق نمبر کے بارے میں اعلان سن کر بہت خوشی ہوئی اس کا بھی بڑی شدت سے انتظار ہے۔ پیاری آپی پلیز خط مکمل لگایا کریں۔ میری دعا ہے سچی کہانیاں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ خضر! دیکھو میں نے اپنا وعدہ نبھایا تمہارا خط لگا دیا حالانکہ تبصرہ باسی ہو چکا تھا۔ سچی کہانیاں اچھا لگا یہ تو زبردست بات ہے اگلے ماہ پابندی وقت کا خیال رکھو اور دانیال سے کہو کہ وہ خط خود لکھا کرے تم سے کیوں لکھواتا ہے۔ خود لکھے گا تو اپنے الفاظ میں لکھے گا نا تم اس کی مذمت کرو...... مجھے تمہاری شاعری اور آپ کی ڈائری میں شمولیت کا انتظار رہے گا۔

✽ ڈاکٹر عامر شہزاد ننکانہ صاحب سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! سب سے پہلے میں اپنے پیارے بھائی ناصر رضا کی ناگہانی وفات پر دلی دکھ کا اظہار کرتا ہوں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ فروری کا شمارہ طویل انتظار کے بعد 10 تاریخ کو ملا کیونکہ ہمارے شہر سے تو یہ بہت مشکل سے ملتا ہے اس لیے لاہور سے منگوانا پڑا میں نے غزل اور لیٹر بھیجا تھا مگر دونوں کو اس شمارے میں نہ دیکھ کر سخت حیرانگی ہوئی اب آتا ہوں شمارے کی طرف اس بار سرورق بہت خوبصورت اور واقعی پُراسرار لگا محترم سہام مرزا کی تصویر دیکھ کر دل خوش ہوگیا احوال میں محمد فیضان حسین عثمانی' نعمان احمد' ایم عاصم مجاہد' نازیہ بتول روشانے سبعین' مدیحہ گل' منشی عزیز مئے' ارشد اقبال اور ایم حسن نظامی کے تبصروں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ کہانیوں میں اُم مناہل کی پُر اسرار فقیر' فرح انیس کی شش کوئی ہے' رضوانہ آفتاب کی قبر کے مکین' نازیہ بتول کی پھوپو کی روح' مریم شاہ کی میں انتقام لوں گی' الماس فاطمہ کی مردے کی فریاد' تبسم زہرہ کی خون آشام انتقام' صدف حبیب کی بلی کے سیاہ بچے' مقصود احمد کی دہشت ناک رات' مدیحہ گل کی خوفناک منظر اور نجیب عمر کی خزانہ بہترین ثابت ہوئیں۔ فریدہ فری' مومنہ بتول' حجاب فاطمہ' ملک عاشق حسین' مریم شاہ بخاری' ایم ناصر' چوہدری قمر جہاں' دستگیر شہزاد اور اشعر ظفر نے عمدہ غزلیں لکھیں آپ کی ڈائری میں اشعر جواد کی قیمتی جواہرات اقبال خورشید کی برداشت' مسز نگہت عباس کی باتوں سے خوشبو آئے اور ایشا' شایان کی تمہاری باتیں عمدہ تحریریں ثابت ہوئیں۔ کافی عرصہ سے میں بھی کبھار سچی کہانیاں پڑھتا رہتا تھا مگر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پچھلے کچھ عرصے سے اب میں اس کا ریگولر قاری بن چکا ہوں اگر آپ کا مجھے بھر پور تعاون ملا تو انشاء اللہ اس رسالے سے ہمیشہ تعلق جڑا رہے گا میں نے ایک بالکل سچی کہانی 'معصوم محبت' آپ کو لکھ کر ارسال کی ہے براہ مہربانی اس کو ہمارے پیارے رسالے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو انشاء اللہ مزید کہانیاں بھی ارسال کروں گا ویسے تو سچی کہانیاں بہترین ڈائجسٹ ہے مگر میری عاجزانہ سی درخواست ہے کہ آپ پُر اسرار نمبر' محبت غیرا اور طویل کہانی نمبر کی بجائے ہر ماہ مکس کہانیوں پر مبنی رسالہ شائع کیا کریں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تمام رائٹرز اپنی مرضی کی کہانیاں ہر ماہ ارسال کرتے رہیں گے اور ان کو اپنے پسندیدہ نمبرز کا مہینوں انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ نیز اس سے نئے رائٹرز کی بھی حوصلہ افزائی ہوگی میری دعا ہے کہ سچی کہانیاں کو اللہ تعالٰی بہت ترقی دے آمین۔ اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو اگلے مہینے پھر حاضری دوں گا۔

☆ ڈاکٹر صاحب آپ سے فون پر بھی بات ہوئی تھی اور دیکھیے آپ کا خط اور کہانی دونوں سچی کہانیاں میں موجود ہیں۔ میں تو ویسے بھی ڈاکٹروں کی بہت عزت کرتی ہوں کیونکہ اُن کی ذرا سی غلطی انسان پر مٹی ڈال سکتی ہے۔ شمارہ ملنے میں دشواری ہے تو ڈاکٹر صاحب آپ سالانہ خریدار بن جائیں پھر ہر ماہ پابندی سے احوال میں شرکت کر سکیں گے۔ کہانیاں آپ کو اچھی لگیں مطلب محنت وصول ہوگئی۔ اگلے ماہ بھی میں آپ کے خط کا انتظار کروں گی اور لیجیے میں نے آپ کی تجویز پر مکس شمارہ دے دیا آئندہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ اب تو مانتے ہیں نا کہ آپ کی مدیرہ آپ لوگوں کی بات کو اہمیت دیتی ہے۔

☆ ارم ایوب کراچی سے لکھتے ہیں۔ ڈیئر مدیرہ السلام علیکم! تمام نئے اور پرانے لکھنے والوں کو اور قارئین کو بھی بہت سلام' پچھلے ماہ کے ڈائجسٹ میں اپنی چھپی ہوئی مناجات دیکھ کر صد خوشی ہوئی اس کے لیے شکریہ کے طور پر خط لکھنا ضروری محسوس کیا۔ ایک عرصے بعد دوبارہ سے سچی کہانیاں اور دوشیزہ کا ممبر بننے پر کافی خوشی محسوس ہو رہی ہے اس سے پہلے 2005-06 میں دوشیزہ میں ایک اور سچی کہانیوں میں کچھ کہانیاں اور شاعری شائع ہوتی رہی ہیں لیکن کچھ مصروفیات کی بنا پر یہ سلسلہ روکنا پڑا' کچھ عرصے قبل اپنی کزن فرح اسلم قریشی کے اصرار پر دوبارہ سے مناجات لکھ کر بھیجی اور ہمیشہ کی طرح آپ لوگوں کی طرف سے پذیرائی ملنے پر انتہائی مسرت ہوئی اور لکھنے کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے حوصلہ افزائی ہوئی اس ہی لیے اس خط کے ساتھ ایک نظم بھیج رہی ہوں اور کوشش رہے گی کہ کہانیاں نہ لکھ سکی تو اپنی نظمیں' غزلیں اور شاعری کے ذریعے آپ سب کے درمیان موجود رہوں انشاء اللہ...... سچی کہانیاں اور دوشیزہ میرا سب سے پہلے پلیٹ فارم ہے اور وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے غالبًا اکتوبر کے مہینے میں ایک ساتھ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں میری پہلی کاوشوں کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جگہ ملی اور سراہا گیا اور مجھے از حد خوشی اور حوصلہ افزائی ملی۔ دنیا کے کسی بھی مقام پر پہنچ جاؤں لیکن یہ ایسا پلیٹ فارم ہے جو جس کا مقام میرے دل میں ہمیشہ الگ رہے گا۔ آپ سب کی محبتوں کی تہہ دل سے ممنون ہوں۔

☆ارم! مجھے خوشی ہے کہ تم نے دوبارہ سچی کہانیاں اور دوشیزہ سے اپنا رشتہ جوڑ لیا۔ فرح اسلم تو میری عزیز از جان ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم اب پابندی سے احوال میں شرکت کیا کرو گی۔ میرے ادارے نے ہمیشہ ادب سے جڑے لوگوں کی پذیرائی کی ہے اور نو واردکو بھی وہی عزت اور احترام دیا ہے جو سینئر لکھاریوں کو ملتا ہے بس سمجھنے کی بات ہے...... تمہارے خیالات جان کر دل سے خوشی ہوئی۔

صائمہ صدیقی کراچی سے لکھتی ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ غفلت کے پردے کہانی میں نے پہلے بھی پوسٹ کی تھی فون پر معلوم ہوا کہ نہیں ملی اس لیے دوبارہ بھیج رہی ہوں۔ اس کہانی کے مرکزی کردار سے واقف ہوں اُس نے خود مجھے یہ سنائی تھی اسے کہانی کی شکل دے کر ارسال کر رہی ہوں ساتھ ایک دوسری کہانی بھی ہے اس کا عنوان 'دل کے تحی' ہے۔ اس کے مرکزی کردار سے میرے شوہر کی ملاقات ہوئی تھی۔ تازہ شمارہ پر تبصرہ نہیں کر سکتی۔ معذرت کیونکہ میں اپنے بھانجی سے لے کر پڑھتی ہوں اُسی کے پاس بھی اکثر پرانے رسالے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ تیرنیم کش کا ٹوٹکن بھی ارسال ہے۔ یہ شعر مجھے اکثر یاد آتا رہتا ہے' کہانیاں قابل اشاعت ہوں تو ضرور بتائیں حوصلہ افزائی ہوتی تو مزید کہانیاں بھی بھیجوں گی انشاء اللہ......

☆ڈیئر صائمہ! تمہاری کہانی موصول ہوگئی ہے انشاء اللہ جلد شائع کروں گی اب تمہارا قلم رُکنا نہیں چاہیے ورنہ جرمانہ ہوگا......!

عبدالحمید حیدر آباد سے لکھتے ہیں۔ محترمہ ایڈیٹر صاحبہ السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گی پہلی مرتبہ سچی کہانیاں کے لیے ایک کہانی اور دو نظمیں روانہ کر رہا ہوں امید ہے پسند آئیں گی اور آپ اس کو سچی کہانیاں میں زینت بنائیں گے۔

☆حمید بھائی! لیجیے آپ کی نظم تو شمارے میں شامل ہے اب یقین کے ساتھ احوال میں شامل ہوتے رہیے گا اور جاندار سا تبصرہ ہر ماہ بھیجیں' کہانی ابھی پڑھی نہیں جب کراچی آنا ہو تو سچی کہانیاں کے دفتر ضرور تشریف لائیے گا۔

امان حیدر آباد سے لکھتے ہیں۔ ماہ فروری کا پُراسرار نمبر شمارہ بہت اچھا تھا لیکن ڈائجسٹ میں انکل ناصر رضا کی وفات کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ جو کہانی مجھے سب سے زیادہ پسند آئی وہ تھی خوفناک منظر اس کے آخر میں جو لکھا ہوا ہے (بس لمحوں میں جیتا جاگتا انسان جنازہ میں تبدیل ہو جاتا ہے) موت کی چنگھاڑ پُراسرار فقیر بہت ہی اچھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور حیران کن تھیں۔ ششش کوئی ہے' قبر کے مکین' پھوپو کی روح' میں انتقام لوں گی' وغیرہ وغیرہ بہت خوف والی کہانیاں تھیں جبکہ کہانی نعیم بابا بہت اچھی تھی۔ میں نے پہلے بھی تبصرہ کیا تھا اور ایک کہانی بھی لکھی تھی نہ میرا احوال شائع ہوا اور نہ کہانی شاید دیر سے آنے کی وجہ سے شائع نہ ہوئی ہوں امید ہے یہ والا تبصرہ شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گی۔

☆اماں! تمہارا تبصرہ گو کہ پرانا ہے پھر بھی شائع کر دیا تا کہ تمہارا شکوہ دور ہو جائے مگر اب وقت پر احوال میں شامل ہونا۔ کہانیاں اچھی لگیں بہت شکریہ' میں آئندہ بھی امید رکھوں گی کہ تم شمارے پر تبصرہ بروقت ارسال کرو۔

ارشد اقبال چوہان' فیصل آباد سے لکھتے ہیں۔ سچی کہانیاں کا تقریباً 30 سال سے قاری ہوں۔ لیکن کبھی احوال میں شامل نہ ہوا۔ رہن ستم روزگار سے فرصت ہی نہ ملتی تھی اب ریٹائرڈ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ تو اب فرصت مل ہی جاتی ہے۔ کچھ ماہ پہلے ایک لکھاری کے اخلاقی جرم کی نشاندہی کی مگر کاشی چوہان صاحب نے وہ خط مکمل شائع نہ کیا۔ میں نے شکوہ کا ایک اور خط لکھا تو ناصر رضا صاحب جن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے ہیں نے دوبارہ جگہ سنبھال لی تھی انہوں نے وہ خط شائع کر دیا۔ تو پھر میں نے دوبارہ احوال میں آنا ضروری نہ سمجھا مگر ایک دن ناصر رضا صاحب کا فون آیا کہ آپ کی اس ماہ غیر حاضری لگ گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے مسلسل احوال میں شامل رہنے کا فیصلہ کر لیا اور اُن کی فون کال نے مجھے اُن کا مقروض کر دیا۔ دیکھیں اُن کی پرچے کے قاری سے محبت؟ اُن کی رحلت کی خبر فروری 2018 کے شمارہ سے ملی۔ یہ بے خبری بھی ایک سزا بن گئی ہے رہ رہ کر اُن کی رسیلی آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔ اور اُن کی یاد دلا رہی ہے کہ انہوں نے کس طرح میرے مشوروں کو پذیرائی بخشی۔ یقین نہیں آتا کہ اللہ کی مخلوق سے اتنا پیار کرنے والے لوگ اللہ اپنے پاس جلدی بلا لیتا ہے اللہ کو بھی یقیناً ایسے لوگ پیارے لگتے ہیں تبھی شاید وہ اُن کو اپنے پاس جلدی واپس بلا لیتا ہے...... ہم مقروض ہیں اُن کے محبتوں کے...... سچی کہانیاں کے لیے اُن کی محنتوں کے' اُن کے خلوص کے تو ہم یہ قرض اُتارنے کی پوری کوشش کریں گے۔ رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر اُن کی مغفرت' جنت میں اعلیٰ مقام' صغیرہ کبیرہ گناہوں کی معافی اور روز قیامت حضور نبی کریمؐ کی شفاعت کی دعاؤں کے ساتھ' تمام احوالیوں اور سچی کہانیاں کے قاریوں سے گزارش ہے کہ تمام مومنین مومنات مسلمین مسلمات کی ہر نماز میں مغفرت کی دعا مانگا کریں کیونکہ اللہ دعا مانگنے والے کو پسند کرتا ہے۔ شازلی مغل صاحبہ اور روشانے نے مہاروی کی صحت کاملہ کے لیے دعا گو ہوں۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ نے جو آپ پر بھاری ذمہ داری ڈالی ہے۔ اللہ پاک آپ کو اُس سے عہدہ برا ہونے کی ہمت عطا فرمائے اور صحت والی زندگی عطا فرمائے آمین۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆ارشد بھائی! یہ تو آپ نے بڑی زیادتی کی کہ 30 سال سے خاموش قاری رہے آپ کی رائے کتنی قیمتی ہوگی اس کا میں اندازہ کرسکتی ہوں اصل میں ہم لوگ اپنی آدھی زندگی شکوے شکایتوں کی نظر کردیتے ہیں اور جب وہ شخص دنیا سے چلا جاتا ہے تو ہاتھ ملتے ہیں۔ مدیر کی کرسی بڑی بھاری ہوتی ہے مگر یہ بات عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ اب آپ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا اور ہر ماہ زبردست سے تبصرے کے ساتھ احوال میں شرکت کیجیے۔

❀مریم شاہ بخاری' سرگودھا سے لکھتی ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! خدا تعالیٰ سے آپ کی صحت و عافیت اور سلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔ انکل ناصر رضا کے انتقال کی خبر دل کو گہرے ملال سے دوچار کرگئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اپنے احساسات کو کس طرح سے بیان کروں۔ انکل ناصر کے لیے مرحوم کا لفظ لکھنا بہت تکلیف دہ ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ ہمیشہ اپنی رحمتوں کا نزول اُن کی قبر پر فرماتا رہے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اپنی کہانی اور غزل ایک عرصے کے بعد سچی کہانیاں کے صفحات پر پا کر بہت خوشی ہوئی۔ اُسی مان اور یقین کے ساتھ اپنی مزید کہانیاں ایک ساتھ ارسال کررہی ہوں کہ یہ بہت جلد سچی کہانیاں میں شائع ہوکر قارئین کے ذوق کی تسکین بنے گی۔ امید کرتی ہوں کہ سچی کہانیاں کے تمام لکھاری اور قارئین بالکل خیر و عافیت سے ہوں گے۔ آپی منزہ جی! رسالہ پر تبصرہ کیا کرنا کیونکہ یہ تو ہمیشہ کی طرح ہر بار سبقت لے جاتا ہے۔ ساتھی لکھاریوں کی تحریروں پر تبصرہ کرنے کی حسرت تو دل میں ہی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ 12 تاریخ سے پہلے سچی کہانیاں ہمارے ہاتھ نہیں آپاتا...... جانے کیوں؟

☆مریم! یہی حقیقت ہے سب آگے پیچھے چلے جارہے ہیں اللہ جانے والوں کی منزلیں آسان فرمائے بھئی میں تو تم سب کو مشورہ دوں گی ہمت کرو اور سالانہ خریدار بن جاؤ اس طرح احوال میں شرکت بروقت یقینی ہوگی۔ تمہاری کہانیاں مل گئی ہیں زیادہ انتظار نہیں کرواؤں گی انشاء اللہ...... بس پابندی سے رسالے پر تبصرہ کیا کرو مجھے بھی اچھی تبدیلیاں لانے میں آسانی ہوگی۔

❀عمران مظہر' ڈوب سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ آپی' فروری کا سچی کہانیاں 12 کو مل گیا تھا۔ سرورق نارمل رہا ناصر انکل کے بارے میں لکھا آپ کا اداریہ اداس کرگیا۔ احوال سجا رہا آپی اس کے پرانے رنگ بحال کردیں تو مزہ آجائے۔ ایک وقت تھا کہ احوال میں خطوط کی تعداد بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ محمد فیضان حسین عثمانی صاحب کے خط سے میں مکمل اتفاق کرتا ہوں ایسی ہی کہانیوں کی نشاندہی میں بھی بمع ثبوت کرچکا ہوں۔ پتہ نہیں یہ کیسے لوگ ہیں جو رائٹر کہلانے کے شوق میں کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ ان کے ضمیر کیوں سوئے ہوتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہیں۔ خدا جانے' بہرحال اس طرح دھیان دینے کی ضرورت ہے چند سال سے یہ روایت ہی بن گئی ہے مجھے یاد پڑتا ہے نوے کی دہائی میں ایک رائٹر کو اُس وقت کے ایڈیٹرز نے بین کر دیا تھا۔ بار بار چوری پکڑی جانے پر بھی ایسے رائٹرز کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا گیا تو پھر انہیں کون روک سکتا ہے؟ لیکن وہ کیا ہے کہ پرانے لوگ ایسے نام نہاد لکھاریوں کو بے نقاب کرتے رہیں گے۔ میری تحریریں لگانے کے لیے بے حد شکریہ' تحریروں میں محمد سلیم اختر' اُم مناہل' فرح انیس' عبدالغفار عابد' صدف حبیب' زین شمسی اور محمد شاہد کی کہانیاں ہی پڑھ پایا ہوں اور سب نے ہی بہترین لکھا۔ ترکی میں عباسی اچھا سلسلہ ہے اس کے علاوہ آپ کی ڈائری اور مسئلہ یہ ہے بھی خوب تر ہیں زبیدہ طارق کے بارے میں لکھا مضمون بھی اعلیٰ رہا اب اجازت چاہوں گا۔

☆ چلو عمران کیا یاد کرو گے احوال کے پرانے رنگ بحال وہی چھیڑ چھاڑ وہی قہقہے۔ چغادری لکھاری بھی ہو جائیں اب تیار پابندی لگی تو تا حیات لگے گی اور تصویر بھی چھپے گی لہٰذا ہوشیار باش' عمران یہ کیا خالی خولی خط کہانی بھیجو' آپ کی ڈائری میں حصہ ڈالو کہتے ہیں نا کہ اپنے وہ نہیں ہوتے جو تصویر میں ساتھ کھڑے ہوں بلکہ وہ ہوتے ہیں جو تکلیف میں ساتھ کھڑے ہوں تو عمران اپنی مدیرہ کا بوجھ تو بانٹو۔

◀ ایم حسن نظامی قبولہ شریف سے لکھتے ہیں۔ قابل قدر بہنا جی! امید ہے آپ اور سچی کہانیاں سے جڑے سبھی احباب خیریت سے ہوں گے۔ پُراسرار نمبر آپ کی بیکراں مخلص' کوششوں اور دلچسپی کا مرہون منت ہے۔ خوبصورت ٹائٹل بہترین بائنڈنگ اور انمول پروف ریڈنگ بلاشبہ معیار کی بلندیوں کو چھو گیا۔ آپ کا اداریہ پڑھتے ہوئے من ایک بار پھر دکھی ہو گیا۔ ناصر رضا کی اچانک وفات غم کی وادیوں میں دور کہیں بہت دور لے گئی۔ بچھڑنے والے مسیحا کی سوچیں یادیں اور باتیں قبرستان کے دہانے پر لے گئیں اور پھر آنکھوں سے اشک ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ خداوند کریم اس عظیم انسان کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ احوال میں بھی خطوط ناصر رضا سے مخاطب پائے فیضان حسین حقانی بہت لمبے چوڑے خط سے محفل جان پائے' منشی عزیز صاحب نے 2017ء پورے برس کے شماروں پر فراخدلی سے قلم چلایا اور داد تحسین وصول کی۔ بقیہ بھی سبھی احباب نے پُرمعنی اور مدلل گفتگو کی۔ پرچے کی پہلی تحریر مدیرہ صاحبہ نے زبیدہ طارق کے بارے میں اپنے خوبصورت خیالات کا اظہار فرمایا۔ حسرت موہانی کا خیال بھی اچھے لفظوں کا عکاس پایا۔ بقیہ تحریروں میں سر سلیم اختر' عبدالغفار عابد' الماس فاطمہ' مور شاہد حسین' نفیسہ فضل محمود اور مقصود احمد بلوچ کی تحریریں بلاشبہ معیاری اور منفرد پائیں' مدیحہ گل اور عمران مظہر نے بھی اچھا لکھا' ایڈیٹر صاحبہ! یہ بات قابل ور ہے کہ شاعری کے لیے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چند صفحات مختص تھے مگر اب غائب ہیں محترمہ انہیں بحال کریں کیونکہ شاعری دل کا آئینہ ہوتی ہے اور آئینہ انسان کی قابلیت ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے شہر میں پرچہ جاری کرنے پر بے حد شکریہ آپ کی ڈائری' منفرد انمول اور خوبصورت گفتگو کی عکاس پائی' شاعری میں فریدہ جاوید فری' مومنہ بتول' حجاب فاطمہ حجاب' ملک عاشق حسین ساجد اور مریم شاہ بخاری کی شاعری پسند آئی۔ لطائف اور کترنیں بھی معیاری پائے مسئلہ یہ ہے بھی بہت ہی عمدہ اور معیاری کالم ہے آج کا شاعر کے عنوان سے شگفتہ شفیق نے جو ملاقات کروائی بہت ہی پسند آئی اس طرح ہر ماہ ایک شاعر سے یا مصنف سے ضرور ملوایئے گا انٹرویو کی صورت میں...... ساتھیو! زندگی برف کی مانند ہے جو لمحہ بہ لمحہ پگھل رہی ہے اسے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم کے مطابق گزاریں۔ یہ پگھل تو رہی ہے ایک روز ختم بھی ہو جائے گی سو صراط مستقیم ہی فلاح کا راستہ ہے اسے ضرور اپنائیں بس خوش رہیے اور اگلے ماہ تک اپنا خیال رکھیے گا۔

☆حسن نظامی بھائی! آپ کی تجویز سر آنکھوں پر شاعری کے صفحات بڑھائے جا رہے ہیں اور نئے شاعروں کی شاعری کی اصلاح کے لیے شگفتہ شفیق صاحبہ سے ان کا قیمتی وقت دینے کی بھی درخواست کی ہے امید ہے وہ ہمارا مان رکھیں گی۔ ویسے آپ کچھ غائب چل رہے ہیں جلدی سے اچھی سی کہانی کے ساتھ حاضری لگائیں ورنہ آپ کی تصویر تلاش گمشدہ میں لگا دی جائے گی۔

☆منشی عزیز مئے' لڈن وہاڑی سے لکھتے ہیں۔ اچھی آپی منزہ سہام صاحبہ! السلام علیکم! کل چھ تاریخ کو مارچ کا سچی کہانیاں ملا جس میں خطوط سے متعلق دس تاریخ کی ڈیڈ لائن پڑھ کر آج ہی کچھ پڑھے بنا آپ کو یہ خط بھیج رہا ہوں۔ اس کے لیے میرے دو مقصد ہیں ایک تو احوال میں شرکت دوسرا آپ کو چند تجاویز دینا۔ ایڈیٹوریل پیج پر محترم محمد سلیم اختر کا نام بطور مدیر اعزازی پڑھ کر بہت خوشی ہوئی بلاشبہ سلیم بھائی اس اعزاز کے حقدار ہیں اور میری نظر میں ان کو یہ اعزاز آپ کی طرف سے بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا۔ خیر دیر آید درست آید کے مصداق اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اچھی آپی! سچی کہانیاں سے بہت پرانے تعلق کی وجہ سے اس کی مزید بہتری کے لیے آپ کو چند مشورے دینا چاہوں گا۔ اگرچہ شاید آپ کو ان کی ضرورت نہ ہو' پھر بھی سیانے لوگ کہہ گئے ہیں کہ مشورہ' دیواروں سے بھی کر لینا چاہیے تو سب سے پہلے تو آپ شمارہ وقت پر لانے کی بھرپور کوشش کریں آہستہ آہستہ یکم تک بلکہ یکم سے بھی پہلے مارکیٹ میں لانے کی کوشش کریں۔ جس طرح پہلے احوال میں ٹاپ ٹین خطوط ہوتے تھے۔ اسی طرح ٹاپ ٹین نہ سہی ٹاپ تھری لیٹرز کا سلسلہ شروع کریں اور احوال کی ابتداء اس خط سے کریں جو کہ تبصرے اور مزاح سے بھرپور ہو' اس سے یقیناً تبصرہ نگاروں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ ہر ماہ کم از کم چار کہانیوں پر انعام والا سلسلہ شروع کریں۔ تا کہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لکھاریوں میں بہتر سے بہترین لکھنے کی فضا قائم ہو۔ آپ کی ڈائری کے ایک بہترین اقتباس‘ کترن یا غزل وغیرہ پر انعام دینے کا اعلان کریں۔ تیر نیم کش کے لیے تین افراد کو انعام دینے کا اعلان خوش آئند ہے‘ ویسے اس مرتبہ سارے ہی اشعار عید کی مناسبت سے تھے‘ لگتا ہے کوئی پرانا ریکارڈ لگایا ہے۔ منورہ نوری خلیق کے تاریخی ناولز شائع کرنے کا سلسلہ بہترین ہے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ زندگی نامہ بھی خوب ہے۔ ایسے سلسلے بند نہیں ہونا چاہئیں۔ شیخ معظم الٰہی کی تحریر جن زادہ اس سے قبل سچی کہانیاں کے کسی شمارے میں پڑھ چکے ہیں اور یہ تحریر دوبارہ پھر سچی کہانیاں میں شائع ہوگئی ہے۔ ایسی غلطیوں سے اجتناب کریں اسی طرح فہرست میں منورہ نوری خلیق کے تاریخی ناول ’دختر کاہن پر م ش خ کا نام بطور مصنف درج ہوگیا ہے۔ اس طرف بھی آپ کی بھرپور توجہ کی ضرورت ہے اور متعلقہ افراد کو بھی ذرا چوکس کردیں کیونکہ یہ بڑا تیز دور ہے اور قارئین بڑی باریک بینی سے مطالعہ کرتے ہیں اور غلطیوں ...... یہ چیں بہ جبیں ہوتے ہیں انشاء اللہ آئندہ ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ بشرطِ زندگی اب اللہ حافظ۔

غیر حاضر و گمشدہ دوستوں سے واپسی کی التماس ہے جن میں سدرہ انور‘ عظمیٰ شکور‘ ممتاز احمد قادری‘ عامر زمان عامر‘ عبدالغفار عابد‘ عزیز صیاد‘ تحسین جونیجو‘ زرینہ جونیجو اور دیگر بہت سے نام ہیں‘ آپ سب واپس آجائیں مور شاہد حسین‘ حسین خواجہ‘ آپ لوگ بھی ہر ماہ حاضری لکھوایا کریں۔ منزہ آپی کزن میرج کے نام سے ایک مختصر سی تحریر حاضر ہے۔

☆ عزیز بھائی دو تین شماروں تک تو کچھ خامیاں محسوس ہوں گی پھر انشاء اللہ میں معاملات مکمل طور پر سنبھال لوں گی۔ کوشش تو پوری ہے کہ شمارہ بروقت ہو مگر سچی کہانیاں قسط وار سلسلوں کی وجہ سے مسلسل لیٹ ہورہا ہے رائٹرز اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے ہر ماہ ایک ہی خط ارسال کررہے ہیں وہ بھی اپنی پسندیدہ تاریخوں میں‘ ایڈیٹر صاحبان نے مکمل ناول حاصل کیے بنا سلسلے شروع کردیے جو کہ ادارے کی پالیسی کے خلاف ہے اب منتظر رہتے ہیں کہ قسطیں آئیں تو پرچہ پروف اور کمپوزنگ کے بعد پریس جائے مجھے خود اندازہ ہے کہ یہ امر سچی کہانیاں کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے آپ لوگ بھی اس سلسلے میں مشورہ دیں کہ کیا کیا جائے۔ آپ کی تجاویز پر عمل کرنے کا پورا ارادہ ہے اور یقین بھی کہ آپ لوگ اسی طرح اپنے محبوب پرچے کے ساتھ جڑے رہیں گے۔

✤ حسین خواجہ۔ مچھن آباد سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! میں تین ماہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں اس امید و ثوق کے ساتھ کہ ہمیشہ کی طرح خوش آمدید کیا جاؤں گا بہن آپ نے محبت کا ثبوت مانگا ہے ہائے افسوس صد افسوس بے حد افسوس کہ یہ قوم اس قدر غافل ہوچکی ہے کہ اس کو تو اب اپنے زوال کا بھی ڈر نہیں رہا میرا یہ خیال ہے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہ یہ احمق پن کی انتہا ہے جس معاشرے میں کتاب کا تصور ہی ختم ہو جائے وہ کیا خاک ترقی کرے گی جہاں تک میں علم رکھتا ہوں کہ اشاعت کے بہت سے ادارے لاہور شہر میں بند ہو چکے ہیں حتیٰ کہ بہت سے ناقابل فراموش پرچے بھی دم توڑ چکے ہیں میں سمجھ سکتا ہوں ان حالات میں پرچے کو لے کر چلنا کتنا مشکل ہے لیکن میں بحیثیت ایک قاری ہر ممکن حد تک اپنی کوشش جاری رکھوں گا اور ماہ مئی سے اپنے چھ پرچے مختص کرواؤں گا دن بہ دن پڑھنے والوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے یہاں پر میں تعلیمی اداروں کو قصوروار ٹھہراتا ہوں اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ کتاب دوست تصور کو معاشرے میں متعارف کرائیں ایک وقت تھا جب دوست کو پیغام پہنچایا جاتا تھا کہ یار کسی اچھی سی کتاب کا نام بتاؤ اور اب دوست کو کال کر کے پوچھا جاتا ہے یار کسی اچھی سی فلم کا نام بتاؤ' اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے' میں آپ کو بس اتنا بتانا چاہوں گا کہ یہ شمارہ آپ کا نہیں ہمارا ہے اور ہم لوگ کسی صورت بھی اس کو زوال پذیر نہیں ہونے دیں گے۔ آپ کو میں ایک بات بتاتا چلوں کہ جن مسائل کا شکار ناصر رضا صاحب رہے اپنے ابتدائی دونوں میں آپ کو بھی اب انہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چند ماہ بس آپ نے ہمت سے کام لینا ہے محفل احوال کافی بہتر رہی کچھ احباب غیر حاضر تھے جن کی کمی بہت محسوس ہوئی سلطان راہی م ش خ پڑھ کر بہت اچھا لگا آج کا شاعر بھی حاوی رہا۔ ریشم کے دھاگے خوب چل رہا ہے حرماں نصیب زبردست تشنہ لب اور صدقہ زندگی لاجواب مہمل منفرد تھی مہر بھائی آپ چھا گئے۔ ادارہ سچی کہانیاں نے اب تک میری پانچ کہانیاں شائع کر کے میری بہت حوصلہ افزائی کی ہے محبت کرنے والے ناصر صاحب تو نہیں رہے لیکن مجھے امید ہے کہ ناصر صاحب کے نیک مقصد کو ساتھ لے کر چلنے والے موجود ہیں اور میری کہانی کو جگہ ضرور عنایت فرمائی جائے گی آپ کے مثبت جواب کا طالب رہوں گا جناب بھائی عبدالغفار عابد صاحب آپ کہاں رہ گئے آپ کی کمی بہت محسوس ہوئی بعنوان عورت میری تحریر کے ساتھ میرا نام نہیں لکھا گیا اس ناانصافی کی کوئی خاص وجہ......؟ خیر میرا تبصرہ ابھی ادھورا ہے اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں 'حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا' آپ نے خطوں کا جواب بہت احسن طریقے سے دیا جو کہ بہت اچھا لگا بھائی عبدالغفار عابد صاحب آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ فی الحال تو میرے کراچی آنے کے کوئی چانس نہیں اگر قسمت لائی تو سچی کہانیاں دفتر ضرور آؤں گا ہاں اگر ناصر صاحب حیات ہوتے تو وہ مجھے اتنا مجبور ضرور کرتے کہ لازماً مجھے کراچی آنا پڑتا۔ ہائے ناصر صاحب اچھے اخلاق کی زندہ مثال میرے محسن ناصر رضا صاحب اگر وہ نہ ہوتے تو ممکن ہے میں سچی کہانیاں سے دور ہو چکا ہوتا رب کریم میری پاک سرزمین کا حامی و ناصر ہو۔

☆ بھائی حسین! مجھے یقین ہے کہ ہم سب مل کر کتاب کو بچائیں گے چاہے وہ کوئی بھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کتاب ہو اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسلیں ایک پُرسکون معاشرے میں پروان چڑھیں تو ہمیں کتاب سے دوستی قائم رکھنی ہوگی اس میں ہماری نسلوں کی بقا ہے آپ نے چھ پرچے اپنے نام کر کے بھائی ہمیں تو اپنا گرویدہ کرلیا یہ بہت بڑا اور قابل تحسین عمل ہے' بھولنا بہت آسان ہے مگر عمل مرد ہی کیا کرتے ہیں آپ نے ثابت کیا سچی کہانیاں آپ کا اپنا رسالہ ہے آپ کی کہانیاں ضرور شائع ہوں گی کچھ تبدیلیاں اس ماہ سے آپ کو نظر آئیں گی امید کرتی ہوں کہ یہ تبدیلیاں مثبت ثابت ہوں گی۔

◄ **قاضی طاہر مقصود ہاشمی' منچن آباد** سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم! مدیرہ صاحبہ' اب بار بار کیا رونا اپنے حالات کا تذکرہ تو میں ماہ دسمبر میں کر ہی چکا ہوں ایک عدد ناول لکھا تھا لیکن اشاعت کی گنجائش سے محروم ہوں ناصر بھائی کے ساتھ ساری بات ہوچکی تھی کہ وہ اپریل کے قریب میرا سلسلے وار ناول شروع کریں گے لیکن افسوس زندگی نے اُن کے ساتھ وفا نہ کی کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی میں یہ ناول شائع نہیں ہوسکے گا ایک بار پھر سے بتاتا چلوں کہ میں ریٹائرڈ اسکول ٹیچر ہوں سوچا تھا پنشن کے بعد شائع کروں گا لیکن حالات نے اس کی بھی اجازت نہیں دی مارکیٹ میں شمارے تو اور بھی بہت سے ہیں لیکن سچی کہانیاں کا ایک الگ ہی معیار ہے جس سے میں بہت متاثر ہوں دوست احباب کی کاوشوں سے مجھے موقع ملا تھا ایک ماہ نامے میں شائع کرانے کا لیکن یہ سوچ کر انکار کردیا کہ اگر میں کسی اچھے ادارے سے چھپوا نہیں سکتا تو کم از کم کسی اچھے و معیاری پرچے میں ضرور ارسال کروں گا لے دے کے ایک سچی کہانیاں ہی بچتا ہے اپنے ناول کی پہلی اور مختصری قسط ارسال کررہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ ایک یا دو ماہ کے اندر اندر سلسلہ شروع ہوجائے گا میری آخری امید کی کرن سچی کہانیاں......

☆ بھائی طاہر! مجھے افسوس ہے کہ آپ سے کیا گیا وعدہ پورا نہ ہوسکا لیکن اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ آپ مجھے اپنا مکمل ناول ارسال کردیں میں کوشش کروں گی کہ آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ اصل میں بھائی سچی کہانیاں میں میری کوشش ہے کہ قسط وار سلسلے کم ہوں اور لوگوں کی کہانیوں کو زیادہ جگہ ملے لیکن اگر مکمل ناول پاس ہو تو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ میں مکمل ناول وصول کرنے کے بعد ہی شائع کرسکتی ہوں ہر ماہ قسط بھیجنے والا سلسلہ لکھاری کے لیے بھی اور بطور مدیرہ میرے لیے بھی اعصاب شکن ہے۔

◄ **بارش علی ظہیر' جیوے والا** سے لکھتے ہیں۔ مس منزہ' آداب! آپ نے خود سارا انتظام سنبھال کر بہت اچھا کیا ناصر انکل کی کمی تو پوری ہو نہیں سکتی لیکن آپ نئے آنے والوں سے کافی بہتر سلسلہ چلالیں گی ناصر انکل کے بعد اس بات کا بہت خوف تھا کہ کہیں اب سلسلہ خراب ہی نہ ہوجائے تیرنیم کش پھر سے شروع ہوگیا بہت اچھا ہوگیا' سلسلے وار ناول شمارے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کو مزید دلکش بنا دیتے ہیں کسی ایک کہانی پر تبصرہ کر کے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنا چاہتا۔ سچی کہانیاں کا معیار اس کی منتخب کردہ کہانیوں سے ہی پتا چلتا ہے زندہ رہا تو پھر ملوں گا ورنہ معافی......

☆ارے بھائی بارش اتنی مایوسی کیوں' آپ بہت جئیں گے بہت خوشیاں آپ کی منتظر ہیں پھر خط جیوے والا سے اور باتیں مرنے کی' بات جچتی نہیں ہے۔ آپ لوگ سلسلے وار ناول پر بھی اپنی رائے دیں گے تاکہ مجھے اندازہ ہو کہ سلسلے آپ لوگوں کو بھا رہے ہیں۔ اور بھائی جہاں تک سچی کہانیاں کی ادارت کی بات ہے تو آپ بھی مانیں گے کہ صرف ماں ہی اپنی اولاد کو سنبھال سکتی ہے۔

☆عبدالغفار عابد' چیچہ وطنی سے لکھتے ہیں۔ آداب' عزیز از ساتھیو ناچیز کا محبتوں بھرا سلام قبول فرمائیں۔ مارچ احوال کی محفل میں باجی منزہ ہم سے ہمکلام تھیں وہ کہہ رہی تھیں کہ سچی کہانیاں اور دوشیزہ مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز ہے ان کی ترقی میرا خواب ہے اس خواب کو تعبیر اس وقت مل سکتی ہے جب لکھاری اور قارئین مثبت سوچ کے ساتھ ادارے سے تعاون کریں گے۔ ادارے کی پالیسی اور منشور کو اہمیت دینا ہر لکھاری اور قاری کا فرض بنتا ہے۔ بے جا تنقید کرنا اور اپنے خط اور کہانی کی اشاعت کے لیے ایڈیٹرز کو مجبور کرنا ایک ادیب کا شیوا نہیں ہوتا۔ آئیں ہم سب مل کر آپس کے انفرادی اختلافات ختم کر کے ادارے کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالیں۔ ادارے کے سرپرست اور ایڈیٹرز کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں ان سے فائدہ اٹھانا عقل مندی نہیں۔ سترہ فروری کو میں باجی منزہ کے پاس بیٹھا تھا ایک صاحب کا فون آیا وہ اپنا خط شائع کروانے کے لیے بے مقصد بحث کر رہا تھا۔ حالانکہ اس وقت پرچہ پریس جا چکا تھا۔ ایسے کرداروں سے مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر ہماری تحریر میں جان ہوگی تو وہ ضرور شائع ہوگی۔ معیار پر سمجھوتہ کرنا ادارے کی پالیسی نہیں ہوتی۔ باجی منزہ کی باتوں پر غور کرنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔ ہم نے ہر طرف خوشیاں تقسیم کرنی ہے یہ سوچے بغیر کہ اوروں کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہے؟ ادارے کی ترقی کے لیے ہمیں ایک ہونا پڑے گا۔ ہماری مرکزیت ایک اور مضبوط ہوگی تو دوسرے لوگ ہماری مثالیں دیں گے۔ شہید مظہر رانجھا سسٹر آپ کو میری کہانی اچھی لگی شکریہ سچی کہانیاں کے لیے آپ بھی ضرور لکھیں۔ اچھے بھائی عبدالقدوس سنی اپنی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر پلیز ضرور لکھیں آپ کی تحریریں بہت سبق آموز ہوتی ہیں۔ دوسری بات سچی کہانیاں کو جو سیدن شاہ میں متعارف کرانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ بہت سی دعائیں آپ کے نام' مہر پرویز دولوواہ رائٹر ہیں جو ہر موضوع پر لکھنا جانتے ہیں۔ اُن سے بھی درخواست ہے کہ وہ ہر ماہ اپنی تحریر ادارے کو ضرور بھیجیں۔ حسنین خواجہ' شہزاد شریف اور بھائی رانا ناصر آپ کی محبتوں کا قدردان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوں۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔ اے لامحدود وسعتوں کے مالک اپنی عظمت کے وسیلے سے میرے پیاروں کی زندگی خوشیوں سے بھر دے۔ اُن کی خطاؤں کو اپنی رحمت کے صدقے معاف کر دے انہیں صحت و ایمان والی زندگی عطا فرما اور اُن کی نیک خواہشات پوری فرما آمین۔

☆ عابد بھائی! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اب میں کہا کہوں پڑھنے والے خود جواب دیں تو زیادہ مناسب ہے۔

✉ مور شاہد حسین قمر شہدادکوٹ سے لکھتے ہیں۔ ڈیئر آپی منزہ سہام' السلام علیکم! انکل محمد سلیم اختر بھلی کرے آیا (خوش آمدید) مارچ کا شمارہ پانچ مارچ کو موصول ہوا۔ سرورق بہترین تھا۔ محبت کا ثبوت آپ نے اداریہ بہت اہم موضوع پر تھا۔ سچی کہانیاں سے مجھے دلی محبت ہے اس کی ترقی کے لیے ڈھیروں دعائیں احوال کے آغاز میں آپ کی باتیں دل میں اتر گئیں۔ انشاء اللہ روٹھے ہوئے لوگ سچی کہانیاں میں واپس ضرور آئیں گے اور سچی کہانیاں کو چار آٹھ نہیں سولہ چاند لگائیں گے۔ ندیم عباس میواتی بھائی' اشفاق شاہین' مجید احمد جائی' صفدر علی' ملک صفدر عباسی' ادی زرینہ جونیجو' ادی تحسین جونیجو' (آپ کہانی کب پڑھنے کو دے رہی ہیں) سدرہ' شاہین بہنا' عظمیٰ شکور بہن' ارم ناز بہن' پلیز لوٹ آئیں شاد آباد رہیں۔ امید ہے اپنے سچی کہانیاں کے لیے وقت ضرور نکالیں گے۔ منشی عزیز بھائی صدارت کی کرسی پر براجمان تھے۔ مبارکباد' سلام و دعائیں' عبدالغفار عابد آداب' ساحل ابڑو' ایم یعقوب احمداتی' عامر شہزاد' فیصل ندیم بھٹی' فرح انیس ویلکم بیک' ملازم حسین شیرازی بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر تھے۔ جیو شیرازی جیو' آپی مصروفیات کی وجہ سے چند کہانیاں پڑھی ہیں۔ بہت اچھی تھیں بے حد پسند آئیں۔ امید ہے باقی کہانیاں بھی عمدہ ہوں گی۔ آپی ماہ اکتوبر 2017ء میں ایک کہانی مرحوم انکل ناصر رضا کو بھیجی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ کہانی پڑھ لی اچھی ہے۔ جلد شائع ہوگی امید ہے وہ کہانی آپ کو مل گئی ہوگی۔ اور حوصلہ افزائی فرمائیں گی اب اجازت تمام چاہنے والوں کے لیے صحت سلامتی کی دلی دعائیں۔

☆ شاہد بھائی! خوش رہیے آپ کو میں نے سچی کہانیاں کا نمائندہ خصوصی شہدادکوٹ مقرر کیا ہے۔ اب آپ کو بھی سچی کہانیاں کی ترسیل کے لیے خوب کام کرنا ہوگا۔ آپ کے علاقے کے جن لوگوں کو پرچہ دستیاب نہیں ہوگا وہ آپ سے رابطہ کریں گے مجھے یقین ہے کہ اس طرح ہم سب مل کر اِس مشکل دور میں کتاب کی سیل کے نئے ریکارڈ قائم کریں گے۔ باقی تو بھائی جن جن کو آپ نے مخاطب کیا ہے وہ خود آپ کو جواب دیں گے۔ ویسے تحسین جونیجو سے میری بات ہوئی تھی وہ ہمارے ساتھ ہیں آپ کی کہانیاں میرے پاس ہیں سب لگاؤں گی انشاءاللہ......

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

٭ فیصل ندیم بھٹی، چک نمبر 58 شمالی سے لکھتے ہیں۔ مارچ کا شمارہ سچی کہانیاں 5 مارچ کو ملا ٹائٹل میں لڑکی کی چمکتی آنکھیں، لپ اسٹک، لبوں پر سجائے اپنی طرف متوجہ کیا اس کے بعد اشتہارات کو پلٹتے دیکھتے، پڑھتے ہوئے آخر کار منزہ سہام مرزا کے اداریے، محبت کا ثبوت، پر جا کر نظر ٹھہری بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ کتاب سے دوستی کا رشتہ بہت ہی انمول ہے لیکن آج کل انٹرنیٹ کے دور میں کتاب پڑھنے کا رجحان کافی حد تک کم ہو چکا ہے۔ لیکن جو سکون کتاب کو ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں ہے وہ اسکرین پر پڑھنے میں نہیں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ چند سالوں بعد لوگ دوبارہ کتاب کی طرف لوٹیں گے اور پاکستان میں کتاب پڑھنے کے رجحان کو فروغ ملے گا۔ احوال میں کرسی صدارت پر منشی عزیز مے براجمان تھے۔ عزیز بھائی سچی کہانیاں سے آپ کی محبت آپ کے خطوط اور شعر اور تجزیے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ احوال میں کل 11 خطوط شامل ہیں امید ہے اپریل میں اس سے زیادہ تعداد ہوگی۔ حامد شکور بھائی خوش آمدید آپ تو اپنے شاہینوں کے شہر سرگودھا کے ہیں کبھی ملاقات کا موقع دیں نا۔ ملازم شیرازی، فرح انیس، مور شاہد، تحسین جونیجو، ساحل ابڑو، مجید جائی، مسز نوید ہاشمی، روشانے سبعین کو سلام۔ سحر ہونے تک میں ماں کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے سب سے بڑھ کر دنیا میں ماں کی ہی محبت کی کوئی مثال نہیں۔ آگہی کا عذاب اچھی کہانی ہے۔ یہ سچ ہے کہ عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو اُس کا کوئی یقین نہیں کرتا لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر عورت گھر سے نکلی ہوئی غلط ہو۔ صدقہ زندگی، وسیم احمد، صدقہ کے ثمرات پڑھ کر روح تک سرشار ہوگئی۔ بے شک صدقہ تو تقدیر کو بھی بدل دیتا ہے۔ سلطان راہی پاکستانی فلم انڈسٹری کا چمکتا ستارہ تھا جو ہمیشہ پاکستانیوں کے دلوں میں زندہ رہے گا۔ آج کی رضیہ سلطانہ شمارے کی بہترین کہانی ہے رضیہ کا اپنے دین سے عشق اور محبت ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ ہر عورت اگر یہ عزم کرلے تو ہر گھر میں تبدیلی آسکتی ہے اور گھر امن اور محبت کا گہوارہ بنے گا۔ ریشم کے دھاگے، محبت اور عشق میں ڈوبی، کمال ہے اور پھر انہونی ہوگئی ناقابل یقین کہانی ہے تشنہ لب، رفعت محمود کریں کسی نہ کسی کا محبوب ہوتا ہے۔ آنکھوں سے محروم بھکارن کی محبت کو سلام، میں بدکردار نہیں عظمی صدیقی ہمارے معاشرے میں مجبور عورت جو کمانے کے لیے گھر سے نکلتی ہے اس پر زیادہ تر لوگ کیچڑ ہی اچھالتے ہیں کاش بھی وہ سوچتے کہ اسی عورتیں ہمارے گھروں میں بھی موجود ہیں، زبردست کہانی ......اب اجازت دیں۔

☆ فیصل بھائی! شمارہ پسند کرنے کا شکریہ اور میں آپ کی بات سے سو فیصد متفق ہوں کہ جلد ہماری واپسی کتاب کی طرف دوبارہ ہوگی مگر ہم لوگ ہمیشہ نقصان اٹھا کر ہی واپسی کا سفر کرتے ہیں۔ ہم مسلمان چاہیں بھی تو اپنے آپ کو کتاب سے دور نہیں کرسکتے ہماری تو ابتدا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھی کتاب ہے اور انتہا بھی یہ بات جلد سب کی سمجھ میں آ جائے گی۔ اگلے ماہ میں پھر آپ کے خط کی منتظر رہوں گی۔

ارشد اقبال چوہان' فیصل آباد سے لکھتے ہیں۔ پیاری بہنا منزہ سہام صاحبہ' السلام علیکم! پچھلے ماہ پرچہ دیر سے ملا خط بھی ظاہر ہے دیر سے لکھا شامل احوال نہ ہو سکا دکھ ہوا۔ اب آپ کے حکم کے مطابق جلدی حاضر ہوں۔ مارچ کے شمارے سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ خلوص سے محنت کر رہی ہیں۔ اللہ آپ کو کامران کرے آمین۔ ہم پرانے قاریوں کو آپ کی شکل میں سہام مرزا صاحب نظر آ رہے ہیں۔ اللہ پاک ہمارے پرچے سے متعلق تمام مرحومین کی مغفرت کرے آمین۔ فیصل ندیم سرگودھا کی اس بات سے متفق ہوں کہ قارئین احوال میں واپس لوٹ آئیں۔ ملازم شیرازی صاحب احوال میں میرے خطوط کی پسندیدگی کا شکریہ اب مارچ کے شمارہ کی طرف آتا ہوں سب سے پہلے عرض ہے کہ احوال میں طویل خطوط شامل نہ کیا کریں۔ ذرا مختصر کر دیا کریں تاکہ زیادہ دوستوں کی شمولیت ہو سکے۔ دختر کاہن کے انجام نے دکھی کر دیا۔ سحر ہونے تک میں کرنل صاحب کے جذبے نے بہت متاثر کیا کہ کوئی اور ماں اسی طرح نہ تڑپے' آگہی کا عذاب بہت اچھی تحریر ہے' ثمینہ غزالہ صاحبہ کو اتنی اچھی تحریر پر خراج تحسین پیش ہے۔ صدقہ زندگی وسیم صاحب نے دوسرے مذاہب پر اپنے دین کی برتری ثابت کر کے اسلام کی خدمت کی ہے۔ سدھیر صاحب اور سلطان راہی پر تحریر کا م ش خ کا بہت شکریہ کہ انہوں نے ایسے لوگوں کو یاد رکھا گو کہ تشنگی رہی مگر کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ باقی ابھی زیر مطالعہ ہے۔ تمام احوالی دوستوں کو سلام' اگلی آدھی ملاقات تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ لیجیے ارشد بھائی! آپ کا دوسرا خط بھی شامل احوال' آپ کی تجویز اچھی ہے کہ خط مختصر کر دینے چاہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ احوال میں شامل ہو سکیں مگر ہمارے کچھ لکھاری ہتھیاروں سے لیس میدان میں کود پڑتے ہیں کہ میرا خط کیوں مختصر کیا' مدیر میرا دشمن ہے وغیرہ وغیرہ...... بالکل اس بیگم کی طرح جس نے اپنے شوہر سے دو دن سے بات چیت بند کی ہوئی تھی۔ تنگ آ کر شوہر نے پوچھا۔

"بیگم کیا ہوا کیوں ناراض ہو؟" بیگم نے جواب دیا۔

"آپ کے کمپیوٹر میں فائل ہے جس کا نام ہے My Documents آپ نے OUR Documents کے نام سے کیوں محفوظ نہیں کی۔" شوہر نے سر پکڑ لیا اور پہلی فرصت میں کمپیوٹر بیچ دیا۔ تو ارشد بھائی خطوط مختصر کیسے کریں تجویز دیں۔

حامد شکور' سرگودھا سے لکھتے ہیں۔ منزہ آپی! السلام علیکم! امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہوں گی۔ ناصر رضا بھائی کی وفات کا سن کر بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ انہیں جنت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا خط احوال میں شامل کیا' کم عمری کی وجہ سے میری کہانیاں ردی کی ٹوکری کی نذر مت کیجیے گا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ مجھے آپ پر پورا اعتبار ہے کہ آپ میری کہانیاں ماہنامہ سچی کہانیاں کے سنہری صفحات پر ضرور سجائیں گی آپ کے منفرد اور دلکش ماہنامہ سچی کہانیاں سے بہت کچھ سیکھا۔

میرے لب اس کے تقدس میں ہلتے ہی نہیں
اسے کہو میری آنکھوں میں اظہار محبت دیکھے

آنکھ کھولی تو گھر میں سچی کہانیاں اور دوشیزہ کو پایا۔ مطالعے کا شوق ورثے میں ملا۔ میری امی 'سچی کہانیاں' پڑھا کرتی تھیں۔ میں نے ہوش سنبھالا تقریباً بارہ سال کی عمر میں 'سچی کہانیاں' اور 'دوشیزہ' پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ حالانکہ تب ذہن لفظوں کے گہرے مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا مگر کچھ تھا جو اٹریکٹ کرتا تھا۔ اردو درست کرنے کے لیے کتاب (لغات) بھی خریدی جس کی وجہ سے آج لکھنے کے قابل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پڑھائی میں بھی دل لگا کر محنت کر رہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ماہنامہ سچی کہانیاں دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ گھر گھر ماہنامہ سچی کہانیاں کے چرچے ہوں گے دل کو یقین ہے کہ یہ خط آپ کی نگاہوں سے ضرور گزرے گا۔ سو دل سے آپ کے لیے بہت سی خوشیوں اور آسانیوں کی دعا کے ساتھ اجازت......

☆ بیٹے حامد! تمہارا اور میرا معاملہ بالکل ایک جیسا ہے آنکھ کھلتے ہی دوشیزہ اور سچی کہانیاں گھر میں دیکھا اب تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں اپنے ننھے قاری اور جلد بننے والے لکھاری کی کوئی چیز بھی ردی کی ٹوکری کی نظر کروں مگر وعدہ پکا ہے تاکہ تعلیم پہلے بعد میں سچی کہانیاں......

٭ حنا بشریٰ لاہور سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! منزہ آپی! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ پاک سب پر اپنا کرم فرمائے آمین۔ سب سے پہلے ذکر ہو جائے محترم ناصر رضا صاحب کا ان کی یوں اچانک وفات پر ابھی بھی بے یقین سی ہوں۔ بہت خوش مزاج ایڈیٹر تھے۔ مجھ سے ہمیشہ انتہائی شفقت سے بات کی۔ ان کی طرف سے ہمیشہ مجھے اپنی تحریروں پر حوصلہ مند تعریف ہی سننے کو ملی۔ میری تحریر مقدر یوں رکھ ہوا' پر اُن کی جانب سے شاندار الفاظ میں تعریف میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھی۔ بیٹا ایک اور اچھی تحریر لکھنے کی روایات تم نے قائم رکھی۔ جانے والے تو واپس نہیں آسکتے مگر اب ہماری دعائیں ہی ان کے لیے قیمتی تحفہ ہوسکتی ہیں۔ اللہ پاک ناصر رضا صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند سے بلند کرے آمین۔ مسز نگہت غفار صاحبہ کی صاحبزادی کے انتقال

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا اللہ انہیں صبر جمیل عطا کرے۔ والدین کے لیے اولاد کا غم کسی عظیم مصیبت سے کم نہیں ہوتا۔ سچی کہانیاں 13 تاریخ کو موصول ہوا۔ اسپیڈ پکڑی اور جلدی جلدی پڑھنے پر کمر کس لی۔ کیونکہ خط لکھنے کے لیے پڑھنا تو ضروری تھا نا...... تحریریں سب بہت عمدہ تھیں۔ صدقہ زندگی وسیم احمد کی بہترین تحریر لگی۔ آ گہی کا عذاب' سیمیں غزالہ نہاں نے ہمیشہ کی طرح عمدہ کہانی پیش کی۔ حرماں نصیب جاوید راہی صاحب نے تو کمال ہی کر دیا۔ مٹی کی خوشبو انیلا حمید کی تحریر اچھی لگی۔ میں بدکردار نہیں عظمیٰ صدیقی کی کہانی نے بے حد متاثر کیا۔ دھند کے اس پار' حنا اصغر کے تو کیا ہی کہنے ان کی تو ہر تحریر ہی میلہ لوٹ لیتی ہے۔ ویلڈن...... میرے بابا کی شادی مہر نسیم کی کہانی دل کو لگی۔ سحر ہونے تک توفیق احمد جیلانی نے بھی خوب لکھا۔ ریشم کے دھاگے اور التماس' نہایت خوبصورت سلسلے ہیں اور پھر انہونی ہوگئی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ بس ابھی اتنی ہی تحریریں پڑھ سکی جن کی تحریروں پر تبصرہ رہ گیا ان سب لکھاریوں سے معذرت کیونکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں رسالہ ہی لیٹ ملا۔ خیر آخر میں سب لکھنے اور پڑھنے والوں کو ڈھیروں دعائیں اللہ سب مسلمانوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے چاہے وہ دنیا کے جس کونے میں بھی ہوں۔ آمین۔ منزہ آپی عشق نمبر کا بڑی بے تابی سے انتظار ہے۔ میری تحریر شمع عشق شامل اشاعت ہے۔ ڈھیروں نیک تمناؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

☆ بہت ہی پیاری حنا! بالکل جناب حسب وعدہ تمہاری تحریر عشق نمبر میں شامل ہے۔ تم نے ہمیشہ اپنی مدیرہ کا مان رکھا ہے جیو بچے ہزاروں سال...... شمارہ دیر سے ملا پھر بھی تقریباً سارا ہی پڑھ کر تبصرہ کیا...... زبردست...... تمہاری تعریف مصنفین تک پہنچا دی ہے اب وہ خود تمہارا شکریہ ادا کریں گے۔ اگلے ماہ بھی میں تمہاری منتظر رہوں گی۔

✤ ملازم حسین شیرازی' بھکر سے لکھتے ہیں۔ محترمہ مدیر اعلیٰ صاحبہ تسلیمات' آپ کی سرپرستی اور ادارت میں پرچہ سچی کہانیاں روز بروز اعلیٰ مدارج طے کر رہا ہے۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے گوناں گوں تبدیلیاں اور دلچسپیاں قارئین کو بہت بھلی محسوس ہو رہی ہیں۔ آپ نے صحیح فرمایا کہ تھوڑی سی آسانی کے لیے قارئین اپنے محبوب رسائل و کتب وغیرہ نیٹ پر پڑھ لیتے ہیں جس کی وجہ سے کتب بینی' پڑھائی لکھائی کا استحصال ہو رہا ہے۔ اچھی کتابیں اور سچے لوگ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتے حکومت وقت کو سائبر کرائم کے تحت ایسی تمام سائٹس بند کر دینی چاہئیں۔ تاریخی کہانی دختر کاہن از قلم م ش خ دلچسپیاں سمیٹے اختتام پذیر ہوئی۔ بہترین تحریر' سحر ہونے تک سوچ بچار میں محو کرتی عمدہ تحریر ایک عبرت انگیز داستان' آ گہی کا عذاب' سیمیں غزالہ نہاں' نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب داستان' سلطان راہی سدھیر' غربت کی گود میں پلنے والے عظیم فنکار اپنی رحم دلی فیاضی اور انسان دوستی کے رشتے قائم کیے ہزاروں گھرانے اُن کی امداد سے آباد تھے اللہ پاک مغفرت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فرمائے' حرماں نصیب جاوید راہی ایک پیچیدہ لیکن دلچسپ داستان' صدقہ زندگی وسیم احمد' مصیبت غم وآندم اور پریشانیوں میں صدقہ دنیا بفضل تعالیٰ وکرم ان اذیتوں سے چھٹکارا ملتا ہے صدقہ کی اہمیت سے انکار اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ ریشم کے دھاگے ہر قسط ایک سے بڑھ کر ایک واقعی دلچسپ سلسلہ' تشنہ لب' ناقابل یقین یادگار تحریر ماشاء اللہ' آج کی رضیہ سلطانہ سلمیٰ نسیم' دین ودنیا سے مکمل آگاہی احسن کامیابی ہے' مٹی کی خوشبو' انیلا حمید حقیقت سے جڑی سچ بیانی سبق آموز کہانی' ترکی میں عباسی قمر علی عباسی' دلچسپ اور معلومات فراہم کرتا سفرنامہ' التماس' واقعی منفرد اور پُراسرار سلسلہ ناقابل فراموش' بولتی تصویریں ہمیشہ کی طرح اعلیٰ تحریر اور دلچسپ کہانی' آپ کی ڈائری انتخاب لاجواب ہے تیر نیم کش معیاری اشعار سے مزین انتخاب' مسند صدارت پر فائز منشی محمد عزیز مئے واقعی اس کے لائق ہیں۔ سچی کہانیاں سے آپ کی دلچسپی لائق تحسین ہے۔ فیصل ندیم بھٹی کافی عرصہ بعد احوال میں شرکت فرما رہے ہیں خوبصورت خط لکھتے ہیں نفیسہ فضل آپ کی بزرگی کا سایہ لکھاریوں اور قارئین سچی کہانیاں پر ہمیشہ قائم رہے مور شاہد حسین آپ سب قارئین کو متوجہ کرتے ہیں کہ سچی کہانیاں سے جڑے رہیں یہ آپ کی رسالہ سے دلچسپی کا مظہر ہے۔ فرح انیس آپ کا تبصرہ دلچسپی کا حامل ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ' ایم یعقوب ہمدانی' ساحل ابڑو' روشانے سبعین مہاروی (کبھی اپنے اسم گرامی کے معنی اور وجہ تسمیہ بیان فرمائیں) آپ سب کے خطوط نہایت دلچسپ ہوتے ہیں۔ دوسروں کے حق تلفی کے پیش نظر کہانیاں اور احوال پر تبصرہ مختصر کرنا پڑتا ہے آخر میں مدیرہ اعلیٰ سے گزارش ہے اور یقین دلاتے ہیں کہ رسالہ کو مزید کامیابیوں سے ہمکنار کرنے میں فرض سے کوتاہی نہ ہوگی۔ آپ کی رسالہ سے لگن ہی ہے کہ ہر قاری کی اولین پسند سچی کہانیاں ہوتا ہے۔ میری دو عدد کہانیاں 'نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے' اندھیرا اجالا' آپ کے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہیں جن کے بارے میں مرحوم ناصر رضا صاحب نے فرمایا تھا کہ عنقریب شائع ہوں گی۔ اگر قابل اشاعت سمجھیں تو شائع فرمادیں۔ عین نوازش اجازت چاہتا ہوں سب احباب کو دعا سلام۔

☆ بھائی ملازم شیرازی! بہترین انداز' مختصر مگر جامع خط آپ کی کہانی انشاء اللہ مئی کے شمارے میں موجود ہوگی' بس بھائی ہم سب کو مل کر ہی کتاب کو بچانا ہے اور دشمن کی اس سازش کو ناکام کرنا ہے کہ ہمارے بچے کتب بینی سے دور ہوجائیں ہماری خواتین کتاب پڑھنے کے بجائے سارا سارا دن فیس بک اور واٹس اپ پر وقت ضائع کریں۔ ہمیں کتاب سے رشتہ جوڑ کر اپنے گھروں کو شیطانیت سے بچانا ہے اور آپ سب کا ساتھ ناگزیر ہے۔

ساحل ابڑو' ڈیرہ اللہ یار سے لکھتے ہیں۔ محترمہ منزہ سہام صاحبہ السلام علیکم! دیگر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

احوال زیر قلم ہیں مارچ کا تازہ شمارہ سچی کہانیاں میرے ہاتھوں میں ہے خوبصورت ٹائٹل اور بہترین کہانیوں کا انتخاب' ماشاء اللہ اس بار خطوطوں کی بھی مقدار کچھ زیادہ تھی مگر آہستہ آہستہ بڑھتی جائے گی۔ اگر سچی کہانیاں کی پوری اسٹاف والوں کی طرف سے اس طرح محنتوں کی رونقیں بڑھتی گئی تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام ادیب بزرگ و خواتین میں اور ادب کی دلچسپی مطالعہ جنون کی طرف راغب ہوگی۔ جس کا منہ بولتا ثبوت ہے مارچ کا شمارہ منزہ جی میں آپ کی محنت اور لگن کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں آپ کی چند سطریں احوال میں پڑھ کر حیران ہوگیا جس طرح سے آپ نے رائٹروں کو مخاطب کیا ہے تو اس کا درد اور خلوص محبت میں اچھی طرح سے محسوس کرتا ہوں۔ میں آپ کو ادب کے بریرہ تارہ نہیں بلکہ ادب کے زمزمہ پرواز کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پرچے کو اور ترقی دے اور تمام رائٹروں میں سُلا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

محمد سلیم اختر کو ایڈیٹر منتخب ہونے پر بہت بہت مبارکباد ہو سلیم اختر صاحب سے میری ایک گزارش ہے کہ وہ ہر ماہ ادب انتخاب ایک کہانی ضرور شائع کیا کریں تاکہ نوجوان نسل رائٹروں میں ادب کی خوشیوں اور اچھا سے اچھا لکھنے کا رجحان پیدا ہوجائے۔ کیونکہ ہماری تحریروں میں اب وہ جان نہیں رہی ہے جو ہم ادب پر پورا اتر سکیں اور ایک صفحہ ادبی رپورٹوں کے لیے وپچیدہ وپچیدہ کے نام سے شائع کردیں تاکہ رائٹر حضرات اپنی تنظیم کی ادبی رپورٹیں شائع کروانے میں فخر محسوس کرے اور انعامی سلسلے کو دوبارہ شروع کردیں۔

باجی منزہ شمارہ دیر سے ملنے کی وجہ سے کہانیوں پر تبصرہ نہ کرسکا جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں زندگی نے ساتھ دیا تو پھر بھی انشاء اللہ آپ کی نظر میں محمد اسلم آزاد صاحب کا انٹرویو روانہ ہے جس کا تعلق سچی کہانیاں سے 2006ء سے ہے۔ باقی انٹرویو آپ کو ہر ماہ ملتا رہے گا۔

☆ یہ کیا ساحل بھائی! چیئرمین سینیٹ آپ کے صوبے سے آ گیا اور آپ بنا مٹھائی چلے آئے یہ تو زیادتی ہے۔ اب آپ کی سزا کراچی آ کر مٹھائی کھلائیں اور میں آپ کو اچھی سی چائے پلاؤں گی۔ تجاویز میں تمام پڑھنے والوں کے سامنے رکھ رہی ہوں دیکھیے کیا رائے دیتے ہیں ذاتی طور پر مجھے یہ تجاویز پسند آئی ہیں۔ مگر سچی کہانیاں ایک جمہوری رسالہ ہے لہٰذا جمہور کی رائے سر آنکھوں پر' محمد اسلم آزاد صاحب کا انٹرویو شکریہ کے ساتھ وصول کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ اب پابندی سے ہر ماہ مجھے انٹرویو بھیجتے رہیں گے۔

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دنیا میں کس جگہ

سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اِس لیے کہ "سچی کہانیاں" کے مصنّفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور سچائیوں کو برتتے' دیکھتے' محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں "سچی کہانیاں" کے قارئین وہ ہیں جو سچائیوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ "سچی کہانیاں" پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے "سچی کہانیاں" میں آپ بیتیاں' جگ بیتیاں' اعترافات جرم و سزا کی کہانیاں' ناقابلِ یقین کہانیاں' دلچسپ و سنسنی خیز سلسلوں کے علاوہ مسئلہ یہ ہے اور قارئین و مدیر کے درمیان دلچسپ نوک جھونک احوال۔ سب کچھ جو زندگی میں ہے وہ "سچی کہانیاں" میں ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا — اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پرل پبلی کیشنز : 88-C-II فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔
ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی فون نمبر: 021-35893121-35893122
ای میل : pearlpublications@hotmail.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کانتی سروپ

وہ اپنی بیوی سے سچی محبت کرتا تھا تبھی تو
جلتی چتا بھی اس کا جسم بھسم نہ کر سکی......

رفعت محمود

بھارتی ضلع بینکوار سے تقریباً آٹھ میل مشرق کی جانب ایک برساتی ندی لیرا کے کنارے تین گاؤں سوہن' موہلہ' اور بھلیرا آباد ہیں۔ جن میں موہلہ ہر لحاظ سے بڑا گاؤں ہے۔ تمام آبادی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ وہاں کا سب سے بڑا زمیندار کانتی سروپ تھا۔ جو اپنی بیوی کملا دیوی کے ہمراہ بڑے رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا۔ کملا دیوی قصبہ پکتیا ضلع راج شاہی کے ایک مقتدر ہندو کا نو بابو کی بیٹی تھی اس کی تعلیم میٹرک سے اوپر ہی تھی اسے آیورویدک تعلیم سے خاصی دلچسپی تھی۔

کانتی سروپ کا باپ منوراج محکمہ ایکسائز پکتیا میں سب انسپکٹر تھا۔ جب اس نے وہاں اپنے بیٹے کی شادی کملا دیوی سے رچائی تھی۔ باپ کی وفات کے بعد کانتی سروپ اپنے آبائی گاؤں موہلہ واپس آ گیا۔ جہاں اس نے زمینداری کی ذمے داریاں سنبھال لیں۔ جن سے اس کو خاصی آمدنی ہونے لگی۔ وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ ستمبر 1923ء میں اسے ہیضے کی شکایت ہوگئی۔ بڑے علاج معالجے کے باوجود بیماری میں افاقہ نہ ہوا اور اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ گم صم سا ہو گیا۔ تو اسے مردہ قرار دے کر اس کی لاش جلانے کا انتظام کیا گیا۔ مرگھٹ لیرا ندی کے قریب تھا۔ جب اس کی چتا کو آگ دکھائی گئی تو آندھی اور بادلوں کا ایک طوفان سا امڈ آیا۔ طوفان اتنا تیز تھا کہ لوگ پناہ ڈھونڈنے کے لیے مرگھٹ سے بھاگ آئے اور چتا کو ویسے ہی جلتا چھوڑ آئے۔ جو طوفانی بارش میں جلد ہی بجھ گئی۔

اتفاقاً جٹادھاری سادھوؤں کا ٹولہ اپنے گرو ماندھیر کی سرکردگی میں اس طرف سے گزر رہا تھا کہ وہ بھی طوفان میں گھر گیا۔ گرو ماندھیر نے اپنے چیلوں کو روک کر کہا۔

''مجھے ایک شخص کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے تم سب بکھر کر تلاش کرو کہ معاملہ کیا ہے؟'' ان کی دوڑ دھوپ سے چتا پر کراہتی ہوئی لاش

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈھونڈی گئی اور اسے اُتار کر ایک محفوظ مقام پر لے جایا گیا۔ کیونکہ بارش لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی۔ جلد ہی یہ ٹولہ چند میل شمال میں ایک سایہ دار پناہ گاہ تک پہنچ گیا۔ جہاں گرو ماندھیر نے ویدک کشتوں سے کانتی سروپ کا علاج شروع کیا۔ چند دنوں میں کانتی سروپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ لیکن اس کیس اری یادداشت جاتی رہی' وہ گروپ کو کچھ نہ بتا سکا کہ وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ اور اس کا کس گاؤں سے تعلق ہے۔ گرو ماندھیر نے اسے بھنو کا نام دے کر اپنے گروہ میں شامل کر لیا کہ جب بھی اس کی یادداشت بحال ہو اسے واپس اس کے گاؤں بھیج دیا جائے۔ چنانچہ وہ اسے اپنے بن باسی طرز زندگی میں جگہ جگہ اپنے ساتھ لیے پھرے۔ ان کا اگلا پروگرام کاشی' بنارس' الٰہ آباد اور ہردوار جانے کا تھا' اور یہی ان کی تپسیا تھی۔

☆......☆......☆

اگلے روز طوفان تھم جانے پر موہلہ کے لوگ مرگھٹ پہنچے تو وہاں چتا کا نام ونشان نہ تھا۔ سب لکڑیاں اور لاش غائب تھی۔ برساتی پانی سب کچھ بہا کر لے گیا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب تک لاش جنگلی درندوں نے ہڑپ کر لی ہو گی۔ کانتی سروپ کی بیوی کملا دیوی اور اس کے رشتہ دار رو دھو کر واپس چلے گئے اور لاش کی مزید تلاش ترک کر دی۔

ہندو بیوہ کو 'ودھوا' کہتے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک منحوس سمجھی جاتی ہے اور کوئی بھی اس سے میل ملاپ رکھنا پسند نہیں کرتا۔ عورتیں زیادہ تر ان سے دور رہتی ہیں اور کنواریاں انہیں اچھوت سمجھ کر ان کی پرچھائیوں تک سے دور بھاگتی ہیں اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مرد بھی کسی اسکینڈل میں ملوث ہوجانے کے ڈر سے علیحدگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ گھر آنے پر کملا دیوی ان ہی حالات سے گزرنے لگی۔ قریبی عزیزوں نے اس کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور تھوڑی سی زمین اس کے گزارے کے لیے باقی رہ گئی۔ چند سال میں وہ اس تنہائی اور بے چارگی سے تنگ آ گئی اور اس نے الہٰ آباد جا کر ودھوا آشرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا اور ایک بوڑھے ہندو کے ساتھ جانے کا انتظام کیا جو اپنی مردہ بیوی کی راکھ گنگا میں بہانے کے لیے (پریاگ) الہٰ آباد جا رہا تھا۔ اس نے اپنا گھر اور باقی ماندہ زمین اپنے ایک رشتے دار کے سپرد کی اور الہٰ آباد چلی گئی۔ بوڑھے ہندو نے اُسے ودھوا آشرم میں داخل کرادیا اور بیوی کی راکھ گنگا جمنا کے سنگم میں بہا کر واپس آ گیا۔ کملا دیوی کے آشرم میں داخل ہوتے ہی اس کے سر کے بال مشین سے مونڈ دیے گئے اور پہننے کے لیے مٹیالے رنگ کی کھدر کی ساڑھی بغیر بلاؤز کے پہنا دی گئی۔ ودھوائیں زیادہ تر ننگے پاؤں ہی چلا کرتیں، انہیں جوتا نہیں دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ کھڑائیں تک نہیں پہن سکتی تھیں انہیں صبح سویرے ہی گنگا جمنا کے سنگم پر ان دریاؤں کے پانی سے اشنان کرنا ہوتا اور پھر پوجا پاٹ، آشرم میں واپس آ کر ہر روز کا کھانا پکانا، برتن مانجھنا، رسوئی اور دوسری جگہوں کی جھاڑو سے صفائی اور پھر چکنی مٹی سے لیپا پوتی، بعد ازاں دن بھر باغبانی وسوت کی کتائی، ٹاٹ، دریاں، قالین، چٹائیاں اور کرسیاں بنتا اور خس خس کی ٹیٹوں کی تیاری اس تیار سامان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس سے آشرم کا خرچا چلتا، جو ودھوائیں آشرم آ جاتیں، ان کے گھر والے ان سے کم ہی رابطہ رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ سال میں ایک بار اُن سے ملنے آتے تو ایک دو جوڑے کپڑوں کے اور کچھ نقد رقم دے جاتے، اسی ماحول میں کملا دیوی باقی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی۔ اسے اب موت کے علاوہ کسی چیز کی آرزو نہیں تھی۔ اس کے لیے ہنستی بستی زندگی اندھیر ہوچکی تھی۔

☆......☆......☆

دریائے گنگا اور جمنا ہندوؤں کے لیے پوتر دریا ہیں۔ ہر ہندو کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کی جلی ہوئی راکھ گنگا میں بہائی جائے۔ پنجاب کے شمال مشرق میں جب دریائے گنگا پہاڑوں سے نکل کر ہردوار کے مقام پر میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے تو اس کے نزدیک بسنے والے لوگ اپنے مردوں کی راکھ وہاں گراتے ہیں۔ الہٰ آباد کے قریب پریاگراور تری بینی کے عین مقابل وہ جگہ جہاں دریائے گنگا اور جمنا باہم ملتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک انتہائی پوتر مانی جاتی ہے۔ یہاں ماگھ (جنوری، فروری) میں ہر بارہ سال بعد ایک عظیم میلہ لگتا ہے۔ جو کنبھ کا میلہ کہلاتا ہے۔ اور ایک ماہ تک جاری رہتا ہے، یہ میلہ ہر سال بھی چھوٹے پیمانے پر لگتا ہے۔ جو چھ سال بعد لگتا ہے اسے آدھی کمبھی کہتے ہیں۔ جو بارہ سال بعد لگتا ہے۔ اس میں شامل ہونے کے لیے ہندوستان کے ہر کونے سے یاتری جمع ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا ہجوم سادھوؤں کا ہوتا ہے جو گروہ در گروہ نزدیک دور سے وہاں جمع ہونے چلے آتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دریاؤں کے سنگم پر اشنان کرنے سے پاپ (گناہ) جھڑتے ہیں۔ اور اگر کوئی اشنان کرتے ہوئے ڈوب جائے تو سیدھا سورگباش (جنتی) ہوجاتا ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

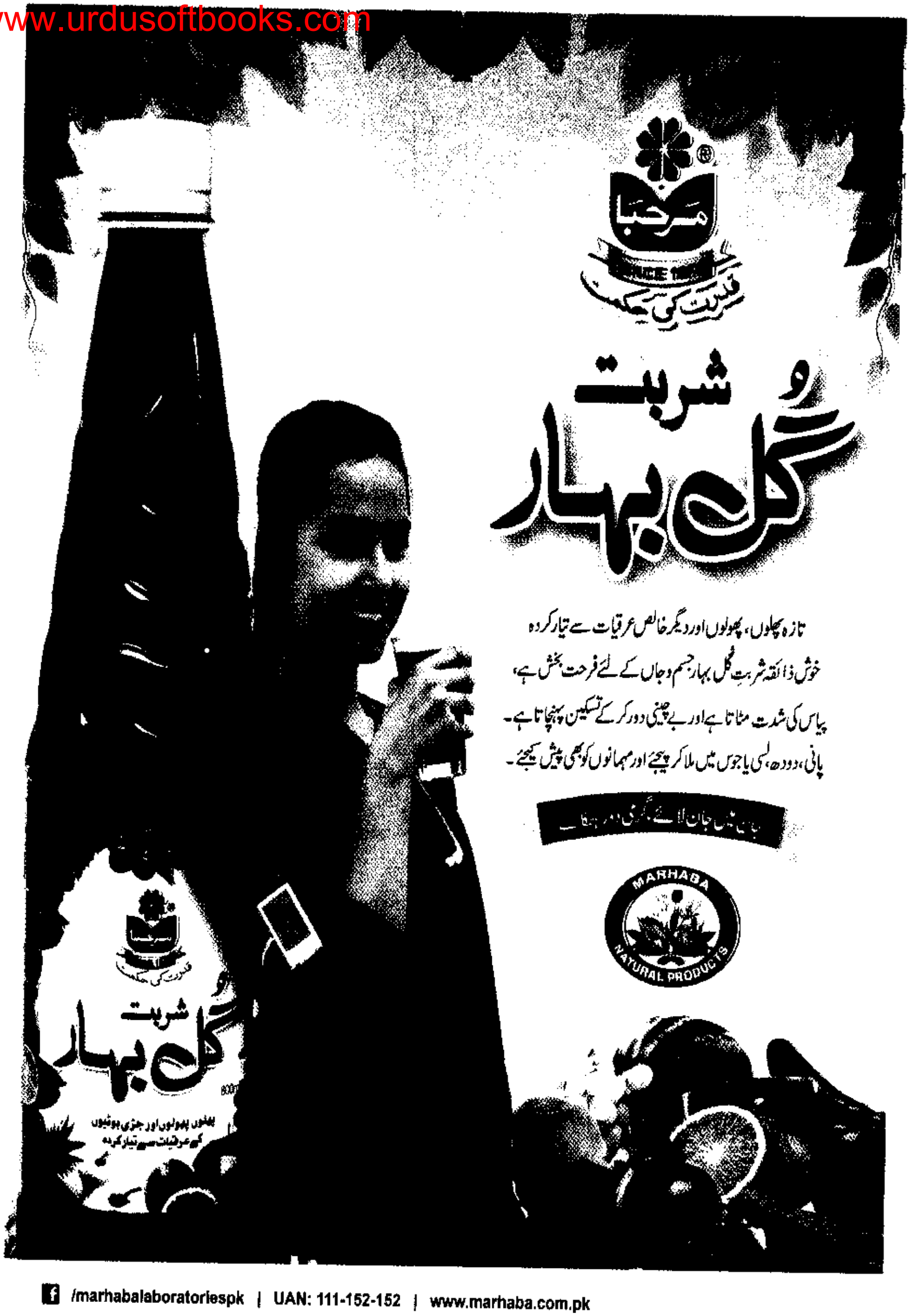

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

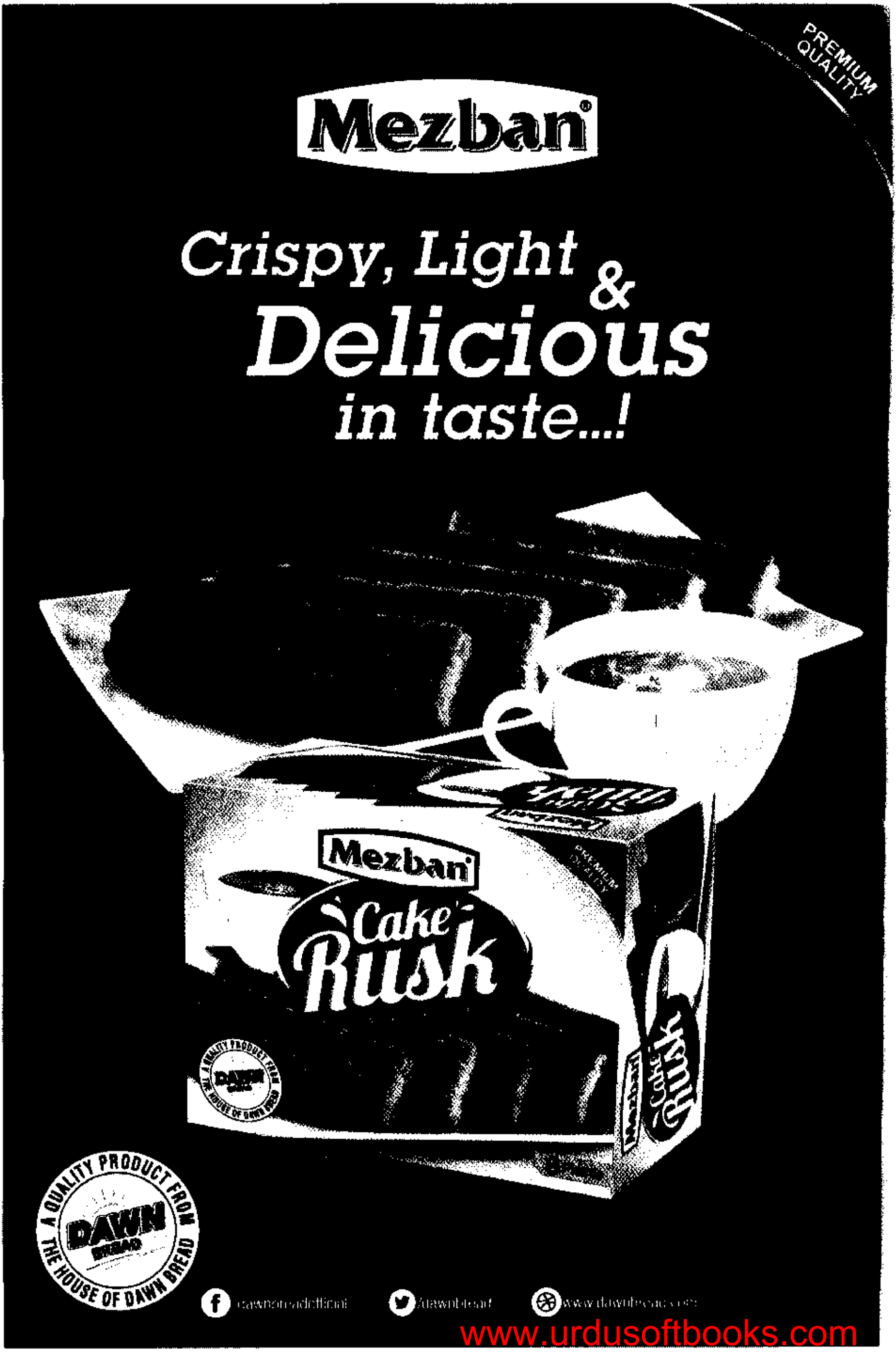

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھنسو (کانتی سروپ) ماندھیر سادھو کے گروہ میں شامل ہوکر، کاشی، بنارس، الہٰ آباد حتیٰ کہ ہردوار تک قریہ بہ قریہ اور جنگل جنگل گھومتا پھرتا رہا، لمبے بال اور کمر پر ہلکا سا پٹکا، اس کی ہیئت اتنی بدل گئی تھی کہ کوئی اسے پہچان نہ سکتا تھا۔ کئی سال گزرنے کے بعد جب یہ گروہ اسی مقام کے نزدیک ٹھہرا جہاں سے اسے چتا میں جلتے اٹھایا گیا تھا تو بھنسو کو ایسے معلوم ہوا کہ جیسے یہ مقام اس کا دیکھا بھالا ہے وہ صبح سویرے لیرا ندی کے کنارے اشنان کرنے گیا تو ایک مقام پر کیچڑ میں پھسل کر گر پڑا اور اس کا سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرا گیا اور فوارے کی مانند اس کا خون بہنے لگا۔

دوسرے سادھو اُسے اٹھا کر فوراً گرو ماندھیر کے پاس لے گئے۔ گرو نے زخم صاف کرکے مرہم پٹی کردی۔ اُس اچانک چوٹ اور خون کے بے تحاشا بہنے پر بھنسو کی یادداشت عود کر آئی اور اس کا سارا ماضی اُس کے سامنے آ گیا۔ گرو ماندھیر نے جب اُسے بتایا کہ پانچ چھ سال قبل اسے اسی جگہ چتا سے نکال کر اسے میں نے اپنے گروہ میں شامل کیا تھا۔ تو کانتی سروپ عرف بھنسو گرو سے اجازت لے کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ گاؤں پہنچا تو کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ اور سادھوؤں کے لباس میں پہچانتا بھی کیسے، جبکہ وہ ان کے لیے جل مر چکا تھا۔ وہ اپنے گھر گیا جہاں کسی کو اس کے زندہ ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ گھر میں بسنے والوں اور اس بوڑھے ہندو سے جو کملا دیوی کو پریاگ کے ودھوا آشرم میں چھوڑ آیا تھا۔ پورا پتہ لینے کے بعد وہ سیدھا گرو ماندھیر کے پاس پہنچا۔ گرو نے اسے بتایا کہ 1926ء کے ماگھ (جنوری، فروری) کے مہینے میں آدھ کمبھی کا میلہ لگنے والا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر ہم ودھوا آشرم سے تمہاری پتنی کو ڈھونڈ نکالیں گے۔

الہٰ آباد سے پریاگ کا ریلوے اسٹیشن سات میل کے فاصلے پر ہے اور دریا پر اکبری قلعہ اپنی پوری آب و تاب سے استادہ ہے۔ دریائے گنگا و جمنا کے سنگم کے عین سامنے تری بینی کا گاؤں آباد ہے۔ جو ہر وقت آنے والے یاتریوں کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ ان دونوں جگہوں کے درمیان دریا سے آدھ میل کے فاصلے پر ودھوا آشرم واقع ہے جس کی تلاش میں کانتی سروپ عرف بھنسو اپنے سادھوؤں کے گروہ کے ساتھ پہنچا تھا۔ آدھ کمبھی کا میلہ قریب ہونے کی وجہ سے وہاں روز بروز رونق بڑھتی جارہی تھی۔ گرو ماندھیر کے ہمراہ بھنسو آشرم کے منتظمین سے ملا۔ جن سے انہیں پتہ چلا کہ کملا دیوی یہاں داخل ہے۔ لیکن سادھوؤں سے اُسے ملانے سے انتظامیہ نے صاف انکار کردیا۔

اگلے روز کانتی سروپ صبح سویرے اشنان کے وقت دریاؤں کے سنگم کے قریب بیواؤں کے راستے میں جا بیٹھا۔ اتنے میں ودھوائیں میلی کچیلی ساڑھیاں پہنے ننگے پیر وہاں سے گزرنے لگیں۔ کملا دیوی چونکہ بلند قامت تھی۔ لہٰذا اسے پہچاننے میں اسے زیادہ دیر نہ لگی۔ تو کانتی سروپ نے اونچی آواز میں کملا دیوی کو پکارا۔ جانی پہچانی آواز ایک سادھو کے منہ سے سن کر وہ غصے سے پاگل ہوگئی اور کانتی سروپ کے بار بار پکارنے کے باوجود تیزی سے دریا کی طرف بڑھ گئی۔ اُن کی واپسی کے وقت بھی کانتی سروپ آوازوں پر آوازیں دیتا رہا۔ لیکن کملا دیوی اُسے حقارت سے دیکھتی ہوئی آشرم کی طرف روانہ ہوگئی۔

کانتی سروپ ناکام و نامراد سادھوؤں کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈیرے پر پہنچا تو اس نے اپنی تمام کارگزاری گرو کو سنائی۔ گرو سوچ بچار کرنے کے بعد کہنے لگے۔

''بھنو! تمہارا سادھوؤں کا لباس اور حلیہ اس سارے بگاڑ کی وجہ بنا ہے۔ تمہاری پتنی تمہارے اُس لباس اور حلیے سے مانوس ہے۔ جس میں تمہیں اس نے آخری بیماری کے وقت دیکھا تھا۔ ہم سادھوؤں کے اس حلیے اور لباس سے تو ہر عورت اور خاص کر ودھوا تو کوسوں دور بھاگے گی۔'' چنانچہ اگلے روز حجام کو بلوا کر اس کے بال اسی طرح کاٹے گئے اور داڑھی بھی صاف کردی گئی۔ پھر درزی سے بنگالی لباس سلوا کر اسے پہنایا گیا۔

تین روز بعد کانتی سروپ اپنے اصلی روپ اور لباس میں اسی جگہ بیٹھ گیا۔ جہاں وہ پہلے روز بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بیوائیں وہاں سے گزرنی شروع ہوئیں۔ جوں ہی کملا دیوی وہاں پہنچی کانتی سروپ نے پہلے اسے کملا دیوی کہہ کر پکارا اور پھر اُس کا محبوب نام 'کملی' کہہ کر آواز دی۔ کملا دیوی نے جب اپنے خاوند سے ملتے جلتے شخص کے منہ سے اپنا مخصوص نام سنا تو اس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ وہ کچھ توقف کے بعد وہاں سے بھاگ نکلی وار کانتی سروپ کے بار بار بلانے کے باوجود سنگم کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ اس روز اس نے نہ اشنان کیا نہ پوجا پاٹ' واپسی پر وہ پھر بھاگ دوڑ کرکے سب سے پہلے اس جگہ پہنچ گئی۔ کانتی سروپ نے اس کا راستہ روک لیا اور بولا۔

''کملا دیوی' مجھے دیکھو مجھے پہچانو میں تمہارے لیے بڑی خبر لایا ہوں۔''

''میرے لیے تو سب سے اچھی خبر موت کی خبر ہے۔ تم کبھی سادھو کے بھیس میں آتے ہو' اور کبھی میرے جل مرے پتی کے بھیس میں...... تم جن ہو یا بھوت کہ مجھے بھسم کرنے کے لیے میرا پیچھا کر رہے ہو۔'' کملا دیوی بولی۔

''میں جن ہوں نہ بھوت' بلکہ اصلی کانتی سروپ ہوں' تم نے مجھے مرتے ہوئے تو دیکھا تھا لیکن جلتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا۔'' سروپ نے اسے بتایا۔

''جلتے ہوئے کیسے دیکھتی...... وہ تو طوفانی ندی کا سیلاب تھا جو تمہاری لاش اور چتا کا سامان سب کچھ بہا کر لے گیا تھا۔'' کملا دیوی نے وضاحت کی۔

''کملی...... میں تو جلنے سے بچ گیا تھا۔'' اور پھر کانتی سروپ نے اس سادھوؤں کے وہاں پہنچنے سے لے کر اس کے ہوش میں آنے تک کے تمام واقعات ایک ایک کرکے بتا دیے۔ کملا دیوی بولی۔

''آج کل مردہ کبھی زندہ نہیں ہوا کیا خبر کہ تمہاری شکل میرے پتی سے ملتی جلتی ہونے پر تم نے یہ واقعات جوڑ لیے ہوں کہ مجھے تباہ کرنے میں اور کوئی کسر باقی نہ رہے۔''

کانتی سروپ نے کملا دیوی سے کہا۔

''آؤ میرے پاس بیٹھو میں تمہیں وہ نشانیاں بتاؤں جو خاوند اور بیوی کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہوتیں تمہیں یاد ہے کہ میری داہنی بغل کے نیچے ایک پھوڑا نکلا تھا۔ جس کا میں کئی ماہ علاج کراتا رہا۔ اور پھر وہاں ایک گڑھا سا پڑ گیا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے ایک شریک سے لڑائی جھگڑے میں مجھے چاقو کا زخم کمر پر آیا تھا۔ وہ دونوں زخم کانتی سروپ نے کملا کو دکھا کر پوچھا۔

''کیا تم یہ نشانیاں جانتی ہو؟''

''ہاں جانتی ہوں' لیکن اور بھی کچھ بتاؤ گے کیا؟'' کملا نے پوچھا۔

''ہاں...... اب سنو' تمہاری نشانیاں' تمہاری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ناف کے نیچے ایک سیاہ تل ہے اور داہنے کندھے پر ایک بڑا سیاہ مسا' کیا یہ کافی نہیں؟'' سروپ نے پوچھا۔

جوں جوں کانتی سروپ نشانیاں بتائے جارہا تھا۔ کملا دیوی کے چہرے کا ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ اس کی یہ باتیں ختم کرنے سے پہلے کمی اپنے پتی کے پاؤں پڑ گئی اور اس کے ہاتھ چومتے چومتے بے ہوش ہوگئی۔ وہاں سے گزرنے والے لوگ جمع ہوگئے۔ کچھ کے پاس گڑویوں میں جو گنگا جل تھا اُس سے انہوں نے اس کے منہ پر چھینٹے مارے اور ایک دو گھونٹ اُس کے منہ میں بھی انڈیل دیے۔ کملا دیوی ہوش میں آئی اور پھر سے کانتی سروپ کے پاؤں سے لپٹ گئی اور رو رو کر فریاد کرنے لگی کہ اب وہ اسے اکیلا نہ رہنے دے۔ یہ پانچ چھ سال جو اس نے بیوگی میں گزارے ہیں۔ وہ موت سے بھی بدتر ہیں......

آخر جب جذباتی لمحے ختم ہوئے تو کانتی سروپ کملا دیوی کے ہمراہ ماندھیر گرو کے پاس پہنچ گیا۔

وہ اس کی پتنی کو ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوا' اور واقعات سننے کے بعد دو چار سادھوؤں کے ہمراہ آشرم پہنچ گئے۔ جہاں پہلے ہی کملا دیوی کے خلاف ایک ہنگامہ بپا ہوچکا تھا۔ اور پولیس میں اغواء کا مقدمہ دائر کرنے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

کانتی سروپ کے بیان اور گرو ماندھیر اور اس کے چیلوں کی تصدیق پر انہیں یقین دلایا گیا کہ کملا دیوی اب ودھوا نہیں رہی وہ گرہستو عورت ہے لہٰذا اس کا ودھوا آشرم میں بسیرا کسی صورت بھی ممکن نہیں رہا چنانچہ کملا دیوی کو آشرم سے فارغ کر کے اس کا ذاتی سامان واپس کردیا گیا۔ کملا دیوی نے اپنا اصلی لباس زیب تن کیا اور جوتے بھی پہنے لیے اور جو بچی کچھی پونجی تھی۔ ساتھ لے

غزل

آئینے محرومِ جوہر ہوگئے
پتھروں میں رہ کے پتھر ہوگئے

سب ندی نالوں سے لیتے ہیں خراج
کون سے دریا' سمندر ہوگئے

سانس کی آواز بھی لگتی ہے چیخ
کان سناٹوں کے خُوگر ہوگئے

رونا چاہیں بھی تو رو سکتے نہیں
قہقہے جن کا مقدر ہوگئے

وجہ لکھوں گا برے حالات کی
جب کبھی حالات بہتر ہوگئے

حزیں صدیقی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کر اپنے پتی اور سادھوؤں کے ہمراہ گرو ماندھیر کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

☆......☆......☆

گرو ماندھیر نے مناسب آؤ بھگت کے بعد اُن کی مالی مدد بھی کر دی تاکہ ان کا سفر کا خرچ پورا ہو جائے اور انہیں گاؤں پہنچ کر اپنی جائیداد پر فوری قبضے کا مشورہ دے کر کہا کہ کنبھی کا میلہ ختم ہونے پر وہ اُدھر کا رخ کریں گے اور انہیں اپنی جائیداد واپس لینے پر کچھ دقت پیش آئے تو وہ اُن کی پوری مدد کریں گے۔

اگلے روز کانتی سروپ اور کملا دیوی دونوں پریاگ کے ریلوے اسٹیشن سے گاڑی پر بیٹھ کر آسن سول پہنچے اور وہاں سے گاڑی بدل کر اگلے روز اپنے گاؤں اپنی حویلی میں چلے آئے۔ کملا دیوی کا سلامت اپنے گھر واپس آنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی لیکن کانتی سروپ کا دوبارہ زندہ ہونا ایک معجزہ سمجھا جا رہا تھا۔ چنانچہ گاؤں والوں حتیٰ کہ ارد گرد کے دیہاتیوں کا جمگھٹا بڑھتا گیا۔ چند روز بعد جب یہ جذباتی ہیجان ختم ہوا تو گاؤں کی حویلی اور تھوڑی بہت جائیداد پر کانتی سروپ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ دو تین بڑے قابضین نے زمینیں چھوڑنے سے انکار کر دیا اور گرو ماندھیر اور اس کے گروہ کے پہنچنے پر یہ معاملہ عدالتوں میں لے جانا پڑا۔ قابضین کے اثر و رسوخ کے باعث فیصلہ کانتی سروپ کے خلاف آیا۔ یہ مقدمہ جب بنگال ہائی کورٹ میں پہنچا تو اس کی تشہیر ہو چکی تھی کہ ہر خاص و عام اس میں دلچسپی لینے لگا۔ اور مدعی اور اس کی بیوی کی تصویریں اخبارات کی زینت بنیں۔

کچھ جائیداد کانتی سروپ کو واپس مل گئی تو دونوں میاں بیوی اپنے گاؤں میں پورے امیرانہ ٹھاٹھ اور شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ اب میاں بیوی میں پیار اور محبت بہت ہی بڑھ گیا تھا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ رگ وید میں مندرج مسئلہ نیوگ کے ذریعے اس کا حل بھی تجویز کیا گیا۔ لیکن کانتی سروپ نے اس پر عمل کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اولاد تو اس طرح شاید مل جائے لیکن کمی مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے گی۔ میں سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں، لیکن کملا سے جدائی کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں نے پانچ چھ سال اس سے جدائی کا طویل وقفہ یادداشت کے گم ہو جانے کی وجہ سے گزارا تھا۔ لیکن جوں ہی یادداشت بحال ہوئی تو ایک ایک دن کی جدائی ایسے لگ رہی تھی جیسے صدیاں بیت رہی ہوں۔

☆......☆......☆

چند اور سال عیش و عشرت میں گزارنے کے بعد کملا دیوی کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ اس کی چتا اسی جگہ بنائی گئی جہاں دس بارہ سال پہلے کانتی سروپ کی چتا بنائی تھی۔ چتا کو آگ لگانے کے بعد کانتی سروپ اسی بھرم میں بیٹھا رہا کہ شاید اس دفعہ بھی طوفان آ جائے۔ لیکن کوئی طوفان نہ آیا اور چتا دھیرے دھیرے چلتی رہی، یہاں تک کہ کھوپڑی کے پھٹنے کی آواز آئی تو کانتی سروپ کی ساری دنیا اندھیر ہو گئی کئی برسوں بعد آج وہ پہلی رات تھی کہ کملی اس کے پاس نہ تھی۔ وہ تمام رات اس نے چتا کو جلتے ہوئے دیکھنے میں گزار دی۔ جب صبح ہونے کو آئی تو کانتی سروپ کا سر، مونچھیں اور ابرو کے بال کملا کی ہڈیوں کی راکھ کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ کملی تو جل کر راکھ ہو چکی تھی لیکن کانتی سروپ زندہ تھا اور اس کی محبت کی آگ میں جل کر راکھ ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اگلے روز پروہتوں کی مدد سے ہڈیوں کی راکھ جمع کر کے محفوظ کر لی گئی تا کہ جلدی اسے گنگا جمنا میں بہانے کا انتظام کر لیا جائے۔ اس دوران کانتی سروپ نے گرو ماندھیر کے گروہ کا پتہ لگانے کا انتظام بھی کر لیا کہ اس گروہ کو کاشی اور بنارس میں دیکھا گیا ہے اور وہ دوبارہ ماگھ کے مہینے میں کنبھ کے میلے میں شمولیت کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ چنانچہ کانتی سروپ نے ان ہی دنوں الہٰ آباد جانے کی تیاری شروع کر دی۔ گاؤں کی زمینیں ایک عزیز کے سپرد کر کے وہ الہٰ آباد روانہ ہو گیا۔ اور اگلے روز تری نینی سے ایک بڑی کشتی میں بیٹھ کر گنگا جمنا کے سنگم پر پہنچ گیا۔ جہاں گنگا کا میلا گدلا پانی جمنا کے صاف نیلگوں پانی سے جا کر ملتا ہے اور میل آدھا میل تک جمنا کی تین تین گز چوڑی پانی کی نیلی دھاری علیحدہ بہتی چلی جاتی صاف نظر آتی ہے وہاں اس نے کملا دیوی کی ہڈیوں کی راکھ پانی میں بکھیر دی اور ملاحوں کی مدد سے پانی میں اشنان کر کے لوٹ آیا اور پریاگ اور تری نینی میں سادھوؤں کی مقررہ جگہوں پر گرو ماندھیر کے گروہ کا انتظار کرنے لگا۔

☆......☆......☆

الہٰ آباد میں پریاگ اور تری نینی سے لے کر دور میلوں تک دریا کے کنارے کنارے کنبھ کے میلے میں شامل ہونے والے یاتریوں کا ہجوم روز بروز بڑھتا جا رہا تھا اور ماگھ شروع ہوتے ہی سادھوؤں کے غول در غول آنے لگے۔ آخر چند روز کی تلاش کے بعد کانتی سروپ کو گرو ماندھیر مل گیا۔ گرو نے جب اسے گندے روپ میں دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھنکا کہ اسے ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ گرو نے اس سے پوچھا۔

''بھنسو یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟''

بھنسو نے کہا۔

''جس ناری کی خاطر میں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی' کچھ دن پہلے میں اس کی راکھ گنگا جمنا میں بہا آیا ہوں۔''

گرو نے اسے تسلی دی اور کہا۔

''مورکھ......وہ تو ایک پنچھی تھا۔ اُسے آخر اڑ ہی جانا تھا...... وہ پرلوگ سدھاری تو تیری دنیا بھی ساتھ لیتی گئی۔ وہ تو اب پرلوگ کا پنچھی بن گئی۔ تم کب تلک اسے روک سکتے تھے۔''

''گرو مہاراج! اس کے جانے کے بعد اس دنیا میں رہ ہی کیا گیا ہے۔'' بھنسو نے دکھ سے کہا۔

گرو نے اسے تسلی دی اور کہا۔

''میرے دل میں اب بھی تمہارے لیے وہی پرانی جگہ ہے' تم آ ہی گئے ہو تو ہم تمہارا سواگت کرتے ہیں کہ شاید اس طرح تمہاری آتما کو چین آ جائے۔ گیان دھیان سے شاید ہم لوگ نرک میں پہنچنے سے بچ جائیں۔''

کنبھ کا میلہ مہینہ بھر چلتا گیا۔ گرو ماندھیر کا گروہ جب ہردوار کے دورے پر نکلا تو کانتی سروپ اب پھر بھنسو کے روپ میں اُن کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ مگر اس کے پاؤں کی گردش میں نہ پہلے والا شوق نہ جذبہ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ اپنی کملی کی تلاش میں کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب اس کا ملنا تو ناممکن سہی لیکن اس کی یاد میں جل کر بھسم ہو جانا تو کوئی دور کی بات نہیں اور ایک نہ ایک روز اپنی راکھ بھی کہیں دریاؤں میں بہتی ہوئی کملی کی راکھ سے جا ملے گی۔ وہ اپنی اسی دھن میں مگن گرو ماندھیر کے چیلوں کے ساتھ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

محبت برائے فروخت

اعجاز نے اپنی محبوبہ کو دھوکا دے تو دیا مگر پھر وہ
ساری زندگی عشق کی آگ میں ہی جلتا رہا......

عابدہ مغل

اعجاز سے میری پہلی ملاقات میرے ہی آفس میں ہوئی اعجاز میرے دوست دلدار کا جاننے والا تھا۔ دلدار سے میں نے ہی کہا تھا کہ مجھے تعلیم یافتہ مہذب پیون کی ضرورت تھی۔ سو اسی لیے اعجاز مجھ سے ملنے آیا تھا اور تقریباً پچھلے ایک گھنٹے سے وہ میرا ویٹ کر رہا تھا میرے آفس میں وہ پہلے سے ہی موجود تھا جس کی اطلاع دلدار مجھے بذریعہ فون دے چکا تھا وہ لمبا چوڑا کسرتی جسم کا بے حد خوبصورت اور وجیہہ مرد تھا عمر لگ بھگ 42 کے قریب ہوگی رنگ گورا تیکھی کھڑی ناک جیسے سلور اسکرین سے کوئی ہیرو نکل کر سیدھے آفس میں آ گیا ہو۔ میں نے اس کا تفصیلی جائزہ لے کر انٹرویو کی فارملیٹی نبھائی اور اُسے اپائنٹمنٹ کر لیا ایک چیز میں نے نوٹ کی وہ بیٹھا بہت بھدے طریقے سے تھا اور جب وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اُسے اپنا آپ سنبھالنے میں چند ثانیے لگے۔

پھر اُس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی جانے وہ کیا ڈھونڈ رہا تھا؟ پھر جیسے اُسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی وہ تھی اس کے ہاتھ میں دبی اسٹیل راڈ' اب وہ راڈ کا اوپری حصہ جو کڑے کی طرح تھا اپنے ہاتھ میں پھنسا چکا تھا اور ٹانگ کو سہارا دے کر سیدھا کر چکا تھا یہ سب میرے لیے اچنبھے کی بات تھی میں نے پوچھا۔

''مسٹر اعجاز یہ......؟''

اعجاز نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''میں لنگڑا ہوں سر کیا آپ کو دلدار صاحب نے نہیں بتایا تھا۔'' یہ صورتحال میرے لیے نئی تھی میں لنگڑا پیون کیونکر افورڈ کر سکتا تھا بزنس ورلڈ میں میرا ایک نام تھا ایک ساکھ تھی کیونکہ میں محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد چوزی اور سلیکٹو بھی تھا یہ نام یہ پوسٹ میں نے یونہی نہیں بنائی تھی ایک عرصہ اسٹرگل کی تھی مجھے خدانخواستہ معذور افراد سے کوئی نفرت نہیں ہے مگر مجھے اپنا اسٹاف بھی قابل ہی چاہیے میں اپنی قابلیت سے مٹی کو بھی سونا بنا دیتا ان سب میں ایک وجہ میری زبان بھی ہے میں جو بھی کہہ دیتا اسے ہر حال میں پورا کرتا اب میں تذبذب کا شکار تھا کیونکہ اعجاز کو میں رکھ چکا تھا اور یہ بھی طے تھا کہ لنگڑا پیون مجھے درکار نہیں تھا اور زبان سے منکر ہونا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میرے لیے برا تھا میں نے ناگواری سے پوچھا۔
''آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ آپ؟'' میں غصے کے سبب جملہ پورا نہ کر پایا اعجاز نے کہا۔
''میری دلدار صاحب سے پوری بات ہو چکی ہے آپ اُن سے بات کریں۔''
(دلدار کے بچے کو تو میں دیکھ ہی لوں گا دوستی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے) میں نے دل میں سوچا۔
اعجاز نے کہا۔
''سر میں جانتا ہوں کہ میں معذور ہوں مگر میں اپنا کام نہایت ذمہ داری اور تندہی سے کروں گا۔''
میں نے کہا۔
''مسٹر اعجاز میں آپ کو پندرہ دن کے لیے رکھ رہا ہوں اگر آپ مطمئن کر پائے تو مستقل ورنہ......''
میں نے اسے مبہم سا اشارہ دیا۔
اعجاز کے جانے کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ مطمئن کرے یا نہ کرے میں بہرحال اسے رکھنے کا خواہاں نہیں ہوں۔ مگر پھر پتہ نہیں کیا ہوا میں اسے جتنا بھی ہرٹ کرتا وہ اتنا ہی مودب بنا رہتا گویا وہ کسی صورت جاب چھوڑنا نہیں چاہتا تھا پورا اسٹاف اس سے خوش تھا پھر میں نے اسے مستقل کر دیا یوں وہ میرے اسٹاف میں شامل ہو گیا۔ اعجاز اچھی طبیعت و خوگر کا حامل تھا مجھے اُس سے انسیت ہوتی گئی وہ میرے ساتھ سائٹ وغیرہ پر بھی جانے لگا میرے بہت سے کام بغیر کہے وہ کر دیتا وہ خاص مستعد تھا اب میری اس کی ذات میں دلچسپی بڑھنے لگی اور مجھے کرید ہونے لگی کہ آخر اُس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھاس جو اس جیسا بھرپور انسان ادھورا ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ کوارٹر میں رہتا تھا اُسے چھٹی کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی آخر کیوں؟
ایک دن وہ میرے ساتھ سائٹ پر گیا واپسی پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گاڑی خراب ہوگئی بوریت سے اُکتا کر میں نے پوچھا۔

"مسٹر اعجاز آپ کی ٹانگ کو کیا ہوا تھا؟" یک لخت تاریک سایہ اس کے چہرے پر آ کر گزر گیا وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

"جی وہ ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔" میرے یہاں اعجاز کو کام کرتے ہوئے دو سال ہو چکے تھے مجھ پر ظاہر ہوگیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا کچھ چھپا رہا ہے میں نے پھر نہ پوچھا بہت سے دن گزر گئے مجھے اُس کی عجیب بات پتہ چلی کہ وہ راتوں کو کچھ مخصوص اور آوارہ جگہوں پر جاتا ہے جب یہ بات مجھے دو چار لوگوں سے معلوم ہوئی تو میں نے اعجاز سے کھل کر بات کرنے کا سوچا دوسرے ہی دن مجھے موقع میسر آ گیا کہ بات کروں سو میں نے مسٹر اعجاز سے سختی سے باز پرس کی۔

"سچ بتاؤ تمہاری ٹانگ کو کیا ہوا اور تم کن سرگرمیوں میں مشغول ہو۔" اس کی رنگت سیاہ پڑ چکی تھی مری ہوئی آواز میں بولا۔

"سر آپ کی وجہ سے آپ کے طفیل میں باعزت روزی کما رہا ہوں اس لیے جھوٹ نہیں بولوں گا مگر آپ وعدہ کریں گے حال جاننے کے بعد آپ مجھے جاب سے علیحدہ نہیں کریں گے۔" مجھے تجسس نے آن گھیرا میں نے وعدہ کیا وہ کہنے لگا۔

"سر میں بتانے کی سکت نہیں رکھتا کل لکھ کر لے آؤں گا آپ خود ہی پڑھ لیں۔" اب میرا تجسس نکتہ عروج پر پہنچ چکا تھا میں حیران تھا کہ نجانے کون سا راز اب کھلنے پر مُصر تھا چوتھے دن وہ خاکی لفافہ لے آیا اور میرے حوالے کرتا ہوا کہنے لگا۔

"سر میں ایک بار پھر ریکویسٹ کرتا ہوں کہ اسے پڑھنے کے بعد مجھے جاب سے نہ نکالا جائے نہ کسی کو کچھ بتایا جائے آج میں چھٹی کرتا ہوں سر کل آؤں گا۔" اُس کے بعد مجھ سے آفس میں نہ بیٹھا گیا فوراً گھر پہنچا نوکر سے کہا۔

"بیگم صاحبہ سے کہہ دو آج صاحب کو ڈسٹرب نہ کریں ضروری فائل ہے اسٹڈی کرنی ہے۔" یہ کہہ کر میں اسٹڈی روم میں چلا گیا اب میرے سامنے اعجاز کی آپ بیتی کا پلندہ رکھا تھا میں غیر ضروری باتیں حذف کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں امید ہے من کی آنکھوں سے پڑھیں گے۔

"میں اسلام آباد کے پوش علاقے میں رہتا تھا میں ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں مجھے پڑھائی سے چڑ تھی مارے باندھے میٹرک کرلیا مگر بی اے تک پہنچانے کا سہرا والد صاحب کو جاتا ہے اُن کی سختی نے مجھے بی اے کرنے پر مجبور کردیا ہم تین بہن بھائی تھے میں اعجاز پھر احد اور میری چھوٹی لاڈلی بہن رانی بابا جان اور امی جان نہایت نیک اور شریف تھے صوم وصلوٰۃ کے پابند بی اے کے بعد میں نے تعلیم چھوڑ کر آوارگی شروع کردی بابا جان پہلے تو مجھے ہر طرح سے قائل کرتے رہے تعلیم کے فائدے گنواتے رہے مگر میں ٹس سے مس نہ ہوا تو انہوں نے حکم صادر کردیا۔

"اگر پڑھنا نہیں ہے تو جاب کروں مگر بے کار مت بیٹھوں۔" مگر میں کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھا سارا دن لونڈے لپاڑوں کے ساتھ گھومتا پھرتا گپ بازی کرتا سینما ہالوں کو رونق بخشتا مجھے یہی لائف اسٹائل پسند تھا یہاں تقریباً سب بنگلے ہی بنے ہوئے تھے ایک سے ایک افسر یہاں رہائش پذیر تھا میں کسی کے ماتحت رہ کر کام نہیں کرسکتا تھا نہ محنت مجھ سے ہوتی تھی میں کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانا چاہتا تھا بابا جان پیسے والے تو تھے مگر مجھ پر خرچ کرنا گنوانے کے مترادف سمجھتے تھے۔ اور وہ بالکل ٹھیک سمجھتے تھے کیونکہ میں کاہل اور غیر ذمہ دار تھا میں ہیرو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بنا گھومتا اللہ نے شکل ایسی دی تھی ہر نظر میں میرے لیے پسندیدگی تھی میں اپنی جینز کے پاکٹ میں کڑے انگوٹھیاں چین لیے گھومتا جیسے ہی گھر سے نکلتا یہ مردانہ زیور میرے ہاتھوں گلے کی زینت بنتا دوست یار بہت تعریف کرتے میری ان حرکتوں سے باباجان گھبرا گئے مجھے صاف صاف کہہ دیا۔

"دیکھو بیٹے میں نے تمہیں ہر طرح سے سمجھالیا ہے مگر تم ایک نمبر کے کاہل ڈھیٹ ثابت ہوئے ہو تمہیں اگر یہاں نوکری نہیں کرنی تو دوسرے شہر جاکر قسمت آزمائی کرو مگر خدارا کسی دھندے سے لگ جاؤ ورنہ اس گھر میں تمہاری کوئی جگہ نہیں میں تمہیں ایک ماہ دیتا ہوں اچھی طرح سوچ لو۔" یہ والد صاحب کا مخصوص انداز تھا یعنی اب بات فکر کی تھی وہ زبان وقول کے پکے تھے اب نوکری میرے لیے ضروری ہو چکی تھی تاہم میں ایک ماہ عیش کرسکتا تھا مگر دماغ اُلجھا ہوا تھا۔ کروں تو کیا کروں؟ میں منصوبے بناتا ہوا پیدل جارہا تھا کہ گرلز کالج کی چھٹی ہونے پر حسیناؤں کا جم غفیر اُمڈ آیا میں ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ایک ایک پری وش کو دیکھ رہا تھا آج سے پہلے میں نے کبھی قدرت کی اس مخلوق کی طرف دھیان نہیں دیا تھا اور آج یہ در بھی وا ہو گیا اتنے میں ایک حسینہ مجھ سے ٹکرا کر مجھ سے اُلجھ پڑی وہ مجھے آوارہ لفنگا اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا سرو قد ستواں ناک' گلابی ہونٹ وہ سیدھی میرے دل میں اتر گئی اب نیا مشغلہ میرے ہاتھ آ گیا میں دل لیے اس حسینہ کے پیچھے چک پھیریاں کھانے لگا کڑی دھوپ میں جلتا چھٹی ہونے پر اس کا پیچھا کرتا پندرہ دن کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حسینہ کا نام زحرف ہے وہ ایک امیر کبیر ڈاکٹر کی بیٹی ہے والدہ حیات نہیں ہیں زحرف بالکل نوکروں کے رحم وکرم پر تھی۔

ڈاکٹر صاحب کو صرف دولت جمع کرنے اور بیٹی کو خرچ کرنے کا خبط تھا اکلوتی ہونے کے سبب زحرف بے تحاشہ بینک بیلنس کی مالک تھی میرا شاطر دماغ نئی اسکیم بنانے لگا میں کسی طرح زحرف کو پھانس لوں تو میرے تو وارے نیارے ہو جائیں گے البتہ شادی کا معاملہ کھٹنائیوں میں پڑ سکتا تھا کیونکہ میں جاب لیس تھا پھر بابا میری شادی کیونکر کر دیتے بس ایک صورت ہو سکتی تھی میں زحرف کو بھگا لے جاؤں اور کورٹ میرج کر لوں پھر ناراض والدین کو منا لیتے یوں میں لکھ پتی بن جاؤں گا۔ پتھر میں بھی جونک لگ جاتی ہے وہ تو پھر لڑکی تھی نازک اندام اور میں خوبرو شہزادہ کسی فلمی ہیرو سے ہرگز کم نہ تھا قصہ مختصر زحرف میرے جال میں پھنس چکی تھی میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں مجھے زحرف سے ایک فیصد بھی محبت نہیں تھی محبت مجھے بس اپنے آپ سے تھی میں خود پسند تھا میری توجہ کا باعث تو اس کی دولت تھی اس لیے زحرف کا حصول میرے لیے ناگزیر ہو چکا تھا میں نے پہلا پتا پھینکا اور زحرف سے کہا۔

"میرے گھر والے شادی میری شادی کرنا چاہ رہے ہیں میں اپنے والدین کو تمہارے گھر کب بھیجوں۔ تم اپنے ڈیڈی سے بات کر لو۔" زحرف نے میری بات مان کر اپنے ڈیڈی سے بات کی اس کے ڈیڈی پانچ چھ سال تک اُس کی شادی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے یہ بتا کر زحرف رو پڑی میں نے اُسے چپ کرایا اور دوسرا حربہ آزمایا۔

"دیکھو زحرف میری جان میں تمہارے ساتھ مخلص ہوں جبھی شادی کرنا چاہتا ہوں اب یہ ممکن نہیں اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ہم بھاگ کر کورٹ میرج کر لیں یا پھر...... یا پھر تم مجھے بھول جاؤ کیونکہ میں نے تو پیار کیا ہے میں تمہیں کبھی نہیں بھلا سکتا......" میں نے دل گیر لہجے میں بات کی۔ زحرف

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھی ضدی اور خودسری تھی کہنے لگی۔

"ڈیڈی کو میرا خیال نہیں تو میں کیوں اُن کی پرواہ کروں میں بھی تمہیں چاہتی ہوں تمہارے بنا جی نہیں سکتی تم جب جو کہو گے میں کر جاؤں گی۔ شادی تو میں تم سے ہی کروں گی۔" اعجاز یہ کہہ کر وہ میرے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی ہم نے آگے پلان بنایا۔ بابا جان کو میں نے کہہ رکھا تھا کہ ڈاکومنٹس بھیج رکھے ہیں بہت سی جگہوں پر عنقریب انٹرویو کال آجائے گی۔ طے شدہ وقت کے مطابق میں نے زحرف کو لاہور چھوڑا اور ہوٹل کی بکنگ کرادی اور زحرف کو نصیحت کی ہفتہ بھر روم سے نہ نکلے اس نے میری بات پر عمل کیا اور میں واپس آ کے ہفتہ بھر اپنے پورے علاقے میں گھومتا رہا تا کہ کسی کا شک مجھ پر نہ جائے پھر آٹھوں دن میں انٹرویو کال کا گھر میں بتا کر علی الصبح لاہور کے لیے نکل پڑا۔ یہ ایک بہترین فائیو اسٹار ہوٹل تھا مجھے دیکھ کر زحرف خوشی سے دیوانی ہو رہی تھی اس نے مجھے نکاح کرنے کا کہا۔

"زحرف اپنے ساتھ بہت سا کیش پرائز بانڈز اور طلائی زیورات لائی تھی کیونکہ وہ لگژری لائف اسٹائل کی عادی تھی اور پیسہ پانی کی طرح بہا رہی تھی وہ مجھے بہت چاہتی تھی اس کا بھی مجھے اعتراف ہے پندرہ دن بہت مزے سکون سے گزرے ہوٹلنگ شاپنگ گھومنا پھرنا ہم نے بہت انجوائے کیا اتنے میں میرے دوست (جو کہ میرا پڑوسی اور ہمراز بھی تھا) نے بتایا۔

"ڈاکٹر صاحب انڈر ورلڈ کے آدمی ہیں بیٹی کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور زمین آسمان کی خاک اڑا رہے ہیں میں ہوشیار رہوں۔" میری تو مانو سٹی گم ہو گئی یہ کیا داماد بنانے کے بجائے مجھے مجرم بنا کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالنے والے ہیں ڈاکٹر صاحب تو پہنچے ہوئے نکلے۔ زحرف نکاح پر اصرار کرنے لگی۔ مگر میرا دل اُس سے بھر چکا تھا آوارہ گردی سے میں اب بھی باز نہ آیا ایسے ہی ایک دن ہوٹل واپس آیا تو کسی نے نام لے کر پکارا میں چونک گیا کیونکہ یہاں تو میرا کوئی جاننے والا نہ تھا اتنے میں چار آدمی آئے اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے بلا تمہید بات شروع کی۔

"اعجاز ہم کئی دن سے واچ کر رہے ہیں چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر ہم بھائی بندوں سے مل بیٹھنے والے ہیں تم نے بہت فائدہ اٹھالیا اب ہماری باری ہے۔" اُن کی گفتگو میری سمجھ سے باہر تھی تین آدمی چپ تھے ایک اُن کا سرغنہ لگ رہا تھا اس نے اپنا نام اکبر بتایا اور اپنی بات کی وضاحت کرنے لگا۔

"جو مینا تم اڑا کے لائے ہو اُسے اب میرے حوالے کر دو ورنہ اتنی بدنامی ہوگی لونڈیا بھی جائے گی اور جان بھی۔" اُن کی باتیں میرا خون خشک کر رہی تھیں میں ڈاکٹر صاحب سے بھی خوفزدہ تھا اب جیسے تیسے جان چھڑانا چاہتا تھا مگر وائے رے میری لالچی طبیعت عود کر آ گئی میں نے کہا۔

"لڑکی تمہیں دے دوں تو مجھے کیا ملے گا جبکہ ان دنوں اُس پر بہت کچھ خرچ کر چکا ہوں رقم کا حساب تو بنتا ہے۔" اکبر نے مسکراتے ہوئے ایک لاکھ کی پیشکش کی میں نے فوراً سے بیشتر رقم کے عوض زحرف کو ان کے ہاتھوں بیچ دیا اکبر نے مزید کہا۔

"اگر میں مزید کوئی لڑکی لاؤں تو وہ منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیں گے۔" کیونکہ وہ لڑکیوں کی دلالی کرتے تھے۔ جو بیرون ملک اسمگلنگ میں کام آتیں کچھ کو کوٹھوں کی زینت بنا دیا جاتا۔ یہ منظم طریقے سے پورا کام کر رہے تھے یہ لڑکیاں ہی اُن کا ذریعہ معاش تھیں۔ انہوں نے مجھے لڑکیوں کو پھنسانے بھگانے بہکانے کے اور بھی بہت سے طریقے بتائے یہ دھندا میرے دل کو لگا کم وقت میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زیادہ پیسہ میری تو جیسے چاندی ہوگئی۔ جب وہ لوگ زحرف کو لے جارہے تھے زحرف بالکل چپ تھی بالکل ساکت بس اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں مجھ پر جمی تھیں جن میں میرے لیے بہت سی نفرت تھی مگر پرواہ کسے تھی مجھے دولت چاہیے تھی جو مجھے مل گئی مہینہ پورا ہونے پر گھر آ گیا بابا جان کو نوکری کا بتایا اور خطیر رقم اُن کے حوالے کر دی بابا۔

بہت خوش تھے کہ میری جاب ہوگئی بس پھر زندگی اسی ڈگری پر چلنے لگی بہت سی لڑکیاں فریب محبت کھا کے میرے ہاتھوں ذلت کی دلدل میں گرنے لگیں اور انہیں لوٹ کر میں دولت مند بنتا جا رہا تھا۔ جن کو میں لڑکیاں فروخت کرتا تھا وہ R.K گینگ تھا انہوں نے الگ سے میرا گروپ منظم کیا بہت سے پڑھے لکھے خوبرو بے روزگار لڑکے ہمارے ساتھ کام کر رہے تھے ہمارا طریقہ ذرا مشکل تھا میں لڑکوں کو عام طور پر دیہاتوں میں بھیجتا کیونکہ وہاں کے لوگ اَن پڑھ اور سادہ لوح ہوتے اور شعور نہ رکھتے اسی لیے لڑکی کی گمشدگی کو غیرت پر تازیانہ سمجھ کر چھپانے کی کوشش کرتے جبکہ شہر والے والدین مرنے مارنے پر اتر آتے تھے۔

لڑکیاں R.K گینگ کے علاوہ ہم اکبر گینگ کو بھی مہیا کرتے اب ہمارے ساتھ ایک اور گروپ بھی شامل ہوگیا میڈم شمعونہ یہ ایک بوڑھی خرانٹ نائکہ تھی منہ مانگے دام کے عوض لڑکی خرید لیتی تاہم بہت نڈر بے باک اور خطرناک بھی تھی کام یونہی چل رہا تھا پانچ سال کا عرصہ گزر گیا ہمارے لڑکے ہر علاقے شہر اور دیہاتوں میں جاتے اور اپنا مشن پورے کرتے بہت کم ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ پانچ سالوں میں میں اپنا نیا بنگلہ تعمیر کروا چکا تھا بھائی کو انگلینڈ جانے کا شوق تھا اسے میں نے انگلینڈ بھیج دیا اب امی جان مجھے شادی کا کہنے لگیں۔ میں ٹال مٹول کرنے لگا کہ میں اب بھی بہت ترقی کرنا چاہتا تھا سو راضی نہ ہوا۔

بابا جان بیمار رہنے لگے انہیں رانی کی فکر تھی رانی کو میں اپنی بیٹی ہی سمجھتا تھا میں اس کی شادی ایسے گھرانے میں کرنا چاہتا تھا جہاں وہ رانی بن کے راج کرے بہت کوششوں سے میں نے اس کی منگنی اعلیٰ خاندان اور امیر لوگوں میں کر دی رانی مجھ سے کئی سال چھوٹی تھی اور انٹر کی طالبہ تھی اب مجھے اس کے لیے جہیز بنانا تھا کیونکہ بابا جان زیادہ بیمار رہنے لگے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے رانی کو رخصت کرنا چاہتے تھے سو دو ماہ بعد کی تاریخ پکی کر دی گئی اب میں نے رانی کے لیے جہیز کی خریداری شروع کر دی بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کچھ خریدلوں میں رانی کو بنگلہ اور کار بھی جہیز میں دینا چاہتا تھا ابھی میں ان کاموں میں اُلجھا ہوا تھا کہ اطلاع ملی کہ R.K گینگ کو دو لڑکیوں کی فوری ضرورت ہے۔ میرے چار لڑکوں میں سے دو لڑکے لڑکی لا رہے تھے سو ڈیلنگ کے لیے میرا جانا ضروری تھا ویسے بھی شادی میں دو ماہ پڑے تھے میں واپس لاہور چلا آیا آنے والی نئی لڑکیاں R.K گینگ کو بیچ دی گئیں جبکہ میرا معاہدہ میڈم شمعونہ کے ساتھ تھا میڈم شمعونہ بہت اثر و رسوخ والی خطرناک عورت تھی شمعونہ سے معذرت کر کے میں نے کچھ ہی دنوں میں لڑکیاں دینے کا وعدہ کر لیا کیونکہ میرے دو ساتھی ابھی تک نہیں لوٹے تھے اور باقی لڑکوں میں سے بھی صرف ایک لڑکی لا رہا تھا دوسروں کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی ابھی اس قصے سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ شہر سے لائی جانے والی لڑکی کے گھر والوں سے میرا جھگڑا ہوگیا وہ بااثر تھے ہم تک پہنچ چکے تھے جھگڑا اتنا بڑا کہ مجھے سے گولی چل گئی اور لڑکی کے بھائی کو لگی اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خیر یہ کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی اس دھندے میں یہ سب ہوتا رہتا ہے میری پشت پناہی R.K اینڈ اکبر گینگ کرتے تھے جو بہت سے دھندوں میں ملوث تھے اور پولیس کو بھاری بھتہ دیتے تھے مگر پریشانی یہ تھی کہ حادثے کا ایک آئی وٹنس کہیں سے پیدا ہوگیا تھا جو مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔ میرا ذہن بیک وقت کئی جگہ مصروف تھا اس ادھیڑ بن میں میرا لڑکا لڑکی لے آیا تھا میں نے فون پر ہی بے دھیانی میں لڑکی اکبر گینگ کو دینے کو کہا جبکہ وعدہ شمعونہ میڈم کے ساتھ تھا اس جھگڑے اور بلیک میلر نے میرا ذہن ماؤف کر دیا تھا بلیک میلر سے معاملہ ختم کر کے اڈے پر آیا تو پتہ چلا کہ اکبر گینگ کے علاوہ شمعونہ میڈم بھی وہاں پر موجود ہیں۔ میرے ساتھ بھی وہاں موجود تھے اور سب میرا انتظار کر رہے تھے لائی گئی لڑکی کمرے میں بند تھی میں نے اپنے ساتھی سے حال احوال لیا جس کے مطابق لڑکی پر پندرہ ہزار خرچ آیا تھا لڑکی امیر گھرانے کی تھی زیورات بھی لائی تھی جن کا مالک بلا شرکت غیرے میں تھا لڑکی 'اے' کیٹگری کی تھی مطلب بے حد خوبصورت......

لاکھ کا سودا طے پا گیا فون پر میں نے بھول کر لڑکی کا سودا اکبر گینگ سے کیا تھا جبکہ شمعونہ میڈم حقدار تھیں اب بحث و تکرار جھگڑے کی صورت اختیار کر گئی دونوں فریق اپنے اپنے موقف پر ڈٹ گئے شمعونہ میڈم سخت بپھری ہوئی تھیں اس کے لونڈے لپاڑے مسلح تھے مجھے ڈر لگ رہا تھا کیونکہ ان سے تو میرا کوئی مقابلہ نہیں تھا جبکہ یہ تو نامی گرامی غنڈے تھے دونوں ہی گینگ لڑکی لے جانے پر بضد تھے آخر طے پایا پہلے لڑکی دکھائی جائے اب مجھے یہ معاملہ ہینڈل کرنا تھا۔

میں اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں لڑکی کو بند کیا گیا تھا دروازہ اندر سے بھی لاک تھا کھٹکھٹانے پر بھی نہ کھلا تو ماسٹر چابی سے دروازہ کھولا گیا لڑکی دروازے کی طرف پیٹھ کر کے زار و قطار رو رہی تھی سیاہ لباس میں اس کا بدن چاندنی کی طرح چمک رہا تھا لمبے سلکی بالوں کا ڈھیر بیڈ پر پڑا تھا وہ گوری چٹی اور نازک سی تھی اسے یوں بکھرا دیکھ کر میرا دل بے قابو ہوگیا۔ میں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔

''جانِ من رو کیوں رہی ہو میں ہوں نا......''

لڑکی میری آواز سن کر کرنٹ کھا کر مجھ سے الگ ہوگئی اور اگلے ہی لمحے میری روح فنا ہوگئی مجھے لگا کسی نے زمین و آسمان کو میرے سر پر دے مارا ہو جیسے کوئی ایٹم بم میرے حواسوں پر گرا ہو۔ آہ! مت پوچھیے یہ غم لکھنے جیسا نہیں ہے بتانے جیسا نہیں ہے میرا دل زلزلوں کی زد میں تھا ایک آگ تھی جس میں میری عزت دھڑا دھڑ جل رہی تھی سامنے کوئی اور لڑکی نہیں میری بہن رانی کھڑی تھی اور اس کا بھی یہی حال تھا جو میرا تھا۔

میں سوچ رہا تھا سردی غربت سے بچنے کے لیے میں نے لوگوں کے گھروں میں آگ لگائی اور اُس آگ سے اپنے ہاتھ سینکے آج وہ پرائی آگ میرے گھر میرے دل میری زندگی میں لگ چکی تھی میں نے بے شمار لڑکیوں کو ورغلا کر گھروں سے بھگا لایا ان کو فروخت کر کے اپنے خاندان کے لیے خوشیاں خریدتا رہا۔ محبت جیسے پاکیزہ جذبے کی توہین کرتا رہا آج محبت کے قاتل کی اس سے بڑھ کر کیا سزا ہوگی کہ میں خود اپنی بہن کی دلالی کرنے جا رہا تھا میں بدنصیب بے غیرت وہ مجھے اللہ اور رسول کے واسطے دیتی اور میں ہنستا ہی رہتا بہت سی لڑکیاں ساز و آواز کے قفس میں محصور تھیں وجہ صرف میں تھا اور آج اپنی بہن کو اپنے سامنے نیم برہنہ دیکھ کر پاگل ہوا جا رہا تھا۔

آگ جو دل میں لگی تھی میں اُسے پوری دنیا میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لگا دینا چاہتا تھا دل چاہ رہا تھا جس نے بھی میری بہن کو دیکھا ہے ان کو گرم سلاخوں سے داغ دوں اب دو ہی راستے تھے یا رانی کو ان درندوں کے ہاتھ بیچ دوں یا اپنی لاڈلی اکلوتی بہن کو اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں میں رانی سے کچھ کہے بغیر اُلٹے قدموں واپس چلا آیا اب جو کرنا تھا جلد ہی کرنا تھا میں نے آ کر اکبر گینگ اور شمعونہ میڈم سے کہا۔

''لڑکی آپ دونوں میں سے کوئی نہیں لے جا سکتا لڑکی میرے جاننے والے کی بیٹی ہے اور اس کا باپ اچھی شہرت کا حامل نہیں بدنام زمانہ ہے ہمیں چٹکیوں میں مسل کر رکھ دے گا۔ لڑکی نے وعدہ کیا ہے وہ کسی کو ہمارے بارے میں نہیں بتائے گی لہٰذا اب میں اسے اُس کے گھر بھیج دوں گا۔'' یہ سب کہتے ہوئے میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی مگر مجھے اپنی بہن اپنی عزت کو کسی طرح تو بچانا ہی تھا مگر وہاں میری بات کا اثر کسی پر نہ ہوا میڈم شمعونہ بولی۔

''دیکھو اعجاز یہ سب چالاکیاں میرے ساتھ نہیں چلیں گی ورنہ منہ کی کھاؤ گے جھوٹ سننے کی عادی نہیں ہوں فوراً لڑکی میرے حوالے کر دو اگر لڑکی کا باپ بدنام زمانہ بھی ہے تو ہم ڈیل کر لیں گے تم فکر نہ کرو۔ ہاں اگر تمہارا دل اُس پر اتنا ہی آ گیا ہے تو دو چار دن تم رکھ لو پھر لڑکی ہماری......'' اتنے میں رانی دروازہ کھول کر تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی اور مجھ سے لپٹ گئی شدت گریہ سے اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

''بھائی مجھے بچالو...... مجھے بچالو بھائی...... مجھے بچالو کچھ کرو مجھے بچالو......'' دونوں گینگ اور شمعونہ میڈم فلک شگاف قہقہے لگانے لگے میں نے چلا کر کہا۔

''اچھا ہے حقیقت سامنے آ گئی رانی یہاں سے کسی صورت نہیں جائے گی۔ اگر ضرورت پڑی تو میں گولی چلانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔''

شمعونہ تو گن دیکھ کر غصے سے لال پیلی ہو گئی۔ وہ اپنے لڑکوں کو غرا کر بولی۔

''لڑکی کو لے کر گاڑی میں بیٹھو۔'' ساتھ ہی اس نے R.K اور اکبر گینگ کو کہا۔

''دوسروں کو جلانے والا آج خود جل رہا ہے اسے زندہ نہیں چھوڑنا ورنہ ہمارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ باقی ماندہ زندگی جیل میں گزرے گی یہ بچ گیا تو ہمیں نہیں چھوڑے گا۔'' یہ سنتے ہی اُن کے کارندے اشارہ پاتے ہی مجھ پر پل پڑے رانی کو وہ زبردستی گاڑی میں بٹھا رہے تھے رانی کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی ادھر وہ لونڈے لپاڑے مجھے ٹھوکروں پر رکھ چکے تھے گن میرے ہاتھ سے دور گر چکی تھی اتنے میں میں بے سدھ ہو کے گر گیا میرے گرتے ہی رانی کی آواز بند ہو گئی وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی میں نے آناً فاناً ایک فیصلہ کیا اور گن پر جھپٹا یکے بعد دیگرے تین فائر کیے نشانے پر رانی تھی اس کے ساتھ ہی گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور مجھے لگا کسی نے گرم سلاخ میرے گھٹنے کی ہڈی میں گھسا دی ہو۔

میری حالت بہت خراب تھی پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا تو خود کو ہاسپٹل میں پایا ڈاکٹر کے مطابق مجھے تین گولیاں لگی تھیں ایک گولی میرے کندھے کو ادھیڑتی ہوئی نکل گئی تھی اور باقی دو گولیاں میری ٹانگ کے گھٹنے میں گھس گئیں دونوں گولیاں میری ہڈی کو چورا کر کے گئی تھیں ہڈی کا گودا بھی ضائع ہو گیا تھا انفیکشن پھیل گیا تھا ٹانگ کو کاٹنا پڑا خون بھی بہت ضائع ہو گیا تھا میری کمائی ہوئی حرام دولت میرے علاج معالجے پر لگ گئی چار ماہ بعد مجھے مصنوعی ٹانگ لگا دی گئی مگر میری حالت دگرگوں تھی اس وقت موبائل نہیں تھے لینڈ لائن نمبر پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں نے اپنے دوست کو کال کی تو پتہ چلا رانی کے بھاگنے کے اگلے دن ہی بابا جان بدنامی کے ڈر سے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے بیمار تو وہ پہلے بھی رہتے تھے۔ میری کالی کرتوتوں کی خبر میرے چھوٹے بھائی احد کو بھی ہوگئی تھی وہ والدہ کو بھی اپنے ساتھ کینیڈا لے گیا کیونکہ اُس نے وہاں شادی کرلی تھی اُسے اب پاکستان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا تھا۔ یوں دس سال کا عرصہ گزر گیا میں چھوٹا موٹا کام کرنے لگا جاب کوئی دینے پر تیار نہیں تھا جہاں بیٹھتا تھا وہاں دلدار صاحب اکثر آیا کرتے تھے یوں میں اُن کی معرفت سے آپ تک پہنچا یہ ہے میری کہانی......!"

باقی جس بابت آپ پوچھ رہے تھے کہ میں آوارہ اور بدنام جگہوں پر کیا کرنے جاتا ہوں تو سر مجھے اس بارے میں غلط نہ سمجھیں۔ رانی کا مجھے پکا یقین ہے میری چلائی ہوئی گولیاں اس کے لیے موت کا پیغام بنی ہوں گی کسی طرح سے ہی سہی میں اپنی بہن کی عزت بچا سکا ہوں۔ مگر میں زخرف کو ڈھونڈتا ہوں جہاں جس جگہ اس کے موجود ہونے کے امکانات ہوتے ہیں میں اُسے ڈھونڈتا ہوں وہ میری رگ رگ میں سرائیت کرچکی ہے جس سے محبت نہ ہونے کا دعویٰ میں آپ کے سامنے بھی کرچکا ہوں مگر اب اعتراف کرتا ہوں وہ مجھے نہیں بھولتی اس کی آنکھیں کسی انی کی طرح کسی خنجر کی طرح میرے دل میں گڑ چکی ہیں میں اُسے بھول نہیں پا رہا بائیس سال ہوگئے وہ دشمن جاں مجھے بھولتی ہی نہیں مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی میں سر دیواروں سے ٹکراتا ہوں مجھے اس کی یاد کے دورے پڑتے ہیں میں پاگل ہوجاتا ہوں میں زخرف کو بہت چاہتا ہوں میں اسے ڈھونڈتا ہوں۔

اُسے تلاشتا ہوں مجھے لگتا ہے مجھے اس کی خاموش بددعا کھا گئی وہ مجھے بہت چاہتی تھی میرے لیے جان بھی دے سکتی تھی اور میں نے اپنا عشق اپنی محبت' اپنے جذبات سب فروخت کردیے محض ایک لاکھ کے عوض......

آہ......اپنی محبت کو بیچ کر میں نے بے غیرتی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ میرا آبائی گھر اسلام آباد میں موجود ہے میں چاہوں تو جا کے رہ سکتا ہوں مگر میں یہیں رہ کر خوار ہو رہا ہوں کیونکہ اسی شہر میں میری محبت' میری بہن برباد ہوئی مجھے بھی یہیں برباد ہو کے مرنا ہے مجھے اب زندگی سے کوئی سروکار نہیں زخرف کا عشق مجھے دیمک کی طرح کھا رہا ہے اور آپ جانتے ہیں نا سر دیمک پیڑ کو لگ جائے یا آدمی کو پھر وہ بچتا نہیں ہے۔

خود اپنی آگ سے شاید گداز ہوجائیں
پرائی آگ سے کب سنگدل پگھلتے ہیں

اس سے آگے معافی تلافی اور احساس ندامت سے متعلق جملے تھے آنسوؤں کے بھی نشان تھے اور میں سوچ رہا تھا تقدیر بھی کیا چیز ہے کسی انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے اور کہاں کا انسان کہاں جا پہنچتا ہے...... یہ ایک ٹھٹھرتے ہوئے دسمبر کی الوداعی ہفتے کی رات تھی سردی لہو منجمد کررہی تھی میں حسن منیر اپنے پاپا محسن منیر کے ساتھ ایک ضروری میٹنگ اور بزنس ڈنر کے بعد گھر واپس آرہے تھے۔ میں تھکاوٹ کے باعث گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اونگھ رہا تھا پاپا جان گاڑی ڈرائیو کررہے تھے اچانک ایک نسوانی ہیولا ہاتھ ہلاتا ہوا سرپٹ گاڑی کی طرف دوڑتا ہوا آیا تین چار مسٹنڈے اس کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے پاپا نے جھٹکے سے گاڑی روکی اور آن واحد میں گاڑی کا دروازہ کھول دیا وہ نسوانی ہیولا گاڑی میں سیٹ پر ڈھیر ہوگیا پاپا زناٹے سے گاڑی بھگا لے گئے۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں دیکھتا رہ گیا گاڑی پھر گھر آ کر ہی رکی۔ لڑکی سراسیمہ اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خوفزدہ تھی پاپا نے فریدہ کو جو ہمارے لیے کھانا پکاتی تھی کو تاکید کہ لڑکی کا خیال رکھے اور کھانا وغیرہ دے کر کمرہ دکھا دے میں تھکا ہوا تھا اور اس قصے سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے سونے چلا گیا صبح پاپا ناشتے کی میز پر میرا ویٹ کر رہے تھے میں نے رات والے قصے کا پوچھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہنوز خاموش رہے وہ کسی گہری سوچ میں محو تھے۔

میں نے زیادہ کرید بہتر نہ سمجھی کیونکہ پاپا ایک کامیاب بزنس مین ہی نہیں ایک بہت اچھے انسان بھی تھے جن سے ایک بار رشتہ بنا لیتے تاعمر نبھاتے نہایت دیندار مخلص عقلمند اور زمانہ شناس تھے مما کی ڈیتھ کے بعد بھی وہ بخیر وخوبی گھر چلا رہے تھے مجھے اپنے پاپا پر فخر محسوس ہوتا۔

کچھ دن اسی خاموشی کی نظر ہو گئے ایک دن پاپا میرے کمرے میں چلے آئے یہ اُن کا خاص انداز تھا جب کوئی ضروری بات کرتے میرے کمرے میں چلے آتے میں نے یاد آنے پر لڑکی کا پوچھا تو وہ گویا ہوئے۔

"دیکھو حسن بیٹے میں تم سے کچھ ضروری بات کرنے آیا ہوں امید ہے تم اس معاملے کو سمجھو گے۔ لڑکی عزت دار شریف خاندان کی ہے عشق و محبت میں پڑ کر غلط ہاتھوں میں جا پہنچی میری اس سے تفصیلی بات ہوئی ہے وہ نادانی میں ایسا کام کر چکی ہے مگر اس کا دامن داغدار نہیں ہے دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے وہ اب اپنے گھر والوں کے لیے قابل قبول تو نہیں ہو گی دارالامان کا ماحول بھی میں جانتا ہوں بہت سوچ سمجھ کے میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں تم اگر راضی ہو تو؟ اُسے سہارا دے دو اُس سے شادی کر لو جو دوسروں کے عیب چھپاتے ہیں نا بیٹا اللہ کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے میں اسے یوں بغیر کسی شرعی حیثیت کے گھر نہیں رکھ سکتا۔ میرے بیٹے تم لاوارث کا سہارا بن جاؤ اللہ تمہارا وارث بن جائے گا اس کو سہارا دو اللہ تمہیں کبھی سہارے کا محتاج نہ رکھے گا باقی تمہاری مرضی جو تم فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہے۔"

اور میں حسن منیر اپنے کیریئر کو سیٹ کرنے میں محو تھا صنف نازک کا خیالی پیکر تو میرے دل میں کوئی نہ تھا پھر پاپا زمانہ شناس آدمی تھے میرا اُن کے علاوہ تھا ہی کون اور پاپا جان اور ممی نے میری تربیت بے تحاشہ دولت ہونے کے باوجود مذہبی اقدار پر ہی کی تھی مجھ میں عجز وانکساری کا مادہ زیادہ تھا سوچ بچار کے بعد میں نے پاپا کو ہاں کر دی ہفتے بعد ہی ہمارا نکاح سادگی سے ہو گیا البتہ ولیمہ پاپا نے دھوم دھام سے ارینج کیا تھا۔

میری بیوی جیسا پاپا نے کہا ویسے ہی ثابت ہوئی اس نے ساری حقیقت حال مجھے بیان کر دی اور حلفاً کہا کہ وہ گھر سے بھاگ تو آئی تھی مگر اللہ نے اس کی عزت کی حفاظت کی اسے کھوٹے پر پہنچایا گیا کھوٹے پر نائکہ اور سیٹھ کا جھگڑا ہو گیا سیٹھ بھی مالدار اور اثر و رسوخ والا آدمی اس کا عتاب کوٹھے پر نازل ہوا اور میڈم شمعونہ موقع پر دم توڑ گئی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر کئی لڑکیاں قفس سے بھاگ گئیں وہ بھی ان میں شامل تھی۔

جی ہاں آپ بالکل ٹھیک سمجھے میری بیوی اعجاز کی بہن رانی ہے جسے وہ مردہ سمجھتا ہے اور میں اعجاز کو کبھی نہیں بتاؤں گا کہ اس کی بہن میری بیوی ہے اور میرے دو بیٹوں کی ماں ہے۔ ضمیر کی بھی عدالت ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں اعجاز جیسا کم ظرف بے غیرت آدمی ضمیر کی عدالت میں روز پیش ہو روز جوابدہ ہو عشق کی آگ میں محبوبہ کی جدائی میں پشیمانی میں تو وہ پور پور جل ہی رہا ہے آپ کیا کہتے ہیں قارئین......؟

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عشق میں حساب کیسا

وہ اس اداکارہ کی زلفوں کا اسیر تھا تبھی عمر اور
وقت بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے......

افتخار چوہدری

استاد جی میں نے یہ گاڑی مکمل ری ٹیون کر دی ہے، مگر اس کا فین بیلٹ انتہائی خستہ ہو کر کئی جگہ سے کریک ہو چکا ہے، اس کا بدلا جانا بہت ضروری ہے ،لیکن اس سائز اور نمبر کا بیلٹ ہماری ورکشاپ کے اسپیئر اسٹور میں موجود نہیں ہے، وہ منگوا دیں۔

اسلم مکینک نے اپنے استاد اور خلجی موٹر ورکشاپ کے مالک میاں نبیل سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنی پریشانی بتائی۔

میاں نبیل ابھی ورکشاپ پہنچا ہی تھا، اور اپنے دفتر میں جانے سے پہلے روٹین کے مطابق اپنے تمام ورکروں سے باری باری سلام دعا کرنے کے بعد ان کے حال احوال معلوم کر رہا تھا، اسلم نے اطلاعی انداز میں اسے اپنا مسئلہ بتایا۔ تم ایسے کرو جو بھی چیزیں منگوانے والی ہیں، ان سب کی ایک لسٹ بناؤ، تا کہ ایک ہی بار میں سارا سامان منگوایا جا سکے، منکسر مزاج میاں نبیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، اور اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ موجود تھی ،مگر یہ خامی اسکی شخصیت کا عیب بننے کی بجائے اس کی سحر انگیز پرسنیلٹی میں دبی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے جدید تراش خراش کا سوٹ سلیقے سے زیب تن کیا ہوا تھا، جو اس کے نفیس اور اعلیٰ ذوق ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

ساٹھ کے پیٹے میں ہونے کے باوجود اس کی لک اور باڈی لینگوج کسی چاق و چوبند نوجوان جیسی نظر آرہی تھی ،وہ اپنے دفتر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو چنبیلی کی ایئر فریشنر کی خوشبو نے آگے بڑھ کر اسکا استقبال کیا۔

انتہائی خوبصورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا یہ دفتر عموماً شہر کی دوسری تمام ورکشاپوں سے یکسر مختلف نظر آرہا تھا، نبیل نے جہازی سائز کی ٹیبل کے دوسری طرف موجود ریوالونگ چیئر سنبھالی اور ٹیبل پر موجود اخبار اٹھا کر سرسری انداز میں ورق گردانی کرنے لگا۔ سر جی گرما گرم چائے حاضر ہے۔

آفس بوائے نے بھاپ اٹھتے کپ کو اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میاں نبیل نے مسکراتے ہوئے شکریہ کہا، اور کپ اٹھا کر سپ لینے لگا۔

اسی دوران اس کی نظر ایک اشتہار پر پڑی تو اسے چائے کا گھونٹ حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہوا، جسے اس نے بمشکل نگلا ہو۔

چائے کا کپ واپس ٹیبل پر رکھ کر وہ محویت کے عالم میں اس چند سطری اشتہار کو بار بار پڑھنے لگا۔

اشتہار کو اس طرح بار بار پڑھنے سے اس کے ذہن میں کچھ ایسی یادیں یلغار کرنے لگیں، جو گزرے وقت کا حصہ بن چکی تھیں، ایسی یادیں جن کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، مگر وہ شعوری طور پر کوشش کرنے کے باوجود ماضی کا در وا ہونے سے نہ روک سکا اور اس کے ذہن کی اسکرین پر اوراقِ زیست ایک ایک کر کے پلٹنے لگے۔

☆......☆......☆

وادی ہنزہ کے شمال مشرق کی طرف آسمان سے باتیں کرتے ہوئے فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ انہی چوٹیوں سے برف پگھل کر ایک تیز رفتار نالے کی صورت میں بہتی ہوئی وادی کے دوسری طرف موجود جھیل میں آبشار بن کر گر رہی تھی، یہی جھیل آگے جا کر دریائے ہنزہ میں شامل ہو رہی تھی۔ جھیل اور دریا کے اردگرد کا سارا علاقہ مختلف پھلوں کے درختوں کی بہتات سے جنگل بنا ہوا تھا، پُرسکون اور خوشگوار روشن دن ہونے کے باوجود فضا میں موجود خنکی روح تک سرایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسے میں دارالحکومت کی سمت سے آتے ہوئے ایک جدید ہیلی کاپٹر کے شور نے پُرسکون اور خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

پھر کچھ ہی دیر میں ہیلی کاپٹر تیز رفتار نالے کے قریب ایک مسطح جگہ پر آ کر لینڈ کر گیا، اور انجن بند ہوتے ہی اس کا آٹومیٹک دروازہ مخصوص انداز میں کھلا تو اندر سے ایک اپسرا جیسی سرخ وسپید

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نازک اندام سی لڑکی برآمد ہوئی۔
سلم اسمارٹ لمبے قد والی اس لڑکی نے اسکن ٹائیٹ جینز کے ساتھ میچنگ شرٹ پہنی ہوئی تھی جبکہ ڈارک براؤن گوگلز اور ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے سنہری بال اس کی شخصیت کو مزید مسحور کن بنا رہے تھے۔ دراصل قدرتی حسن سے مالامال وادی کے اس تیز رفتار نالے اور اطراف میں موجود جنگل میں پچھلے کئی دنوں سے ایک فلم کی شوٹنگ چل رہی تھی اسی سلسلے میں فلم کا پورا یونٹ یہاں موجود تھا۔
اس وقت بھی پورا یونٹ کچھ سین فلمانے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ ہیلی کاپٹر کی آمد پر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
ہیلی کاپٹر کے ذریعے آنے والی دائمہ خان اس فلم کی ہیروئن تھی، جو اس وقت نا صرف ملک کی سب سے زیادہ معاوضہ لینے والی موسٹ بزی اداکارہ تھی، بلکہ ہمسایہ ملک کی فلم انڈسٹری کے لیے بھی پہلی چوائس کی حیثیت رکھتی تھی۔
وہ روزانہ کی بنیاد پر دارالحکومت سے یہاں شوٹنگ کے لیے آ رہی تھی، کیونکہ اس پوری وادی میں، ایک بھی ہوٹل ایسا نہیں تھا، جسے وہ اپنے رہنے کے لائق سمجھتی۔ جبکہ اس کے برعکس ہیرو سمیت پوری کاسٹ اسی وادی کے ایک تھری سٹار ہوٹل میں مقیم تھی۔
دائمہ خان کے پیچھے ہیلی کاپٹر سے ایاز شیخ نکلا، وہ کسرتی بدن کا انتہائی وجیہہ نوجوان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ارب پتی بزنس مین کا اکلوتا بیٹا بھی تھا، اور شاید انہی آخری دو خوبیوں کی وجہ سے وہ دائمہ خان کے منگیتر کی سیٹ پر پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔
یہ جدید ہیلی کاپٹر بھی اسی نے دائمہ خان کو گفٹ کیا تھا، اب وہ ہر جگہ سائے کی طرح اس کے ساتھ چپکا رہتا تھا۔
ان دونوں کے ہیلی کاپٹر سے نیچے اترتے ہی ہدایت کار سمیت پوری کاسٹ ان کے گرد اکھٹی ہو گئی۔
ملک صاحب آج میرے باقی مانده سین فائنل کروا لیں، کیونکہ کل ہماری سوئٹزر لینڈ کی فلائٹ ہے، دائمہ خان نے ہدایت کار ملک رضوان سے مصافحہ کرتے ہوئے تنبیہی انداز میں کہا۔
جبکہ ایاز شیخ کسی سے بھی ہائے ہیلو کیے بغیر ایسے گردن اکڑائے اطراف کا جائزہ لینے لگا، جیسے اس کے کپڑوں کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کو بھی کلف لگا دی گئی ہو۔
جی میڈم میں جانتا ہوں، آپ کا شیڈول ٹف ہے، بس آپ کے دو سین باقی ہیں، یہ سکرپٹ دیکھ لیں، جو سین آپ پہلے مکمل کروانا چاہیں، اس کے لیے تیاری کر لی جائے۔ ہدایت کار نے پیپرز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیپرز اس کے ہاتھ سے لے لیے۔
یہ سین تھوڑا مشکل لگ رہا ہے پہلے اسے کلیئر کر لیں، دوسرا سین تو پہلے ٹیک میں ہی اوکے ہو جائے گا، کچھ دیر بعد اس نے ایک سین کو سلیکٹ کرتے ہوئے پیپرز واپس ہدایتکار ملک رضوان کی طرف بڑھا دیے۔ میڈم یہ سین تو ریڈی ہے مگر ہیرو صاحب کو اونچائی سے ڈر لگتا ہے، اسی لیے آپ کے ساتھ نبیل یہ سین مکمل کروائے گا۔
ملک رضوان نے ایک طرف کھڑے اسٹنٹ مین نبیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو دائمہ خان کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ نکلتے ہوئے قد کا خوبصورت نوجوان تھا، جس کے جسمانی اعضاء کسی یونانی دیوتا کی طرح نشیب وفراز سے بھرپور تھے۔

اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے وہ ابھی باڈی بلڈنگ کا عالمی مقابلہ جیت کر آرہا ہو۔

دائمہ خان نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی اور سین کا مطلوبہ ڈریس پہننے کیلئے ایک طرف موجود خیمے کی طرف بڑھ گئی۔

نبیل آج بہت ایکسا یٹڈ نظر آرہا تھا، کیونکہ آج اس کا خواب پورا ہونے جارہا تھا۔ اس نے ایک ورکشاپ مکینک سے یہاں تک کا سفر کئی سالوں میں طے کیا تھا، وہ دائمہ خان کا دیوانگی کی حد تک فین تھا۔

اس کے کمرے میں ہر طرف اسی کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے خوابوں کی ملکہ تھی، اسے جب بھی کسی فنکشن میں دائمہ خان کی آمد کا علم ہوتا ہو وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں دھکے کھاتا پھرتا، پھر بھی اکثر امید بر نہیں آتی تھی، کبھی کبھار قسمت بہت مہربان ہوتی تو دور سے ایک آدھ جھلک نصیب ہو جاتی تو اس کی خوشی دیدنی ہوتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ چنگاری بجھنے کی بجائے مزید بھڑک کر شعلہ بن گئی، تو اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا کہ کسی طرح اس چاند کو چھو لے۔

اسی سراب کا شکار ہو کر وہ کسی چکور کی مانند چاند کی طرف اڑنے لگا، جو اس بات سے بے خبر محو سفر ہوتا ہے کہ اسکا مقدر تھک ہار کر گرنا ہی ٹھہرے گا۔

یہی خواہش اسے ورکشاپ سے مارشل آرٹ اور ڈانس کلبوں تک لے گئی، تیراکی سے لے کر پیراٹروپنگ تک کی مشقیں وہ گھول کر پی گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ فلموں میں ایسے خطرناک سین پہلے ہی ٹیک میں او کے کروانے والا اسٹنٹ مین بن گیا جن کے بارے میں سوچ کر ہی اچھے اچھوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔

آج اسے دائمہ خان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ مل رہا تھا، یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

کچھ ہی دیر میں مختلف لوکیشنوں پر لگے ہوئے کیمروں کے ذریعے سین فلمایا جانے لگا پہاڑوں کی طرف سے آتے ہوئے تیز رفتار نالے کے اوپر تنی ہوئی تار کے ذریعے نبیل کو نالا کراس کرنا تھا، جبکہ دائمہ خان اس کی پشت سے چپکی ہوئی تھی، دونوں کے جسموں پر حفاظتی بیلٹ باندھ کر انہیں تنی ہوئی تار سے کلمپ کر دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ بھی ضرورت پڑنے پر کئی ایک حفاظتی اقدامات موجود تھے، تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں نقصان سے بچا جا سکے۔ اتنے سارے انتظامات کے باوجود دائمہ خان کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے آثار واضح تھے۔

نبیل نے مضبوطی سے تار کو تھاما اور ہوا میں جھول گیا، جبکہ دائمہ خان اس کے گلے میں بازو ڈالے مزید اس کی پشت سے چپک گئی۔

نبیل تار پر باری باری ہاتھ بدلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے گردن گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا تو اسے دائمہ خان کے چہرے پر خوف کے آثار دکھائی دیے۔

"کیا آپ کو اونچائی سے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، اور ایک بار پھر مخصوص انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

"ن ن...... نہیں تو......" دائمہ خان نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں مختصر سا جواب دیا۔

جب کسی انسان کے لہجے اور الفاظ کا آپس میں تال میل بگڑ جائے تو وہ چاہنے کے باوجود خود کو سچا ثابت نہیں کر سکتا۔

نبیل نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا تو دائمہ خان کھسیانی سی ہنسی ہنس کر رہ گئی۔

ویسے گھبرانے اور ڈرنے والی کوئی بات ہے بھی نہیں، کیونکہ ہمارے جسم بیلٹ اور کلمپ کے ذریعے تار سے منسلک ہیں، اور پھر یہ کام میں کئی بار کر چکا ہوں، میرے لیے ہم دونوں کا وزن بازوؤں پر سہار کر یہ چند میٹر کا فاصلہ طے کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

آپ بے فکر رہیں، نبیل نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا، تو اس کے لہجے میں جوش واضح محسوس ہو رہا تھا۔

جبکہ جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ پکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو چکا تھا، وہ جسے ایک نظر دیکھنے کے لیے ترسا کرتا تھا، وہ آج اس کے اتنے قریب تھی کہ اسے بار بار خود کو یقین دلانا پڑ رہا تھا کہ یہ سب خواب نہیں حقیقت ہے۔

نبیل کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وقت یہیں تھم جائے اور یہ چند میٹر کا سفر صدیوں پر محیط ہو جائے، اور پھر بھی کبھی ختم نہ ہو۔

وہ شعوری طور پر ان لمحات کو طول دینے کی غرض سے سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا، مگر دیکھنے والوں کو یہی تاثر دے رہا تھا جیسے وہ احتیاطاً ایسا کر رہا ہے۔

وہ اس وقت تک نالے کے عین درمیان میں پہنچ چکے تھے، جب اچانک ایک انہونی ہو گئی۔

وہ جس تار سے لٹک کر آگے بڑھ رہے تھے، وہ ایک جھٹکے سے ڈھیلی ہو گئی، اس غیر متوقع جھٹکے سے تار نبیل کے ہاتھ سے پھسل گئی، تو دونوں کے جسم چند فٹ نیچے گرے اور حفاظتی بیلٹ کے سہارے فضا میں جھولنے لگے۔

ان کے جسموں سے بندھے ہوئے حفاظتی بیلٹ ہی ان کی زندگی کے ضامن بن گئے تھے۔

خوف کے مارے دائمہ خان کی چیخیں نکل رہیں تھیں۔

نبیل نے ایک نظر نالے کے کنارے پر کھڑے ہوئے ہدایت کار کی طرف دیکھا تو وہ بھی پریشانی کے عالم میں اس چٹان کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا، جس پر تار کا ایک سرا باندھا گیا تھا۔

جبکہ عملے کے کئی افراد افراتفری کے عالم میں اسی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

اس دوران دائمہ خان مسلسل ہذیانی انداز میں چیخیں مار رہی تھی۔

''دائمہ جی پلیز آپ ڈریں مت سب ٹھیک ہے ادھر دیکھیں میری طرف۔''

نبیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے کہا، مگر وہ تو جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

میں کہہ رہا ہوں میری طرف دیکھیں، اس بار نبیل نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے حلقے میں لے کر غراتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تو وہ سہم کر خاموش ہو گئی۔

ادھر دیکھو میری آنکھوں میں نبیل نے سارے آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے آڈر دینے کے انداز میں کہا تو وہ بے اختیاری کے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

میں وعدہ کرتا ہوں، تمہیں کچھ نہیں ہوگا، نبیل

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اس بار اسے تسلی دی تو اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی پختگی تھی۔

دائمہ خان جس کی خوف سے گھگی بندھی ہوئی تھی ،سوائے ایک ٹک دیکھنے اور اثبات میں سر ہلانے کے علاوہ کچھ نہ کہہ سکی۔

میں واپس تار تک پہنچ کر تمہیں بھی اوپر کھینچ لوں گا ،تم نے پریشان نہیں ہونا ،نبیل نے ایک بار پھر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا ،اور حفاظتی بیلٹ پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا ۔ابھی وہ تار سے فٹ بھر نیچے ہی تھا ۔جب اس کی نظر دائمہ خان کے حفاظتی بیلٹ کے ہک پر پڑی ،تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

تار سے کلمپ کیا گیا ہک کریک ہو چکا تھا جس میں سے بیلٹ سلپ ہو کر نکلتی چلی جا رہی تھی۔

اس نے ایک نظر فضا میں جھولتی ہوئی دائمہ خان کی طرف دیکھا ،تب تک وہ بھی سلپ ہوتی ہوئی بیلٹ کو دیکھ چکی تھی ۔صورتحال کی سنگینی محسوس کر کے اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔

پلیز نبیل مجھے بچا لو میں ابھی مرنا نہیں چاہتی ، دائمہ خان نے خوف زدہ لہجے میں التجا کی۔

یقینی موت کو سامنے دیکھ کر وہ کانپ رہی تھی ۔جبکہ آنکھیں خوف سے پھٹنے کی حد تک پھیل چکی تھیں۔

اب نبیل کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ واپس اوپر چڑھنے کی بجائے نیچے جا کر دائمہ کو بھی اپنے ساتھ لاتا۔

اس نے ایک بار پھر ہک کی طرف دیکھا تو بیلٹ ہک سے نکلنے ہی والی تھی ،اب ضائع کرنے کے لیے اس کے پاس ایک سیکنڈ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

اس نے بیلٹ چھوڑا تو ایک جھٹکے سے نیچے گرا ،مگر اس سے پہلے کہ وہ دائمہ کو پکڑتا اس کی بیلٹ ،ہک میں سے نکل گئی اور وہ ہذیانی انداز میں چیخنے کے ساتھ ہوا میں ہاتھ پاؤں مارتی ہوئی تیز رفتار نالے میں جا گری ۔ایک لمحے کے لیے نبیل کا دماغ ماؤف سا ہو گیا ،اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے ،اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی ،اور پھر اگلے ہی لمحے اپنے حفاظتی بیلٹ کا اسٹرپ کھول دیا ،اور وہ بھی نالے میں جا گرا۔

مگر آج اس کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے ،گرتے ہی اس کی ٹانگ ایک پتھر سے ٹکرائی تو پانی کے بے پناہ شور کے باوجود اسکی ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سنائی دی۔

اس کے حلق سے دل دہلا دینے والی چیخ کنارے پر کھڑے ہوئے لوگوں کو بھی پریشان کر گئی۔

نبیل نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے درد کو برداشت کرنا چاہا ،اس کے ذہن پر اندھیرا یلغار کی صورت حملہ کر رہا تھا ،یہاں بے ہوش ہونے کا مطلب سوائے یقینی موت کے اور کچھ نہیں تھا ، ،اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے اوسان بحال کیے اور اپنی ٹانگ کو دیکھا تو وہ پنڈلی سے ٹوٹ چکی تھی ،اور پانی کے دباؤ سے ادھر اُدھر ڈول رہی تھی ،اسے اپنی بقا کے لالے پڑ گئے تھے۔

اس نے دائمہ خان کو دیکھنے کے لیے اطراف میں نظریں دوڑائیں تو اونچے نیچے ہوتے پانی میں وہ اسے نالے کے بالکل آخر میں نظر آئی۔

جہاں سے نالا آبشار کی صورت اختیار کر رہا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ جیسے تیسے کر کے اپنی جان بچا سکتا تھا، مگر اس حالت میں بھی اس کے ذہن میں دائمہ خان سے کیا ہوا وعدہ گونج رہا تھا۔

اس نے کنارے کی طرف جانے کی بجائے خود کو پانی کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا جو اسے کچھ ہی دیر میں ڈھلانی سطح پر لے آیا، یہاں پانی کی رفتار اور شور کئی گناہ زیادہ تھا، پانی کا بے پناہ دباؤ اسے اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔

آبشار کی صورت گرتے ہوئے پانی میں وہ بھی ہاتھ پاؤں مارتا ہوا سینکڑوں فٹ نیچے موجود جھیل میں جا گرا۔

واپس ابھرنے تک اس کا سانس پھول چکا تھا جسے بحال کرنے میں کچھ وقت لگ گیا۔

یہاں پر تیز رفتار نالے کے برعکس پانی کافی پرسکون تھا اس نے ارد گرد دیکھا، مگر دائمہ خان کہیں نظر نہیں آئی، تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اس نے ایک لمبی سانس لے کر غوطہ لگایا اور اسے ڈھونڈنے لگا، کچھ دیر بعد سانس گھٹنے پر وہ واپس نکل آیا، کیے بعد دیگرے تین بار پانی میں غوطہ لگانے پر بھی اسے کامیابی نہیں ملی تو بے بسی سے اس کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، یا اللہ مدد، اس کے منہ سے مختصر سے دو لفظ نکلے اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے ایک گہرا غوطہ لگایا اور جھیل کی نچلی سطح تک پہنچ گیا۔

شاید اس کے دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا قبول ہو گئی تھی، وہ اسے پتھروں میں پڑی ہوئی نظر آ گئی۔

نبیل نے اس کا بازو پکڑا اور کھینچتا ہوا اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔

ایک ٹانگ مفلوج ہونے کے وجہ سے اس کی رفتار کافی کم تھی، پھر بھی وہ حتی لامکان تیز رفتاری سے اوپر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا، اس جدوجہد میں اس کا سانس جواب دے چکا تھا، اب وہ صرف اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر ہی خود کو ہوش میں رکھے ہوئے تھا، سطح پر ابھرنے سے ایک لمحہ پہلے اس کے جسم نے بے اختیاری کے عالم میں جھٹکا کھایا، اور آکسیجن کی بجائے پانی اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا سر پانی سے باہر نکلا تو اسے ڈکراتے ہوئے اسے کھانسی کا دورہ پڑ گیا جس کی وجہ سے منہ اور ناک سے پانی نکلنے لگا۔

بہر حال آخری لمحوں میں اس کی کوشش کامیابی سے ہمکنار ہو ہی گئی، اور وہ سانس لینے میں کامیاب ہو گیا، تو دائمہ خان کو لیے کنارے پر پہنچ گیا۔

جیسے تیسے کر کے اسے ایک پتھر پر الٹا لٹایا اور اس کی کمر پر دباؤ ڈالنے لگا، اس طرح کرنے سے اس کے پیٹ میں بھرا ہوا پانی منہ اور ناک کے ذریعے نکلنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسے سیدھا کر کے اس کے سینے سے کان لگا کر دھڑکن سننے کی کوشش کی، مگر اسے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی تو وہ جذباتی ہو گیا، وہ کانپتے ہاتھوں سے اسے جھنجھوڑنے لگا، اور تھپڑ مارتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا، مگر اس کے جسم میں کسی قسم کی حرکت کے آثار نظر نہیں آرہے تھے، اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے دائمہ خان کے جبڑوں کو کھول کر اس کے منہ میں پوری قوت کے ساتھ پھونک ماری اور پھر اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے دباؤ ڈالا تو کھانسی کے شدید دورے کے ساتھ ہی دائمہ خان کے منہ سے پانی کا فوارہ نکلا اور اسے الٹی سیدھی سانس آنے لگی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اسے سانس لیتا دیکھ کر نبیل کے اعصاب پر سکون ہو گئے اور وہ بے پناہ تکلیف کی وجہ سے بے ہوش ہوتا چلا گیا۔

وہ شاید ابھی تک دائمہ کو ہوش میں لانے کے لیے ہی اپنے حواس قابو میں رکھے ہوئے تھا۔

تب تک اس کا منگیتر اور ہدایت کار ہیلی کاپٹر کے ذریعے جھیل کے کنارے اتر آئے تھے۔

ایاز شیخ نے اترتے ہی دوڑ کر دائمہ خان کو اٹھایا اور واپس ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گیا، اور مڑ کر دیکھے بغیر دارالحکومت کی طرف پرواز کر گیا۔

جبکہ ہدایتکار ہکا بکا کھڑا کبھی اڑتے ہوئے ہیلی کاپٹر کو اور کبھی بے ہوش پڑے نبیل کو دیکھ رہا تھا۔

نبیل کو چارپائی سے اٹھنے میں آٹھ ماہ لگ گئے مگر جس کے لیے وہ جان پر کھیل گیا تھا اس نے مڑ کر ایک بار بھی اس کا حال تک نہیں پوچھا تھا۔

کئی آپریشن ہونے کے باوجود اس کی چال میں لنگڑاہٹ رہ گئی تھی، اس مشکل وقت میں اس کا جگری دوست اعظم لودھی ہی اس کے کام آیا تھا، اسی کی مدد سے نبیل نے ایک چھوٹی سی ورکشاپ بنائی اور اپنی دنیا میں مگن ہو گیا۔

☆......☆......☆

جناب کن خیالوں میں گم ہیں۔ اعظم لودھی نے اپنے جگری دوست میاں نبیل کو کندھے سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ چند لمحے پہلے ہی دفتر میں داخل ہوا تھا، سلام کا جواب نہ ملنے پر اس نے متوجہ کرتے ہوئے پوچھا تو میاں نبیل نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ اپنے خیالوں میں اس قدر مگن تھا کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب اعظم لودھی دفتر میں داخل ہوا۔

آج کیسے رستہ بھول گئے جناب، اس نے اٹھ کر اپنے دوست کو گلے لگاتے ہوئے شکایتی انداز میں پوچھا۔ یار تمہیں پتہ تو ہے کتنے بکھیڑے ہوتے ہیں ہمارے کام میں، کئی دنوں سے دل چاہ رہا تھا ملنے کو مگر روزانہ کسی نہ کسی کام میں الجھ جاتا تھا، اعظم لودھی نے معانقہ کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا، ویسے تم کن گہری سوچوں میں گم تھے سب خیریت تو ہے نہ، اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

میاں نبیل چند لمحے سوچتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ٹیبل پر موجود اخبار اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

یہ اشتہار پڑھو اس نے ایک اشتہار کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اعظم لودھی نے اخبار اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بلند آواز سے اشتہار پڑھنے لگا۔

ایک عدد ویل کنڈیشن تاریخی حیثیت کی حامل ٹیوٹا کرولا، جی، ایل، آئی، کار برائے فروخت ہے یہ کار پچھلے کئی سالوں سے ہمارے ملک کی سابقہ مشہور معروف لیجنڈ اداکارہ دائمہ خان کے زیر استعمال ہے، ان کے فینز کے لیے اس یادگار تحفے کو حاصل کرنے کا سنہری موقعہ ہے، خواہش مند حضرات بروز اتوار نیچے دیئے گئے ایڈریس پر رابطہ کریں۔

اچھا تو میں اب سمجھا کہ مجنوں میاں کہاں کھوئے ہوئے تھے، اعظم لودھی نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

ویسے کوئی حرج نہیں اگر یہ کار خرید لی جائے، میاں نبیل نے مسکراتے ہوئے کہا، تو اعظم لودھی چند لمحوں تک منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رہا۔

بوڑھے میاں اپنی عمر دیکھو اور اپنی سوچ کا تجزیہ کرو، پوتوں نواسوں والے ہو کر بھی ایک ٹین ایجر کی طرح جذباتی انداز میں سوچ رہے ہو، اور پھر سوچ بھی کس کے لیے رہے ہو۔ جسکے لیے جوانی میں تم نے اپنا سکھ چین کھویا، ورکشاپ چھوڑ کر اچھلنا کودنا سیکھا، اور تو اور اس کی جان بچانے کے لیے خود عمر بھر کے لیے معذور ہو گئے، کیا تم بھول گئے کہ تم کئی ماہ تک بستر سے ہل بھی نہ سکے تھے۔

اور اس نے کیا کیا ایک بار پلٹ کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا کہ تم کس حال میں ہو۔ آج کئی دھائیوں کے بعد جب وہ پانچ شوہروں اور درجنوں بوائے فرینڈز کو بھگتا کر فارغ ہو چکی ہے، اب بھی تمہاری عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے اور تمہاری سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے، تمہارے تیور دیکھ کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم ایک لا علاج مرض کے مریض ہو۔

اعظم لودھی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ میاں نبیل کوئی جواب دیتا آفس بوائے ان کے لیے ٹرے میں چائے کے برتن اور لوازمات لیے اندر داخل ہوا تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

یار تم جو بھی کہو یا جو بھی سوچو، مگر ہم اتوار کو کار لینے جا رہے ہیں، یہ بات تو کنفرم سمجھو، آفس بوائے کے جانے کے بعد میاں نبیل نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

سوری یار مجھے تو معاف ہی رکھو، میں ان دنوں بہت مصروف ہوں، اس نے منہ بناتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔

تمہاری اتنی جرأت کہ میرے ساتھ جانے سے انکار کر سکو، میاں نبیل نے چڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ پورے پاجی ہو تم، ٹانگیں قبر میں لٹک چکی ہیں، مگر انداز وہی جوانی والا ہے، اعظم لودھی نے بے بسی سے کہا تو میاں نبیل بے اختیار مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

پھر سے دیکھ لو کیا واقعی اخبار میں یہی ایڈریس لکھا ہے، میاں نبیل نے انتہائی خستہ حال مکان کو مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

ان کے سامنے موجود گھر کی بیرونی دیوار پر سے پلستر اکھڑ چکا تھا اور نیچے سے سیلن زدہ اینٹیں جھانک رہی تھیں، زنگ آلود گیٹ پر یقیناً کسی زمانے میں پینٹ کیا گیا تھا، جو اب کہیں کہیں دھبوں کی شکل میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا جبکہ دیوار پر موجود انگور کی بیل کسے جھاڑ کا منظر پیش کر رہی تھی، شاید مدت سے اس کی کانٹ چھانٹ نہیں کی گئی تھی۔

میں اچھی طرح تسلی کر چکا ہوں یہی محل ہے تمہاری محبوبہ کا چلو اترو نیچے، اعظم لودھی نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو میاں نبیل بھی اپنا بریف کیس سنبھالتا ہوا باہر نکل آیا۔

دوسری بار کال بیل بجانے پر اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی، اور پھر چر چراہٹ کی آواز سے گیٹ کا ذیلی پٹ کھلتا چلا گیا، اور ایک ادھیڑ عمر عورت نمودار ہوئی، وہ حلیے سے ملازمہ لگ رہی تھی۔

اس نے دونوں نو واردوں کو باری باری سوالیہ انداز میں دیکھا۔

کیا دائمہ خان جی یہیں رہتی ہیں، میاں نبیل نے بے ترتیب دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

آہو جی ایتھے ہی رہتی ہیں، کیا تسی کار دیکھنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

واسطے آئے ہو، ملازمہ نے گلابی اردو میں میاں نبیل کی بات کا جواب دینے کے بعد سوال بھی پوچھ لیا۔

اثبات میں جواب ملتے ہی، اس نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا، آجائیں جی دیکھ لیں۔

تو وہ دونوں گیٹ سے گزر کر اندر داخل ہو گئے۔ اندر ہر طرف ویرانی اور بوسیدگی قبضہ جمائے ہوئے تھی، کئی جگہ سے ٹائلیں اکھڑنے کی وجہ سے فرش پر گڑھے بنے ہوئے تھے، خستگی کے باوجود گھر کا ڈھانچہ بتا رہا تھا کہ کسی زمانے میں وہ ایک آیئڈیل عمارت رہ چکی تھی۔ گیراج میں ایک پرانے ماڈل کی، جی، ایل، آئی، کھڑی تھی۔

کیا ہم سے پہلے بھی کوئی کار دیکھنے آیا تھا، اعظم لودھی نے ملازمہ سے پوچھا، تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ آگے بڑھ کر کار کو جانچنے لگا، جبکہ میاں نبیل کسی بت کی طرح بریف کیس اٹھائے پاس کھڑا رہا۔

ہم دائمہ خان صاحبہ سے ملنا چاہتے ہیں، کچھ دیر بعد میاں نبیل نے ملازمہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

تسی ڈرائنگ روم وچ بیٹھو جی میں خبر کرتی ہوں، ملازمہ نے گیراج میں ایک طرف موجود دروازے کو کھول کر انہیں اندر بیٹھنے کا کہا، اور خود دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی سیلن زدہ ہونے کی مخصوص مہک سانسوں کے ذریعے ان کے جسم میں داخل ہوتی چلی گئی۔

اندر فرنیچر کے نام پر چند پلاسٹک کی کرسیوں اور ایک ٹیبل کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

یار میں جانتا ہوں کہ تم ہر حال میں یہ کار یہاں سے لیکر جانا چاہتے ہو، مگر تمہیں اسے ایک نظر دیکھنا چاہیے تھا، اعظم لودھی نے سرگوشی کے انداز میں اپنے دوست کو متنبہ کرنا چاہا۔

اُسی لمحے ڈرائینگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا، اور ملازمہ اندر داخل ہوئی اس کے پیچھے ہی اپنے وقت کی مس ایشیا، اور فلمی دنیا کی سپر سٹار دائمہ خان اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میاں نبیل اسے پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا، اس کے سامنے ایک ڈھل چکی عمر کی فربہ اندام بزرگ خاتون کھڑی تھی، جس کے زرد چہرے پر شکنوں کا جال بن چکا تھا، جسم فربہ ہونے کے باوجود رخساروں کی ہڈیاں ابھر کر نمایاں ہو چکی تھیں، حلقوں کا رنگ گہرا ہونے کے ساتھ بھنویں اور گردن کے نیچے کا گوشت لٹکنے کے انداز میں ڈھلک چکا تھا، ان سب باتوں سے قطع نظر ابھی بھی اس کے چلنے کے انداز میں غرور اور ادائے بے نیازی تھی، جس سے لگ رہا تھا کہ وہ آج بھی ماضی میں جی رہی ہے، یا پھر شاید مہمانوں پر اچھا تاثر قائم رکھنے کے لیے ایسے پوز کر رہی تھی کہ وہ ابھی بھی کوئی توپ قسم کی چیز ہے۔

تشریف رکھیں، اس نے ایک کرسی پر سیدھی کمر سے بیٹھتے ہوئے ایک ادا سے کہا مگر اس کی بلغمی آواز کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی، یہ وہی آوز تھی جس کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا۔

ہم کار خریدنے کے سلسلے میں حاضر ہوئے تھے، اعظم لودھی نے گلا کھنگارنے کے بعد اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

دیکھیں میں دوٹوک انداز میں بات کرنا پسند کرتی ہوں بارگیننگ کرنا مجھے پسند نہیں۔ اگر آپ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لوگوں کو گاڑی پسند ہے تو میں پورے تیس لاکھ لوں گی ،اگر آپ دے سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ، آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں، اور نہ ہی میرا۔

دائمہ خان نے روکھے انداز میں مختصر سی بات کی ،جیسے وہ آج بھی مصروف ترین ہستی ہو۔

اتنی رقم میں تو ایسی آدھی درجن کاریں خریدی جا سکتی ہیں ،اعظم لودھی نے حیرت سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ بالکل ٹھیک آکھیا جی تسی اتنے میں کئی گڈیاں آسکتی ہیں پر اس کار دے نال ساڈی میم صاحبہ دا نام جڑیا ہویا اے، ایس واسطے اے کار بڑی مشہور تے اہمیت والی ہے ۔ اس بار دائمہ خان کی بجائے ملازمہ نے کار کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ بتائی۔

آئی ایم سوری میم میرے دوست کو واقعی اس کار کی اہمیت کا علم نہیں ہے جو اس نے اس طرح کی بات کہہ دی ،اتفاقاً میں اتنی ہی رقم لے کر حاضر ہوا ہوں جتنی آپ نے ڈیمانڈ کی ہے ،میاں نبیل نے اپنی کرسی کے قریب رکھے ہوئے بریف کیس کو اٹھا کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔اس کے لہجے میں حقیقی شرمندگی تھی جیسے اسے اعظم لودھی سے اتنی چیپ بات کرنے کی توقع نہ تھی۔

اعظم لودھی ملازمہ کی بات کا جواب دینے ہی والا تھا کہ میاں نبیل کی بات سن کر سکتے کی سی کیفیت میں اسے تکتا رہ گیا جیسے اسے اپنے دوست کی دماغی حالت بگڑنے پر کوئی شک نہ رہا ہو،اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بند کر لیے،وہ مزید کوئی بات نہ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

آپ یقیناً ایک قدردان انسان ہیں میں ہمیشہ آپ کو یاد رکھوں گی، دائمہ خان نے مسکراتے ہوئے کہا، اور پھر ملازمہ کو اندر سے چابی اور کاغذات لانے کیلئے کہا۔

ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے میں کسی وقت اپنے ملازم کو بھیج کر کار منگوا لوں گا ،اب ہمیں اجازت دیجئے ،میاں نبیل نے اٹھتے ہوئے اجازت چاہی۔

دائمہ خان بھی اٹھ کھڑی ہوئی ،جیسے آپ کی مرضی ،اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان کے ساتھ ہی بیرونی گیٹ تک آگئی۔

کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتی ہوں ،دائمہ خان نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

جی پلیز ،میاں نبیل جو گیٹ سے ایک پاؤں باہر نکال چکا تھا اس کی بات سن کر واپس پلٹ آیا۔

آپ نے ایک بار بھی کار کی قیمت کم کرنے کیلئے نہیں کہا اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔

دائمہ خان نے سوال پوچھا تو اس کے لہجے سے حقیقی حیرت جھلک رہی تھی۔

کیا میں آپ کی بات کا جواب دینے سے پہلے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔

میاں نبیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو دائمہ خان زبان سے جواب دینے کی بجائے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

یہ کار کب سے آپ کے زیر استعمال ہے۔

میاں نبیل نے کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا،سوال سن کر دائمہ خان کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔

’’ٹھ ٹھیک سے تو یاد نہیں ہے۔‘‘اس نے جواب دیا تو لہجے میں لڑکھڑاہٹ واضح موجود تھی۔

حساس دل رکھنے والوں کیلئے تو الفاظ اور لہجے کا بگڑا ہوا تال میل ہی حقیقت حال سے آگاہی کیلئے کافی ہوتا ہے۔میاں نبیل نے ٹھہرے ہوئے پرسکون لہجے میں بات مکمل کی اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔

دائمہ خان اس کی بات سن کر چونک گئی وہ پہلے بھی کسی سے یہ الفاظ سن چکی تھی مگر ذہن پر زور ڈالنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے باوجود اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ جملہ پہلے کب، کہاں، اور کس سے سن چکی ہے، لاشعور کے کسی خانے میں بیٹھے ہوئے یہ الفاظ مانوس ہونے کا الارم بجا رہے تھے۔

وہ کار کی طرف بڑھتے ہوئے میاں نبیل کو غور سے دیکھ رہی تھی اس کی چال میں ہلکی سے لنگڑاہٹ دیکھ کر دائمہ خان کے ذہن میں اچانک ایک دھماکہ ہوا اور اسے یاد آ گیا کہ یہ الفاظ اس نے پہلے کہاں اور کس سے سنے تھے، وہ بے قراری سے گیٹ کراس کر کے گلی میں آ گئی تا کہ میاں نبیل کو روک سکے، مگر اس وقت تک کار اپنے پیچھے دھول اڑاتی ہوئی آگے بڑھ چکی تھی۔

☆......☆......☆

یار عجیب احمق انسان ہو پورے تیس لاکھ روپے تھما آئے ہو، چلو مان لیا کہ آج بھی آپ جناب کے دل میں اس بے حس بوڑھی عورت کی الفت ٹھاٹھیں مار رہی ہے، مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم تو اس کی کار کو بطور نشانی اپنے پاس رکھنے کیلئے اتاولے ہوئے جا رہے تھے، تو پھر اب کار ساتھ نہ لیجانے کی کیا منطق ہے جناب کے پاس۔

اعظم لودھی نے ونڈ سکرین سے پار سڑک پر نظریں جماتے ہوئے غصے سے بھرپور لہجے میں پوچھا۔

وہ کار دائمہ خان کی نہیں ہے، میاں نبیل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے انکشاف کیا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ کار اس کی نہیں ہے، اعظم لودھی نے بے ساختہ پوچھا تو اس بار اس کے لہجے میں غصے کی بجائے حیرت شامل تھی۔ یہ کار میرے ایک کلائنٹ کی تھی، جو اس کے پاس کئی دھائیوں سے موجود تھی اس کار کی مینٹی نس ہمیشہ میری ورکشاپ میں ہی ہوتی آئی ہے میں نہیں جانتا کہ یہ کار کیسے دائمہ خان کے پاس پہنچی، اور وہ کیسے یہ دعوہ کر رہی ہے کہ وہ اس کے عروج کے دور سے لیکر اب تک اس کے پاس ہے، بحر حال یہ تو کنفرم ہے کہ اس کار کے بارے میں وہ جو بھی دعوے کر رہی ہے وہ سب بے بنیاد اور غلط ہیں۔

اگر یہ کار واقعی اس کی ہوتی تو میں بطور یادگار اسے ضرور اپنے پاس رکھتا، مگر جب مجھے حقیقت کا علم ہوا تو میں نے اسے نہ لانا ہی مناسب سمجھا۔ میاں نبیل نے تفصیل سے جواب دیا۔

ٹھیک ہے ساری بات میری سمجھ میں آ گئی، مگر جب تمہیں حقیقت کا علم ہو گیا تھا تو پھر اتنی بڑی رقم دینے کی کیا تک تھی، اس نے ایک اور زاویے سے سوال داغا۔

تم موٹے دماغ کے ایک بے حس انسان ہو اس لیے میرے دلی احساسات اور کیفیت کو تم سمجھ نہیں پاؤ گے، چلو کسی پر سکون جگہ چل کر چائے پیتے ہیں، میاں نبیل نے شرارتی لہجے میں کہا۔

یار مجنوں تو ویسے ہی مشہور ہو گیا تم اس سے کم تو نہیں ہو آج بھی تم اسے کسمپرسی اور تکلیف میں نہیں دیکھ سکے اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اتنی بڑی رقم دے آئے ہو، ویسے ایک بات ہے، جیسے تم نے مجھے ابھی موٹے دماغ والا بے حس کہا اگر ایمانداری سے تجزیہ کیا جائے تو وہ تمہاری بوڑھی حسینہ بھی بے حس اور موٹے دماغ والی ہے اور میں بچپن سے سنتا آ رہا ہوں کہ انسان جیسا خود ہوتا ہے ویسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پر بھی یہ جملہ صادق آتا ہے، اعظم لودھی نے اپنی بات کے آخر میں نبیل کے پاس کیے گئے کمنٹس کو اسی کی طرف موڑتے ہوئے چوٹ کی تو کار دونوں جگری دوستوں کے قہقہوں سے گونج اٹھی۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تم ایسی محبت مت کرنا

میں ایک بدنصیب عورت ہوں جس نے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں برباد کی میں آپ کو اپنے ماضی میں لے کر جانا چاہتی ہوں وہ ماضی جہاں سے میری بربادی شروع ہوئی شرجیل اور میں یعنی منی بائی عرف عشنا ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے......

ریما نور رضوان

''عشنا، میری جان، بس اب تم بن نہیں رہا جاتا......''

شرجیل محبت سے لبریز لہجے میں بولا تھا۔

''شرجیل، مجھ سے بھی......''

عشنا نے شرمیلی سی مسکان کے ساتھ کہا تھا۔

''عشنا، ہم دونوں ایک دوجے سے کتنی محبت کرتے ہیں اور تمہارے گھر والوں کو یہ محبت دکھائی نہیں دیتی۔ میرا بس چلے تمہیں اغوا کرا کر نکاح کر لوں...... کیونکہ گھر سے بھاگ کر شادی کرنے پر تم راضی نہیں ہوتیں......''

شرجیل ناراضگی سے بول رہا تھا۔

شرجیل دو بار اپنے گھر والوں کو رشتہ لے کر بھیج چکا تھا۔ عشنا کے بھائی نے شرجیل کی معلومات کرائی تو رپورٹ اچھی نہ آئی۔

شرجیل جھوٹا، دھوکہ باز، فراڈیا تھا۔

عشنا شرجیل سے خفیہ بات چیت کرتی تھی۔ موبائل بھی شرجیل نے ہی دیا تھا۔ گھر میں کسی کو بھی عشنا کی اس حرکت کا علم نہ تھا۔ شرجیل کا تعلق بھی متوسط طبقے سے تھا جبکہ عشنا کے پاپا کا نام پورے شہر بھر میں نامی گرامی بزنس مینوں میں شمار ہوتا تھا۔

عشنا محبت کے نام پر پاگل دیوانی بنی ماں باپ اور بھائی کے اعتبار کو ٹھیس پہنچا رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ گیارہ بجے تھے۔ لیکن ہائی سوسائٹی ایریاز میں ہو کا عالم تھا۔ عشنا دھڑکتے دل کے ساتھ درود پاک پڑھتی ہوئی گھر کی دہلیز عبور کر آئی تھی۔

''کورٹ میرج کرنے کے بعد سیدھی گھر آ کر مما، پپا، بھائی سے معافی مانگ لوں گی اور وہ معاف کر بھی دیں گے۔ اپنی اکلوتی چہیتی بہن بیٹی کو...... بس آج رات کی بات ہے...... شرجیل نے کہا ہے صبح بارہ بجے کورٹ جا کر ہم رجسٹرڈ کر لیں گے۔''

دل میں آئے وسوسوں کو وہ شرجیل کی باتوں سے سلا رہی تھی۔ ہر گزرتا لمحہ کوئی نیا وسوسہ پوری شدت سے بیدار کر رہا تھا۔ عشنا ایریے کے پارک میں بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں بیگ تھا جس میں نقدی رقم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور مما کے بیش قیمتی زیورات، تمام ضروری اشیاء شرجیل کے گائیڈ کرنے پر وہ گھر سے چوری چھپے لے آئی تھی۔

شدید اضطرابی فعل ہے گزارتے ہوئے لب پر درود پاک کا ورد کر رہی تھی۔

کافی ٹائم گزر جانے کے بعد اب وہ پریشان ہوگئی تھی۔

رات کے بارہ بجے تنہا اکیلے ماڈل پارک میں بیٹھے دل خوفزدہ ہو چکا تھا۔ دور تاریکی میں تین چار ہیولے نمودار ہوئے تھے۔

عشنا کی روح میں سرسراہٹ ہوئی تھی خوف کی۔

''یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم...... میری حفاظت فرما......''

عشنا کو فوری ہی اپنی عزت آبرو کی فکر نے آ گھیرا تھا۔ عشنا نے سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں۔

''عشنا، میری جان......''

شرجیل کی محبت سے لبریز آواز عشنا کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ عشنا نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔ حیرت سے اس کے ساتھ موجود لڑکوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو بغور عشنا کو ہی دیکھ رہے تھے۔

''عشنا، چلیں...... لاؤ موبائل اور بیگ مجھے دے دو۔''

شرجیل نے مسکرا کر کہا تھا' عشنا کو شرجیل کے انداز جدا سے لگے تھے۔ پھر بھی شرجیل کو سامان تھما دیا تھا۔

''یاروں، میرا کام ہوا' اب یہ تمہارے حوالے۔''

شرجیل کریہہ مسکان کے ساتھ بولا تھا۔ عشنا کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ شرجیل

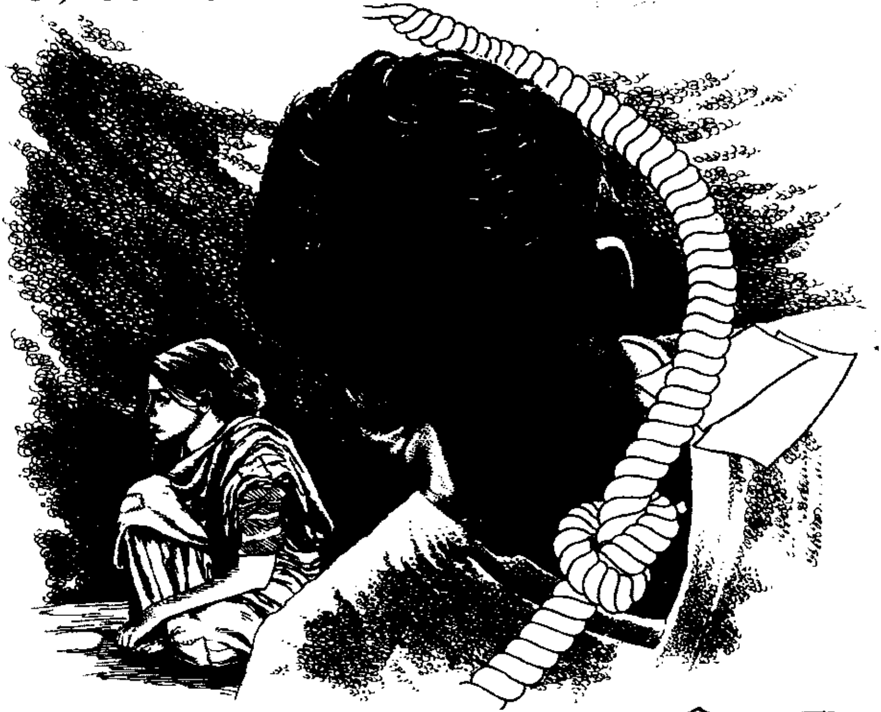

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خباثت سے مسکرا رہا تھا۔
"پاگل لڑکی، تم میری محبت نہیں کمائی کا ذریعہ ہو۔ تم کو پورے چھ لاکھ میں فروخت کر دیا ہے اس گروہ کو۔"
عشنا پھٹی پھٹی نگاہوں سے شرجیل کو دیکھ رہی تھی۔ بصارتیں اور سماعتیں اس سچائی کو جھٹلا رہی تھیں۔
"شش......شرجیل......تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟"
عشنا کا ذہن یکلخت بیدار ہوا تھا
عشنا شرجیل کا گریبان پکڑ کر چلائی تھی۔
"اوہ......جسٹ شٹ اپ۔"
شرجیل نے اک جھٹکے سے اپنا کالر عشنا کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔
"تم گری ہوئی لڑکی......اپنے ماں باپ کی عزت کی چادر کو میرے لیے داغ دار کر کے آ گئیں، تم جیسی لڑکیوں کو جو اپنے گھر کی عزت کو اپنے ہی قدموں تلے روند کر چلی آتی ہیں، کوئی بھی اپنے گھر کی عزت نہیں بناتا۔"
شرجیل تنفر سے بولا تھا۔
"شرجیل، خدا کے واسطے میرے ساتھ ایسا نہ کرو، تمہاری محبت پر اعتبار کیا ہے میں نے، تم نے کہا تھا کورٹ میرج کر کے میں، ہم واپس اپنے گھر آئیں گے، مما پپا سے ایکسیوز کر لیں گے۔ وہ مجھے معاف بھی کر دیں گے کیوں کہ میں ان کی اکلوتی لاڈلی چہیتی بیٹی ہوں......خدارا......ایسا نہ کرو۔"
عشنا بھرائی ہوئے لہجے میں بولی تھی۔
"محبت......"
شرجیل اکڑ کر نفرت سے بولا۔
"عشنا، بی بی کون سے جہاں میں رہتی ہو۔ ہمارے معاشرے میں انسانیت نامی وجود مٹ چکا ہے صفحہ ہستی سے، تم محبت کی بات کر رہی ہو، انسانیت نہیں تو محبت کیا شے ہے۔"
"شرجیل، خدا کے واسطے مجھے گھر جانے دو۔"
گھر کی چار دیواری کتنی محفوظ و تحفظ بھری پناہ گاہ ہیں، عشنا کو احساس ہو گیا تھا۔
"شرجیل، پلیز، مجھے میرے گھر جانے دو۔ تمہیں جتنا پیسہ چاہیے پپا دے دیں گے۔ میری عزت، آبرو، ذات کو عزت نفس کو یوں مجروح نہ کرو۔"
عشنا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔
شرجیل کی منت ساجت کر رہی تھی۔
شرجیل چلا گیا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ عشنا کی نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ وہ حلق کے بل دھاڑ رہی تھی، کوئی بھی اس کی چیخ پکار سننے والا نہ تھا، نہ کوئی پرسان حال تھا......نہ ہی مددگار۔
عشنا زار و قطار رو رہی تھی۔
محبت نے اسے ذلت و رسوائی کے اتنے گہرے گڑھے میں گرایا تھا کہ وہ اپنی پہچان و شناخت بھی کھو چکی تھی۔ شرجیل نے اسے فروخت کر کے باندی بنا دیا تھا۔ اس کا مالک اس کے ساتھ نجانے کیا کرنے والا تھا۔
عشنا کو اپنے اطراف فقط اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ کہیں سے کوئی روشنی کی رمق نہ تھی، از خود عشنا نے خود کو ان تاریک راہوں کا مسافر بنایا تھا۔
آج جب میں ایک طوائف کے روپ میں جی رہی ہوں روز میرا جسم میرے خریدار بھنبھوڑتے ہیں تو میرے روئیں روئیں سے صرف ایک ہی پکار آتی ہے۔
"تم ایسی محبت مت کرنا لڑکیوں جو تمہیں غلاظت کی کھائی میں اوندھے منہ پھینک دیے۔"

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

”سچی کہانیاں“ اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ ’سچی کہانیاں‘ اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر ’سچی کہانیاں‘ ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسیج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی ’سچی کہانیاں‘ ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے ’سچی کہانیاں‘ کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ ’سچی کہانیاں‘ اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0304-3168708

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عشق جو ہم سے روٹھ گیا

> ہم اپنے عشق میں سچے ہوتے تو مشرقی پاکستان کبھی علیحدہ نہ ہوتا...... کاش ہم نے پاکستان سے عشق کیا ہوتا...... کاش......!!!

رئیسہ خالد

ہرے بھرے اور سنہرے دیس مشرقی پاکستان میں جو اب بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے۔ فروری کا مہینہ اداسیاں لے کر آتا ہے۔ فضا میں کنول کے پھولوں کی خوشبو جسے غم کا پھول بھی کہا جاتا ہے فضا کی خوشبو محبت سے بھری ہوتی تھیں۔ چالیس ندیاں جو پورے ملک میں آڑی ترچھی سست رفتاری سے اس طرح بہتی ہیں جیسے سمندر کے نمکین پانی میں اترتے ہوئے ہچکچا رہی ہوں۔

سورج ڈوبتے ہی مچھروں کی یلغار رات بھر انسانی خون پی کر صبح کر دیتی ہیں رات کی رانی کے سفید پھول جب کھلتے ہیں تو ہر طرف بھینی بھینی خوشبو ہر انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے کہتے ہیں کہ اس کی خوشبو سانپوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے گیندے کے زرد پھول کیاریوں میں پورے شباب پر ہوتے ہیں۔ ہمارے گھر کے سامنے ایک بہت بڑا پارک تھا وہاں طرح طرح کے پھول کھلے ہوتے تھے۔ بچوں کے لیے کئی طرح کے جھولے لگے ہوئے تھے۔ شام کے وقت پارک میں بڑی رونق ہوتی۔ ہمارے گھر کے باہر بہت بڑا لان تھا جس میں میں نے طرح طرح کے پھول اُگا رکھے تھے۔ گھر کے اندر بھی بہت بڑا صحن تھا۔ جہاں پھلوں کے درخت تھے جن میں پھل آنے کا انتظار تھا۔

اگرچہ میرے شوہر کی پوسٹنگ ڈھاکہ میں تھی لیکن جب میں پاکستان آئی ان دنوں ٹریننگ کے سلسلے میں وہ کراچی گئے ہوئے تھے اس لیے میں پہلے کراچی آئی لیکن چند مہینوں بعد ہی ہم لوگ ڈھاکہ واپس آ گئے۔ 1966ء کا زمانہ تھا۔ ہندوستان پاکستان کی جنگ ختم ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

ان دنوں ہمارے شوہر کی پوسٹنگ کشتیا سے نرائین گنج میں ہوئی تھی جو ڈھاکہ کے جنوب میں دس میل کے فاصلے پر ہے۔ نرائین گنج میں سرخ اینٹوں والے مکان کے پیچھے آم کے پیڑوں پر جب پھول اور ہری ہری کیریاں لگ رہی ہوتیں تو سب کے منہ میں پانی بھر آتا۔ آم پکنے سے پہلے کیریاں توڑی جاتیں چھیلی جاتیں اور پھر اسے نمک لگا کر کھایا جاتا۔

ست لکھیا ندی کے کنارے نارائین گنج بڑے بڑے جوٹ اور کپاس کے کارخانوں کے ساتھ بندرگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے شوہر کے لیے یہاں پوسٹنگ اہم تھی۔ انہوں نے وہاں کئی گہرے دوست بھی بنا لیے تھے۔ دنیا کی سب سے بڑی جوٹ مل یہی تھی۔ شہر میں کاروباری اسماعیلی جو آغا خان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے پیروکار تھے یہ سب یہاں آباد ہوگئے تھے۔

میرے شوہر نارائین گنج کے اطراف میں معائنے کے لیے جاتے تو ہمیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ موٹر بوٹ سے اترنے کے بعد جیپ ستا لکھیا سے ہوتی ہوئی منشی گنج تک لاتی۔ راستے میں چنے کے کھیت سے پودوں کو اُکھاڑ کر ہرے بھرے چنے کھاتے۔

وہاں کا موسم چار مہینوں تک بارش کا رہتا' تالاب ندیاں کناروں تک بھر جاتیں' چھوٹی چھوٹی مچھلیاں کیچڑ میں مل جاتیں۔ ہزاروں مینڈک کے بچے جن کی دُمیں ابھی جھڑی نہ تھیں ہر جگہ نظر آتیں۔ ندیوں میں ہلسا مچھلی کثیر تعداد میں پائی جاتی۔ تالابوں میں کنول کے پھول گلابی اور سفید رنگوں میں کھل اٹھتے۔ بازاروں میں امرود اور انناس اور کٹھل کی بھرمار ہوجاتی۔ راتوں کو مینڈک ٹراتے اور جھینگر بھی اُن کے مقابلے پر آجاتے۔ کبھی کبھی بلکہ اکثر سانپ بہتے ہوئے مکان کے صحن میں آجاتے۔

بارش جب تھم جاتی تب مونگ پھلی بیچنے والے سر پر ٹوکری اٹھائے صدائیں دینے لگتے۔

بارش کے موسم میں کبھی کبھی خلیج بنگال میں طوفان بھی آجاتا جب تودہ گرتا تو یہ طوفان کی آمد کا نشان ہوتا۔ دروازے کھڑکیاں پوری طرح مضبوطی سے بند کرلی جاتیں۔ رات کے لیے روشنی کا انتظام کرلیا جاتا تھا۔ بارش اور ہواؤں کا شور بڑے اور بچوں کو خوف زدہ کردیتے۔ طوفان کے تھمنے کے بعد درختوں کے درمیان مرے ہوئے کوّے پڑے ملتے۔ ٹیلی فون اور بجلی کے کھمبے اور چھتوں سے اکھڑی ہوئی ٹین کی چادریں سڑکوں پر دکھائی دیتیں۔

مون سون کے فوراً بعد پوجا پاٹ کے رسومات ختم کرنے کے بعد درگا دیوی کا مجسمہ ندی میں بہایا جاتا۔ چبوترے کے اوپر مجسمے کو رکھا جاتا جس کا مسکراتا چہرہ ہاتھوں میں دس ہتھیار لیے ہوتا اُس کے پاؤں شیر کے سر پر رکھے ہوتے پجاری مٹھائیاں پھل اور پھول ان کے قدموں میں ڈالتے اور اس کے بعد اُسے ندی میں بہادیا جاتا۔ ہر سال محرم کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دس تاریخ کو تعزیے بھی ندی میں بہائے جاتے‘ عاشورہ کا جلوس بڑے اہتمام سے نکالا جاتا۔ اُسے دیکھنے کے لیے بچے بوڑھے اور عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھت پر موجود ہوتیں۔

شعبان کی چودہ تاریخ کو شب برأت منائی جاتی گھر کے مرد اور بچے فاتحہ پڑھنے کے لیے قبرستان جاتے اُڑوس پڑوس میں حلوے بھیجے جاتے۔ بچے پھلجھڑیاں پٹاخے اور آتش بازی کا شوق پورا کرتے‘ عورتیں محلے کی عورتوں کے ساتھ مل عبادت کرتیں۔

ہماری ایک بنگالی دوست جب بھی آتی ہم لوگوں کو چٹا گانگ آنے کی دعوت دیتی‘ جو ڈھاکہ سے سو میل دور کرنا فلی دریا کے کنارے نہایت مصروف بندرگاہ ہے۔ ایک بار ہم نے پروگرام بنا ہی لیا۔ یہاں کا پہاڑی سلسلہ ڈھاکہ سے مختلف تھا۔ ڈھلوانیں سرسبز درختوں اور ہری گھاس سے ڈھکی تھیں۔ نیچے مکانوں کی طرف جاتی سڑکوں کا منظر بہت خوب صورت تھا اسٹیشن سے بس میں سوار ہو کر دوست کے گھر پہنچے۔ دوسرے دن ہم لوگ کا طور گھاٹ کے پل پر سے ہوتے ہوئے تین گھنٹے میں کاکس بازار پہنچے۔ ساحل تقریباً 65 میل لمبا تھا۔ یہ دنیا کا سب سے لمبا ساحل ہے سمندر پُرسکون تھا ہم لوگ ریت پر چلتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اسی شام ہم واپس اپنی سہیلی کے گھر آ گئے کاکس بازار کے بعد کپتائی جھیل کا پروگرام بنا۔ یہ مصنوعی جھیل ہے جو امریکی حکومت کی مدد سے بنائے گئے ڈیم کے سبب بن گئی ہے۔ اس طرح چٹا گانگ کا سفر ایسا تھا کہ جیسے ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

میرے شوہر ایک دفعہ مہینے میں ڈھاکہ ہیڈ آفس میٹنگ میں جاتے تھے۔ ہم لوگ یعنی میں اور میرا بیٹا سہ پہر میں ٹرین کے ذریعے اُن کے پاس چلے جاتے‘ راستے میں ٹرین وہاں کے کھیتوں سے گزرتی جس کے پودے پانی میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ راستے میں پان کے کھیت بھی ملتے۔ اینٹیں پکانے کے بھٹے بھی نظر آتے جن سے دھواں اٹھتا تھا۔ ڈھاکہ سے پہلے آخری اسٹیشن پُراسرار اور تاریک باغ کے نزدیک تھا۔ ٹیگور کمیلا کے پھولوں سے بہت متاثر تھے۔ کمیلا پر انہوں نے ایک نظم بھی لکھی تھی۔ ٹیگور اپنی جنم بھومی کو سنہری زمین کہتے تھے۔ یہ باغ ایک ہندو زیندارائے نے ترکے میں چھوڑا تھا۔ جو پُراسرار پودوں سے بھرا تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ سو سال میں ایک بار اس میں پھول کھلتے ہیں لیکن اب تک کسی نے پھول کھلتے نہیں دیکھا تھا۔

میرے شوہر ڈھاکہ میں انتظار کر رہے ہوتے ریلوے کراسنگ پار کرنے کے بعد یہ جناح ایونیو سے ہوتے ہوئے ایک چائنیز ریستوران میں کھانا کھاتے اور اس کے بعد گلستان بک اسٹال پر جاتے کچھ کتابیں خریدتے۔ اردو کی کتابیں نایاب تھیں اس کے بعد ڈھاکہ اسٹیڈیم کے ساتھ والی دکان پر جاتے اور دو تین ساڑھیاں خریدی جاتیں۔ پھر بجی سجائی پان کی دکان پر جاتے‘ یہ دکان لکھنو کا ایک خاندان چلا رہا تھا۔ جہاں پان چبانا بھی ایک آرٹ سمجھا جاتا ہے۔ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی پان کی دکانیں تھیں جہاں سگریٹ بھی بکتا تھا ایک جوٹ کی رسی وہاں لٹکی ہوتی جو سلگتی رہتی تاکہ گاہکوں کو ماچس نہ جلانا پڑے وہ اسی رسی سے اپنی سگریٹ جلا لیتے۔

کبھی کبھی ہم لوگ رمنا پارک بھی چلے جاتے اور چند گھنٹے جھیل کے کنارے وقت گزارتے۔ گرمیوں میں بوکلی کے پھول کھلتے جو تیز خوشبو سے ہوا کو مہکا دیتے۔

ہر سال رمضان میں آخری روزے کے بعد افطار کرتے ہی ہر کوئی اپنی چھت پر چلا جاتا۔ سب کی نظریں آسمان پر ہوتیں۔ باریک چاند نظر آتے ہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عید کی خوشیاں شروع ہو جاتیں۔ عید کے دن بچے نئے کُرتے اور کاٹن کا پاجامہ پہن کر نماز پڑھنے جاتے۔ بچیاں نئے فراک اور پرس لٹکا کر گھر گھر عید کی مبارکباد دینے اور لینے جاتیں۔ گھر میں سوئیاں پکتیں، مرد حضرات نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کے ہاں عید کی مبارکباد دینے جاتے۔ ہر طرف خوشیوں کی بہار تھی گھر آنے کے بعد شیر خورمہ سے سب ناشتہ کرتے، لوگ بھی عید ملنے گھر پر آتے۔ سال کی دوسری عید بھی بڑے اہتمام سے منائی جاتی اور قربانی کر کے سنت ابراہیمی ادا کی جاتی۔

میرے شوہر کا تبادلہ اب راج شاہی ہو گیا تھا۔ جو فوکر جہاز میں چار گھنٹے میں پہنچا دیتا۔ راج شاہی آم لیچی ریشمی ساڑیوں اور محلوں کے کھنڈرات کے لیے مشہور تھا۔ زیادہ تر ہندو جاگیردار کے محلات ہیں جو بٹوارے کے بعد ہندوستان چلے گئے تھے۔

میرے شوہر نے اپنے دو سالہ قیام کے دوران ہم لوگوں کو اپنے ماتحت سارے علاقے میں خوب گھمایا۔ عام طور پر ہم جیپ میں جاتے۔ کئی چھوٹے چھوٹے شہروں میں رُکتے مثلاً سید پور رنگ پور یہاں تک کہ کُشتیا بھی جانا ہوا۔ ایک بار دیناج پور بھی گئے یہ ضلع تقسیم کے وقت دو حصوں میں بٹ گیا تھا ایک حصہ پاکستان کے ساتھ اور دوسرا ہندوستان کے ساتھ مہا استھان کا مقدس قلعہ بھی دیکھنے کے لیے بوگرا بھی جانا ہوا۔ ہمارے سرکاری بنگلہ کے اطراف میں سرسوں کے کھیت تھے جن کے پیلے پھول فضا میں خوشبو بکھیرتے۔ پدما ندی قریب ہی بہتی تھی۔ اونچے پشتوں پر کھڑے درختوں کے ساتھ شام کی سیر ہماری پسندیدہ جگہ تھی۔ درختوں پر شام ہوتے ہی جگنو جگمگا اٹھتے۔

اگلی پوسٹنگ ڈھاکہ میں ہوئی۔ اب ہم بھی اپنے ذاتی گھر میں آ گئے تھے۔ اب تک تو اسے کرائے پر اٹھایا ہوا تھا۔ کبھی رہنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی اس لیے ہم سب بہت خوش تھے۔

ڈھاکہ پہنچ کر سب سے پہلے میں نے اپنے بیٹے کو شاہین اسکول میں داخلہ کروایا۔ چونکہ یہ جگہ شہر سے کافی فاصلے پر تھی اس لیے اسکول والوں نے بس دینے سے انکار کر دیا اب اس کے ابو اسے اسکول سے لاتے اور لے جاتے۔ یہاں زیادہ تر اردو بولنے والے تھے لیکن بنگلہ بولنے والوں کی تعداد کم نہ تھی۔ اگرچہ ان سے زیادہ میل جول نہ تھا مگر اس کی وجہ زبان سے ناواقفیت تھی اس میں کسی قسم کی نفرت یا دشمنی نہیں تھی دوسری طرف مقامی لوگوں کو جھجک بھی تھی۔ بنگال میں رہ کر ایک بات تو سمجھ میں آتی تھی کہ بنگالیوں کو اپنی مادری زبان سے والہانہ عشق تھا وہ اپنی زبان پر کسی دوسری زبان کو فوقیت دینے کو تیار نہ تھے۔ بنگال میں رہ کر کامیاب زندگی گزارنے کا صرف ایک ہی گُر تھا کہ اُن کی زبان ضرور سیکھیں ایک بنگالی سے اگر اس کی زبان میں بات کرو تو وہ آپ کا گرویدہ ہو جائے گا اور آپ کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائے گا مگر سچ تو یہ ہے کہ لوگ بنگالیوں کو صحیح طرح سے سمجھ ہی نہ سکے۔

انگلش کا مقولہ ہے کہ جہاں رہو انہی کی طرح رہو ہمارے ایک عزیز جو 1947ء میں ہی ڈھاکہ آ گئے تھے وہ بتاتے تھے کہ پہلے بنگالیوں کا یہ حال تھا کہ اردو کی لکھائی کا اگر چھوٹا سا کاغذ بھی انہیں مل جاتا تو وہ اُسے چوم کر آنکھوں سے لگا کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتے اور اب تعصب کا یہ حال ہے کہ نیو مارکیٹ کی تمام دکانوں کے بورڈ پر کول تار پھیر دیا گیا ہے اگر آج بنگالیوں کی ان کی اردو سے عقیدت کو سراہا جاتا تو نفرت کا یہ عالم نہ ہوتا نئی زبان سیکھنے سے اپنی زبان خراب تو نہیں ہوتی بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہاں کی سرکاری زبان تو ایک عرصہ سے بنگلہ تھی تو یہاں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آنے کے بعد لوگوں نے بنگلہ زبان کیوں نہیں سیکھی۔ جب یہاں رہنا تھا تو انہی کی طرح رہتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔

میں جب تک وہاں رہی میں نے بنگالیوں کو اردو بولنے والے سے نفرت ہی کرتے دیکھا۔ ان کی محرومیوں سے پھوٹنے والی یہی وہ نفرت تھی جس نے ملک کے دونوں حصوں میں فاصلہ پیدا کر دیا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ہمارے لیے ان کی نفرت بجا تھی یقیناً وہ مکمل طور پر درست نہ تھے۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ اُس نفرت کی آگ کو ہم نے خود تیل ڈال کر بھڑکایا تھا۔ جن کے دل محبت سے جیتنے چاہیے تھے ان کے لیے ہماری بندوقوں میں گولیوں کے تحفے تھے۔

جنوری 1971ء کے اختتام پر عوامی لیگ نے اپنے چھ نکاتی ایجنڈے کی بنیاد پر اُسی مسودے کی تیاری کا اعلان کر دیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھٹو مغربی پاکستان سے اور مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان میں بھاری اکثریت سے جیتے گی اور وہی ہوا۔ بھٹو کو یقین تھا کہ حکومت کا سربراہ انہیں ہی بننا ہے جبکہ شیخ مجیب کی حمایت میں بڑھتا ہوا سیلاب اُن کی راہ میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ پیپلز پارٹی کے 80 سیٹوں کے مقابلے میں لیگ نے 160 سیٹیں جیتیں تھی اس لیے بھٹو نے اجلاس طلب کیے جانے میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں۔ بھٹو نے برملا کہا اجلاس میں شرکت کے لیے جانے والوں کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔

علیحدگی کی شروعات شروع ہوچکی تھیں۔ بازاروں میں خوب مظاہرے کیے گئے جا بجا بنگلہ دیش کے جھنڈے لہرائے گئے پاکستان کے جھنڈے کی خوب بے حرمتی کی گئی۔ اپریل 1971ء میں مشرقی پاکستان سے بھارت میں نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد میں خوب اضافہ ہوا اس کی وجہ بھارت کی پالیسی تھی۔

ایک دن میرا بیٹا بہت اُداس گھر آیا۔ پوچھنے پر وہ روتے ہوئے بولا میرے اسکول میں میرے چند ساتھیوں نے ایک تنظیم بنائی ہے اس میں سب بچے دس سال کے اندر کے تھے۔ میرے بیٹے نے بھی اپنا نام تنظیم میں ڈالنا چاہا تو بچوں نے کہا کہ تم بہاری ہو اس تنظیم میں نہیں رہ سکتے۔ میرے بیٹے نے پوچھا بہاری کیا ہوتا ہے۔ اس پر ان بچوں نے جواب دیا ہم تو بہاریوں کے خلاف لڑنے کے لیے اس تنظیم میں شامل ہوئے ہیں۔ تم اس میں کسی طرح شامل نہیں ہو سکتے۔ بیٹے کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھتا وہ لوگ اپنی تنظیم میں مجھے کیوں شامل نہیں کرتے۔

مارچ کے خوبصورت دن کو تو جیسے نظر ہی لگ گئی تھی۔ ہر طرف ایک اُداسی چھائی رہتی۔ یونیورسٹی کب کی بند ہو چکی تھی۔ اسکول کھلنے کا اعلان بار بار ہو رہا تھا مگر مقامی لوگوں کے پاس اس طرح کے خطوط آ رہے تھے کہ اگر بچوں کو اسکول بھیجا گیا تو انہیں ختم کر دیا جائے گا اس لیے وہ بچوں کو اسکول نہیں بھیج رہے تھے۔ بیشتر بنگالی جو ملازمت پر جا رہے تھے ان کی وفاداریاں پاکستان کے ساتھ نہیں تھیں۔ کیونکہ حکومت میں کوئی بھی منصوبہ بنایا جاتا اس کی خبر غیر حکومت کو ہو جاتی۔ لیکن سب بنگالی ایسے نہیں تھے۔

اقبال ہال ہندوستانی ایجنٹ کا مرکز بن چکا تھا۔ وہاں کا بدنام عقوبت خانہ کھلی حقیقت کی طرح سب کو معلوم تھا۔ بیٹا بار بار پوچھتا کہ یہ لوگ سچ مچ ہمیں مار دیں گے میں اسے سمجھاتی کہ بیٹا اوپر بھی ایک طاقت ہے جو ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔

اس صورت حال سے تو سبھی واقف ہیں کہ بنگالیوں کی جدوجہد کے دوران ہندوستانی حکومت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے ان کا بھرپور ساتھ دیا اور غیر قانونی دراندازی کی اور باقاعدہ فوج مغربی، مشرقی پاکستان کی سرزمین پر اتاری اور پاکستانی فون سے نبرد آزما ہوئیں۔ پاکستانی فوج کے خلاف من گھڑت واقعات منسوب کر کے خوب پروپگنڈا کیا۔ اس میں کچھ سچائی بھی تھی لیکن جھوٹ زیادہ تھا۔ اردو بولنے والوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا گیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

ہمیں مارچ میں ہی احساس کر لینا چاہیے تھا کہ بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ یہ اب ہم سب کا ملک نہیں رہا اب ہمیں یہاں نہیں رہنے دیا جائے گا۔

بیٹا اکثر کہتا کہ آپ لوگ یہاں کیوں آئے۔ ہندوستان میں ہی رہنا کیوں پسند نہیں کیا۔ آپ کے سارے رشتہ دار تو ہندوستان میں ہیں۔ میں اسے بہلاتی کہ تمہارے ابو تو پاکستانی تھے ظاہر ہے مجھے بھی اِدھر ہی آنا پڑا تم فکر نہ کرو اپنے آپ کو دکھی مت کرو۔ یہاں ہمارے بہت سارے دوست ہیں جو ہمیں کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ مگر دل کہہ رہا تھا کہ کوئی کام نہیں آئے گا۔ ہم اردو بولتے ہیں اور بقول اردو بنگالیوں کے لیے قابل قبول نہیں جو ہماری مدد کرے گا وہ بھی ہمارے جیسا سمجھا جائے گا۔ یہ لوگ مجیب الرحمٰن کو اقتدار دینے کے حق میں نہیں ہیں جس سے بنگالیوں کا احساس محرومی اور غصہ بڑھ رہا ہے۔ یہ ہمارے دشمن نہیں تھے بلکہ مغربی پاکستان کے تسلط اور ظلم سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ملک توڑنے پر ہم نے انہیں مجبور کیا۔ یہاں کے لوگوں کا خیال تھا کہ بنگالی حکومت چلانے کے اہل نہیں۔ اُن کو اس حد تک احساس کمتری میں مبتلا کر دیا گیا تھا کہ معاشرہ فساد سے بچ نہیں سکتا تھا۔ ان کی محرومی جب حد سے بڑھی تو انہوں نے صدائے احتجاج بلند کیا اور اس احتجاج کو سڑکوں پر لانے میں مجیب کا ساتھ دیا۔ بنگالی کبھی علیحدگی نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی اس کے حق میں تھے۔ پاکستان کا وہ تصور جو لاہور ریزولوشن میں پیش کیا گیا تھا کارگر ثابت ہوتا کہ اگر اُن علاقوں میں جہاں بنگالیوں کی اکثریت تھی پوری حاکمیت انہیں دے دی جاتی تو وہ شاید مل کر مشترکہ حکومت بنا لیتے۔

مشرقی پاکستان کی آبادی 56 فیصد تھی۔ انہیں الیکشن میں کامیابی ہوئی تھی اگر اس پر عمل کیا جاتا آج ہم سے ہمارا ایک حصہ الگ نہ ہوتا۔ اگر جمہوریت کے اس اصول پر عمل کیا جاتا تو متحدہ پاکستان کی تاریخ کہیں مثبت اور خوشگوار ہوتی۔

سقوط مشرقی پاکستان سے قبل پاکستان اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک تھا مگر اب یہ تیسرے نمبر پر آ گیا ہے تاہم مجموعی طور پر پوری قوم کو اس نقصان کا کوئی زیادہ احساس نہیں۔ ہمارا رویہ ہے کہ جیسے ایک بوجھ تھا جو اتر گیا۔

پاکستان مسلمانوں کی عظیم قربانیوں کے بعد حاصل ہوا تھا۔ بنگالی اس میں پیش پیش تھے۔ اب سوچنے کا مقام یہ ہے کہ 23 سال میں وہ کیا وجوہات پیش آئیں کہ یہاں کے بنگالی مسلمان مغربی پاکستانی بھائیوں کے خلاف ہو گئے۔ عام طور پر ملک اقلیت توڑتی ہیں لیکن مشرقی پاکستان میں اکثریت نے اقلیت سے الگ ہونے کی کوشش کی۔ حالانکہ انہیں اکثریت نے مسلمانوں کے مفاد کے لیے سردھڑ کی بازی لگائی تھی۔

کبھی میں اپنے شوہر سے اُلجھتی کہ اچھے بھلے آپ کراچی میں تھے۔ مزے میں وہیں رہتے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی جواب میں وہ یہی کہتے مجھے پہلے سے ایسے حالات کا پتہ ہوتا تو یہاں کیوں آتا۔ کبھی کہتے بھائی اس ملک کی تعمیر میں ہمارے بزرگوں کا خون جگر بھی شامل ہے۔ اب اس کو سنوارنا بھی ہمارا ہی فرض ہے۔ پھر اپنا وطن اپنا وطن ہوتا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے۔اس کی مٹی میں ہماری جڑیں پیوستہ ہیں۔ میں جھنجلا جاتی اور بحث پر اتر آتی۔

"آپ بھی کیا وطن اور جڑوں کی باتیں کرتے ہیں۔آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہماری جڑوں کے سوتے مٹی میں پیوستہ ہیں۔ سب پانی پر تیر رہی ہیں۔ یہاں کے پودوں کی جڑوں کو دیکھا ہے۔ پانی میں جڑیں پھیل جاتی ہیں اور اوپر اوپر پھیلتی چلی جاتی ہیں اور ایک دن سب کو اکھاڑ کر کنارے پر سڑنے کے لیے پھینک دیا جاتا ہے۔ یہی حشر ہم سب کا یہاں ہونے والا ہے حالات کا شاید آپ کو اندازہ ہی نہیں۔لوگوں کی نفرت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ 70 کے بعد بنگالیوں نے یکسر آنکھیں پھیر لی ہیں۔ دوست اب دوست نہ رہے تھے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہم لوگ ڈھاکہ آ گئے تھے۔ یہاں کے حالات خاصے دیر سے خراب ہوئے۔

1970ء تک مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستانیوں سے بدگمانیاں اور شکایتیں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ یونیورسٹی بند ہوگئی الیکشن سے تین ماہ پہلے تباہ کن طوفان آ گیا۔ اونچی لہروں نے ڈیلٹا کے نشیبی علاقوں کو تہس نہس کر دیا 15 میل کی رفتار سے آنے والا طوفان تین لاکھ لوگوں کو بہا لے گیا۔ آنے والے طوفان کی پہلے سے خبر نہیں دی گئی اس لیے لوگ اچانک طوفان کی زد میں آ گئے۔ ریلیف کی طرف حکومت کی بے حسی دیکھ کر فوجی حکومت کے خلاف غصہ اور بدگمانی اور بڑھ گئی۔ فوج سرحد کی نگرانی پر معمور تھی۔ اب ریلیف کے کاموں کی آڑ میں ہندوستانی کشتیاں اسلحہ لے کر آ رہی تھیں جو پاکستان کے خلاف بعد میں استعمال ہوا۔

نفرت کا سب سے پہلا بیج ہمارے ان سرکاری افسروں نے بویا جو قیام پاکستان کے بعد سرکاری حکام کی حیثیت سے مشرقی پاکستان گئے۔ان کا رویہ بنگالیوں کے ساتھ کچھ اچھا نہ تھا۔ وہ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہی وہ سبب ہے جس نے چند سال میں ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ ان کو ایک نو آبادی بنا کر رکھا گیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ سب لوگ اردو بولنے والے تھے چاہے وہ بھارت سے آئے ہوں اس لیے بنگالیوں کو لگتا تھا کہ اصل پاکستان تو مغربی پاکستان ہے۔ مشرقی پاکستان کو ہم نے اسی دن جدا کر دیا تھا۔ جب ہم نے بنگالیوں کو کالے کلوٹے جاہل گنوار قرار دیتے ہوئے ان کی حق تلفی کی تھی۔ بنگالی ہم سے زیادہ ذہین تھے۔ شیخ مجیب جنہیں ہمارے یہاں غدار قرار دیا جاتا ہے اسے غدار ہم نے بنایا وہ غدار نہیں تھا بلکہ تحریک پاکستان میں وہ پیش پیش تھا۔ مشرقی پاکستان کی آبادی 56 فیصد تھی اگر جمہوریت کے اس اصول پر عمل کیا جاتا تو آج ہم سے ہمارا ایک حصہ الگ نہ ہوتا۔ متحدہ پاکستان کی تاریخ کہیں مثبت اور خوشگوار ہوتی مگر پاکستان کے سلسلے میں سبھی کا گڑھ جوڑ تھا۔ ان کے خیال میں بنگالیوں کو فوج میں اس لیے نہیں لیا جاتا تھا کہ وہ پنجابیوں، پٹھانوں اور مہاجروں کی طرح چھ فٹ کی طرح جوان نہیں تھے اس لیے فوج کے لیے موزوں نہیں تھے۔ لیکن آج جب بنگلہ دیش کے لوگ اپنے وسائل کے خود مالک بن گئے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سیکریٹری سفیر اور تمام اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں ان کی بھی آج وہی عزت و تکریم ہے جو دوسرے ممالک کے اعلیٰ عہدے داروں کی ہے۔ فوج اور مغربی پاکستان کی بعض سیاسی جماعتوں نے مل کر سازش کی کہ اکثریت کو اقتدار سے محروم رکھا جائے۔ جس کا نتیجہ آج پاکستانیوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اگر ہم انہیں ان کا حق دے دیتے، انہیں عزت و تکریم دیتے تو آج ایک بازو ہم سے ہرگز جدا نہ ہوتا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

عشق لاحاصل

محبت تو اعتبار دیتی ہے مگر ضرغام کے غلط فیصلے نے
معتوی اور حیا دونوں کو بے اعتبار کر دیا……

سحرش بانو

وہ رات بے حد طویل وسیاہ تھی اور سرد تھی اور اسی طویل، سیاہ اور سرد رات میں تنہا کھڑا وہ اپنی زندگی میں اچانک سے در آنے والے اس موڑ پر حیران اور ششدر کھڑا تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں جیسے مفلوج ہو کر رہ گئیں تھیں اور اسے لگتا تھا کہ اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی۔ جہاں اسکے سامنے دو راستے تھے دو موڑ اور دونوں ایک دوسرے سے مختلف اور الگ۔ اور اسے دونوں میں سے کسی ایک راستے کو چننا تھا۔ جوں جوں رات بیت رہی تھی فیصلے کی گھڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ اس نے دکھتی آنکھوں کو انگلیوں سے دبایا اور پھر جیب سے سیل نکالا۔ تین بج کر پینتالیس منٹ پہ اس نے کال لاگ میں سب سے اوپر والے نمبر پر کال ملائی تھی جو پہلی بیل پر ہی ریسیو کر لی گئی تھی۔ گہری سانس بھرتے اس نے دوسری طرف سے ابھرنے والی فریش سی آواز کو سنا تھا اور پھر مختصر ترین الفاظ میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ دو راستوں میں سے اس نے ایک راستہ چُن لیا تھا۔ اس نے دل کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆……☆……☆

دوپہر سہ پہر میں ڈھل رہی تھی جب اس نے تھانے کی حدود میں قدم رکھا تھا۔ کرسی پر اونگھتے سپاہی نے ذرا چونک کر اسے دیکھتے ہی اپنی ٹانگیں درست کیں تھیں۔

''اسلام وعلیکم۔'' بنا ادھر ادھر نظر ڈالے وہ سیدھا ایس ایچ او کی ٹیبل کی طرف آ گئی۔

اسکی آواز پر وہاں موجود دو تین سپاہیوں کے علاوہ سول کپڑوں میں ملبوس پرانی فائلیں کھنگالتے ایس پی ضرغام عباس نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ ایس ایچ او نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیتے اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔

''جی فرمائیں میڈم! آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' ایس ایچ او فضل الحق نے خوشگوار لہجے میں پوچھا تھا۔ ہمیشہ والی کرختگی اس کے لہجے سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

منقود تھی جس کے لیے وہ مشہور تھا، اسکی وجہ اس
لڑکی کا ہونا ہی نہیں تھا وہاں ایس پی ضرغام عباس
کا موجود ہونا بھی تھا۔

باقی عملہ بھی خاصا مستعد اور مؤدب نظر آرہا
تھا۔

"میرا نام جیا فاروقی احمد ہے۔" اس نے اپنا
تعارف کروایا۔ "اور مجھے ایک ایف آئی آر درج
کروانی ہے۔" وہ بہت اطمینان بھرے لہجے میں
بول رہی تھی۔

"جی جی ضرور لیکن کس کے خلاف؟" ایس
ایچ او فضل الحق نے بھی اطمینان بھرے لہجے میں
پوچھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کا اطمینان
اگلے لمحے ختم ہونے والا ہے۔

"اعظم شہریار کے خلاف۔" جیا نے سادہ
لہجے میں جواب دیا تھا۔

ایس ایچ او کو لگا کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی
ہے۔ ضرغام نے بھی چونک کر نظر اٹھائی تھی۔

"سابق صوبائی وزیر اور موجودہ اہم این
اے اعظم شہریار کے خلاف۔"

"اچھا اور کس جرم میں؟" ایس ایچ او کے
لہجے میں طنز تھا۔ اسکا انداز تبدیل ہو چکا تھا۔

"میرے ساتھ بدتمیزی کرنے اور میری فیملی
کو ہراساں اور بلیک میل کرنے کے جرم میں۔"

ایس ایچ او نے کرسی پر زرا آگے کی جانب
ہوتے اور اسکی آنکھوں میں دیکھتے جو سوال کیا تھا
اس کا جواب بھی اس نے اسی انداز میں دیا تھا۔

"دیکھیں میڈم یہ اتنا آسان نہیں ہے اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"کیا بات کر رہے ہیں آپ ایس ایچ او صاحب۔" فضل الحق کی بات کاٹتے اسکی پیشانی لمحوں میں سکڑی تھی۔ "قانون کے رکھوالے ہو کر آپ ایسی بات کیسے کر سکتے ہیں؟"

"دیکھیں میڈم آپ جانتی ہیں کہ ہماری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں آپ کی ساری مجبوریاں۔" اس نے طنز سے ہنکار بھرا۔

"جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں گی کہ آپ کا مطالبہ ماننا ممکن نہیں ہے ہمارے لیے۔" اس کے طنز پر پہلو بدلتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"تو اسکا مطلب ہے کہ آپ انکار کر رہے ہیں؟" اس کا اندا سوالیہ تھا۔

"دیکھیں بی بی آپ زرا ریلیکس ہوں۔" وہ کچھ بے بس انداز میں بولا تھا۔ "بات صرف ایک ایف آئی آر کی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ کے لیے اور آپکی فیملی کے لیے مسئلہ مزید بڑھ جائے گا۔ یہاں انصاف ملنا آسان نہیں ہے مس جیا۔"

ضرغام فائل کی ورگردانی کرتا دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں کہ شہریار صاحب کو کال کر لیتے ہیں، جو بھی مسئلہ ہو گا مل بیٹھ کر حل کر لیا جائے گا۔" اسکا لہجہ مصلحانہ ہو گیا تھا۔

"آپ صرف میرے سوال کا جواب دیں کہ آپ میری کمپلین درج کریں گے یا نہیں؟"

"بات صرف اتنی نہیں ہے میڈم۔ ہم اتنے بڑے آدمی کے خلاف رپورٹ درج نہیں کر سکتے۔" وہ جز بز ہوا تھا۔

"مجھے ہرگز کوئی حیرت نہیں ہوئی کہ قانون کی کرسی پر بیٹھ کر آپ اس طرح کی بات کر رہے ہیں۔ حیرت اس بات کی ہے کہ جب آپ لوگ یا آپ کا قانون کسی مجبور یا مصیبت زدہ کی مدد نہیں کر سکتا تو یہاں آپکی ضرورت کیا ہے؟" آپکو گھر کیوں نہیں بھیج دیتے؟"

"آپ حد سے بڑھ رہی ہیں میڈم۔" اس کا تلخ انداز ایس ایچ او کو مشتعل کر گیا۔

"آپ صرف میرے سوال کا جواب دیں۔ آپ میری ایف آئی آر درج کرینگے یا نہیں؟" وہ کرسی دھکیلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔" اس کے دوٹوک انداز پر جواب بھی دوٹوک آیا تھا۔

"اوکے فائن۔" بیگ اٹھا کر وہ پلٹی تھی۔

"مس جیا ایک منٹ۔" اپنے پیچھے ابھرنے والی اس بھاری آواز نے اسکے قدموں کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

"جیا ایسی بیوقوفی کرے گی، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔" اماں نے جب سے اس کا کارنامہ سنا تھا انکی پریشانی دوچند ہو گئی تھی۔

"تو اور کیا کرتی اماں۔ بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ کوئی قدم اٹھائے بغیر بھی تو چارہ نہیں تھا۔" سامعیہ اگرچہ اندر سے خود بھی پریشان تھی مگر ان پر ظاہر کیے بنا بہن کی سائیڈ لے رہی تھی۔

"تو یہ سب کر کے تم دونوں کو لگتا ہے کہ مصیبت ٹل جائے گی یا کوئی انقلاب آ جائے گا؟" اماں نے سوال سامعیہ سے پوچھا تھا اور نظریں اس پر ڈالی تھی جو بہت اطمینان سے دال چاول کھانے میں مصروف تھی۔ "اماں اب حالات بہت بدل گئے ہیں۔"

"اچھا!" اماں کا اچھا اتنا طنزیہ تھا کہ سامعیہ نے شرمندہ ہو کے سر جھکا لیا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''تو کیا کریں خاموش ہو کے بیٹھ جائیں۔لڑیں بھی نا؟ انصاف بھی نہ مانگیں؟'' وہ زچ ہو چلی تھی۔

''کیوں نہیں ضرور لڑو اور مانگو انصاف میں کیا کہہ رہی ہوں۔یا میری کونسا سنتی ہو تم۔۔باپ بیماریوں کی پوٹ بنا چارپائی پہ پڑا ہے۔ماں سارا دن دو جمع دو کرتے زندگی گزارنے کے جتن کررہی ہے اور بی بی چلی ہیں جنگ لڑنے ،انصاف مانگنے ،طاقت ور اور کمزور کا بھی مقابلہ ہوا ہے کبھی؟''

''اماں اب تو جو ہونا تھا ہوگیا۔۔'' سامعیہ نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ہاں بیٹا اب تو جو ہونا تھا ہوگیا بس بھگتنا باقی ہے۔''

☆......☆......☆

''تمہیں نہیں لگتا جیا تم نے جذبات میں آکر غلط قدم اٹھایا ہے۔'' رات کو سامعیہ اور وہ اکیلی تھیں تو سامعیہ نے پھر وہی موضوع اٹھایا۔وہ جو سونے کی کوشش کررہی تھی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''غلط قدم؟ کیا میرا انصاف مانگنا غلط ہے یا اس ذلیل انسان کے چہرے پر پڑا نقاب الٹ کر اس کا مکروہ چہرہ دنیا کو دکھانا غلط ہے؟'' اس کے ایسے سوال پر سامعیہ نے گہری سانس بھری تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے جیا یہاں انصاف اتنی آسانی سے مل سکتا ہے؟''

''کوشش تو کی جاسکتی ہے نا؟'' اسکا لہجہ پُر امید تھا۔

''یہاں انصاف صرف خریدا جاسکتا ہے اور ہم جیسے لوگ اسکی قیمت نہیں چکا سکتے۔'' سامعیہ کے دھیمے لہجے میں کہے گئے الفاظ نے اسے چند لمحوں کے لیے خاموش کردیا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا بکواس کررہے ہو فضل؟'' ٹرلیم اعظم شہریار کے غضبناک انداز نے ایس ایچ او کی گھگھی بندھا دی تھی۔

''تم نے میرے خلاف ایف آئی آر کاٹی وہ بھی اس دو ٹکے کی صحافی کے کہنے پر؟''

فضل الحق فون کے اس طرف بیٹھا بھی اسکے اشتعال کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔

''میں ایسا کچھ کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں جناب۔وہ تو ضرغام صاحب وہاں موجود تھے اور انکے کہنے پر ہی ساری کاروائی کی گئی۔'' فضل الحق نے ڈرتے ڈرتے بات مکمل کی تھی۔

''کیا بک رہے ہو ضرغام نے ہمارے خلاف ایف آئی آر کاٹی؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں سر۔آپ بے شک باقی عملے سے بھی پوچھ لیں۔'' فضل الحق کی بات پر چند سیکنڈز کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''ہوں......'' شہریار نے ہنکارا بھرا۔''تو یہ سب ضرغام عباس کے کہنے پر ہوا؟'' اسکا لہجہ سوالیہ سا تھا۔

''جی سر! آپ تصدیق کرواسکتے ہیں۔'' ایس ایچ او فضل الحق کے پُر اعتماد انداز پر دوسری طرف سے فون بند کردیا گیا۔

فضل الحق نے بے ساختہ اطمینان کا سانس لیتے اپنی پیشانی سے نادیدہ پسینہ پونچھا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اچھی خاصی ریش ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس کا ارادہ جلدی گھر پہنچنے کا تھا۔وہ کافی تھک چکا تھا اور اب گھر جاکر آرام کرنا چاہتا تھا۔تبھی ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا سیل گنگنایا تھا۔موبائل اٹھا کر نمبر دیکھتے ہی اس کے لبوں کو ایک بے ساختہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مسکراہٹ نے چھوا تھا، تھکن لمحوں میں اڑنچھو ہوئی تھی اور بے زاری سیکنڈز میں شگفتگی میں تبدیل ہوتی گئی۔

ہوتے ہیں کچھ ایسے لوگ جو ہمارے لیے بہت اہم ہوتے ہیں۔ جو جینے کی وجہ اور مرنے کا سبب ہوتے ہیں۔ زندگی جن کی وجہ سے اور جن کے ساتھ زندگی لگتی ہے۔ جن کے لیے انسان کبھی بھی کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جن کا ہونا اہم ہونا نہیں بلکہ ناگزیر ہوتا ہے تو معنوی شہریار بھی ضرغام کے لیے ویسی ہی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ ضرغام عباس تھا، اپنے مظبوط سیاسی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھنے والے باپ کا اکلوتا بیٹا اور بہت لاڈلا بھی۔ بہت شاہانہ انداز میں اسکی پرورش ہوئی تھی۔ اسکے باپ اسکی تربیت اپنے انداز میں کرنا چاہتے تھے مگر یہ اس کی ماں تھی جس نے اسکی تربیت اس کے باپ کے اصولوں کے مطابق نہیں ،لیکن انسانیت کے اصولوں کے مطابق کی تھی۔ وہ اسے صرف دولت کا ہنر نہیں سکھانا چاہتی تھی وہ اسے رشتے بنانے اور انہیں نبھانے کا گر بھی سکھانا چاہتی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ دولت ،طاقت، اختیار غلط چیزیں نہیں ہیں، انکا استعمال انہیں غلط بنا دیتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے اسے یہ سب بھی سکھایا تھا۔ اسے ایک ذمہ دار اور سلجھی ہوئی طبیعت کا مالک بنانے میں سارا ہاتھ اس کی ماں کے اصولوں کا تھا۔ سی ایس ایس کر کے اس نے سول سروس جوائن کرنی چاہی ،تب اسکا اپنے باپ سے اختلاف ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ انکی پارٹی جوائن کر کہ آگے چل کر ان کی سیٹ سنبھالے۔ مگر سیاست وہ واحد چیز تھی جس میں اسکا انٹرسٹ ایک فیصد بھی نہیں تھا لیکن پھر زین چچا نے اسکی مدد کی تھی۔ انہوں نے بابا جان کو سمجھایا تھا۔ بہت مشکل سے ہی سہی مگر وہ مان گئے تھے۔ اس نے پولیس لائن چنی تھی اپنے لیے۔ سیٹ ہونے میں وقت لگا تھا مگر بہرحال وہ ہو گیا تھا۔ زندگی سیدھے سبھاؤ گزر رہی تھی جب اس کی ملاقات معنوی شہریار سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے ڈرائیور اور گارڈز کے ساتھ گھر واپس آ رہا تھا جب اسکی نظر سڑک کنارے پریشان حال کھڑی لڑکی پر پڑی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا۔ نیچے اتر کر اس نے اس لڑکی سے اسکی پریشانی کی وجہ پوچھی۔ اس لڑکی کی گاڑی اچانک خراب ہو گئی تھی اور ڈرائیور جو پچھلے آدھے گھنٹے سے کسی مکینک کی تلاش میں گیا تھا اسکا کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔ وہ اپنا سیل گھر بھول آئی تھی اور فی الحال کسی سے بھی رابطہ کرنے سے قاصر تھی۔ وہ پریشان تھی اور گہری ہوتی شام اسے ہراساں کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس نے اپنا تعارف کروا کے اسے مدد کی آفر کی جو اس نے زرا ہچکچاہٹ کے بعد قبول کر لی تھی۔ اسکے سیل سے اس نے گھر کال کی۔ اس دن وہ اسے گھر چھوڑ آیا تھا، وہ بہت ممنون تھی۔ ان کی اگلی ملاقات ایک شادی میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کولیگ کی شادی میں آیا تھا اور معنوی دوست کی بہن کی شادی میں انوائیٹڈ تھی' یہ دو اتفاقیہ ملاقاتیں اگلی کئی ملاقاتوں کی وجہ بنی تھیں۔ وہ دونوں بہت جلد ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے تھے۔ بے تکلفی دوستی میں اور دوستی محبت میں کب بدلی تھی، ان دونوں کے گھر والوں کو خبر نہیں ہوئی۔ تب جب پانی سر سے بہت اونچا ہو چکا تھا۔ وہ ضرغام عباس جس کے لیے معنوی کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں تھا۔ وہ معنوی جس نے ضرغام کو جب دیکھا تو اسے باقی ہر چیز نظر آنا بند ہو گئی تھی۔ دونوں کا تعلق

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بہت اونچے گھرانوں سے تھا۔ مسئلہ دولت کا نہیں تھا۔ وہ دونوں خاندانوں کے پاس بے شمار تھی۔ مسئلہ سیاست کا تھا۔ ضرغام کے بابا اور معنوی کے لالہ اعظم شہریار کا تعلق دو انتہائی مختلف سوچ و نظریہ رکھنے والی جماعتوں سے تھا۔ ماضی میں وہ لوگ جو ایک دوسرے پہ الزام لگاتے، کیچڑ اچھالتے نہ تھکتے ہوں گے ان سے ایسی قریب کی اور نازک رشتہ داری کی امید۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ دونوں طرف ایک جیسے حالات، یکساں جوابات۔ مگر کہتے ہیں نا کہ محبت بیک وقت انسان کی طاقت اور کمزوری دونوں ہوتی ہے۔ تو اپنے گھر والوں کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھایا دونوں نے، بحالت مجبوری دونوں مان گئے مگر دل سے ہرگز نہیں۔ منگنی کا فنکشن بہت شاندار تھا اور دونوں فریقین پر اپنی اپنی پارٹی کی اعلیٰ قیادت سے خاصے غم و غصے کا اظہار کیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بہت ریلش موڈ کے ساتھ گھر واپس لوٹا تھا۔ جب اسے اعظم شہریار کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔ بابا جان ان دنوں میں اسلام آباد میں تھے، بی جان بھی انکے ہمراہ تھیں۔ ڈرائنگ روم میں زین چچا میزبانی کو موجود تھے۔

''السلام و علیکم۔'' اندر داخل ہو کر اس نے سنجیدہ سے لہجے میں سلام کیا تھا۔ اعظم شہریار اسے دیکھتے ہی اپنی بات ادھوری چھوڑ کر پُر جوش سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آئیں آئیں ضرغام صاحب آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئے ہمارے لیے۔ ایسی بھی کیا فرض شناسی کہ انسان اپنوں کو ہی بھول جائے۔'' اسے گلے لگائے اس نے در پردہ شکوہ کیا تھا۔ ضرغام اچھی طرح سے واقف تھا۔

''کیا کریں سر۔ بچپن سے ہی سیکھا تھا کہ فرض اور قرض ادا کرنے میں کوئی کوتاہی برتنی نہیں چاہیے۔'' وہ آرام سے کہتا اپنی سیٹ پر براجمان ہو گیا۔

''بالکل! میری تو اپنی یہی عادت ہے۔ جب تک قرض سود سمیت نہ چکا دوں، چین سے نہیں بیٹھتا۔'' اعظم شہریار نے در پردہ اسے دھمکانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہولے سے مسکرا رہا تھا۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا داماد صاحب۔'' جاتے وقت اس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر اپنی پجارو کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ضرغام چند سیکنڈز وہاں کھڑا رہا پھر سر جھٹکتا ہوا اندر بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے تیزی سے چلتے قلم کو ریسٹ دیا۔ اور کب سے بجتے لینڈ لائن کا ریسیور اٹھایا۔

''کہتے ہیں انسان میں اگر غلطی کرنے کا حوصلہ ہو تو پھر نقصان اٹھانے کی ہمت بھی ہونی چاہیے۔ خیر آپ نے غلطی کر دی ہے۔ نقصان ہم کر دیں گے۔'' دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز نے اسے دانت بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''بکواس بند کرو اپنی بختیار علی۔ تم جو مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو اور جس کی شے پہ کر رہے ہو تو سن لو میں کسی کا خوف رکھتی ہوں تو وہ میرا رب ہے۔ انسان کی اتنی اوقات نہیں کہ اس سے ڈرا جائے اور یہ بھی سن لو اور بتا دینا اپنے اس باس کو کہ مراد بی بی کو انصاف ضرور ملے گا۔ بس اب تم لوگ کل کے اخبار کا انتظار کرو۔ اور تمہارے پیچھے ایک چھوڑ دس اعظم شہریار بھی آجائیں تو بھی نہ میں ڈروں گی اور نہ ہی جھکوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گی۔" وہ ایک لمحے کو رکی تھی۔

"ہاہاہا۔۔ یہی تو مسئلہ ہے آپ کا جیا بی بی آپ خیالی دنیا میں رہتی ہیں، کتابی باتیں کرتی ہیں اور اس کل کے سپنے دیکھتیں رہیں جو کبھی نہیں آنے والا۔ بر حال آج اس لمحے سے آپ پہ زندگی تنگ نہ ہونا شروع ہوئی تو میرا نام بھی بختیار علی نہیں ۔آپ کو اعظم شہریار صاحب کا ایک پیغام دینا تھا ۔انہیں نڈر لوگوں سے کھیلنے میں مزہ آتا ہے۔ آپ سے کھیلنے میں بھی مزہ آئے گا۔ ویسے شروعات آپ نے کر دی ہے، اختتام وہ کر دیں گے۔"

☆......☆......☆

اس کا تعلق لوئر مڈل کلاس سے تھا۔ اس کے ماں باپ سفید پوش لوگ تھے جن کے پاس عیش کرنے کے لیئے باپ دادا کی دولت نہیں تھی۔ اس کے باپ نے ساری زندگی محنت سے رزق حلال کمانے میں گزار دی تھی۔ تین بیٹیاں قدرت کا تحفہ، صبا، جیا اور سامعیہ۔ جن کی انہوں نے انتہائی ایمانداری اور دل جمعی سے تربیت کی تھی ۔اچھی تعلیم اور اچھی پرورش۔ سچائی اور ایمانداری کے سبق ان کے ماں باپ نے انہیں بہت دل جمعی سے پڑھائے تھے اور انہوں نے بہت دلچسپی سے یاد کیے تھے۔ صبا کی شادی کے بعد ابو کی اچانک بیمار پڑ گئے، قرض چڑھا، رشتے دار غائب ہوئے۔ وقت مشکل تھا پھر مشکل ترین ہو گیا۔ لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری ۔اب تو چار سال ہو گئے تھے۔ اسے جاب کرتے جاب کرنے کے ساتھ وہ لکھتی بھی تھی اور ایسا کہ بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ سچائی کے کاغذ پر اسکا قلم ایمانداری سے چلتا تھا اور کئی راز سرِ عام فاش ہو جاتے۔ دھمکیاں، ڈراوے اسے خوف زدہ نہ کر پاتے کہ اس کا ایمان مضبوط تھا۔ لالچ، خوشامد اسے روک نہ پاتے تھے کہ اسکا وژن بڑا تھا اور سوچ مضبوط، ارادے پختہ تھے اور اعلیٰ کردار ۔اماں کو اس پہ فخر تھا۔ مگر کبھی کبھار جب اس کے قلم کی نوک زیادہ تیز ہو جاتی اور گھر کے فون کی گھنٹی مسلسل بجتی تب وہ ہولتیں۔ اسے ڈراتیں، محتاط رہنے کو کہتیں، نصیحتیں اور پھر ڈھیر دعائیں۔ اس کے پلو سے باندھتیں۔ زندگی یوں ہی کبھی نرم کبھی گرم گزر رہی تھی۔ جب اچانک ایک دن مراد بی بی اس سے ملنے اس کے آفس آئی تھی۔ وہ اعظم شہریار کے خاص بندے کی بربریت کا نشانہ بنی تھی۔ زخم زخم بھی تھی اور انصاف کی تلاش میں بھی۔ کہانی نئی نہیں تھی۔ مگر جیا کے لیے اعظم شہریار کا ردِعمل حیران کن تھا، افسوس ناک بھی۔

"بہت افسوس ہوا سن کر۔" اعظم شہریار نے کہا تھا مگر اسے کتنا افسوس ہو رہا تھا، یہ اس کے لہجے سے ہی ظاہر ہو رہا تھا۔

"مگر آپ اطمینان رکھیے۔ میں اس سارے واقعے کی تحقیقات کروں گا۔ اور بختیار علی مجرم ہے تو اسے سزا ضرور ملے گی۔"

جیا کو اس نے یقین دلایا تھا۔ وہ واپس چلی آئی تھی۔ اور پھر چند دن بعد دوبارہ اس کے پاس گئی تھی۔ وہ صوبائی سطح پہ وزیر قانون تھا۔ اور وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ بختیار علی کے جرم کی کیا سزا دلواتا ہے۔

"دیکھیں بی بی۔ میں مانتا ہوں کہ بختیار سے غلطی ہوئی ہے۔ اور میں اس کا ازالہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔ آپ پوچھیے مراد بی بی سے اسے کتنی رقم چاہیئے۔"

جیا کو لگا کہ اس نے وہ سب کہا نہیں تھا بلکہ اس کے اور سارے پاکستانیوں کے منہ پر طمانچہ مارا ہے جو ایسے خودغرض بے حس، لالچی اور کرپٹ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لوگوں کو منتخب کر کے ایوانوں میں بھیجتے ہیں۔ وہ وہاں سے خاموشی سے واپس پلٹ آئی تھی مگر زیادہ دن خاموش نہیں رہ پائی تھی۔

☆......☆......☆

"تم بہت بڑا رسک لے رہی ہو جیا۔ تم اپنی پوزیشن بھی جانتی ہو اور ان لوگوں کی پاور بھی۔" سامعیہ، اسکی کولیگ مدیحہ عمر، یہاں تک کے ایڈیٹر تک نے اسے اس کے آرٹیکل کو چھاپنے سے پہلے متنبہ کیا تھا۔

"تم ایک بار پھر سوچ لو جیا۔ یونو ہی از اتھارٹی۔" وقار صاحب نے اس کے آرٹیکل سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے پہ ڈالی تھی۔

"یس سر! بہت اچھی طرح لیکن ان اتھارٹیز کے باوجود ابھی تک جان لینے کا اختیار میرے رب کے پاس ہی ہے۔ میں ان لوگوں سے خوف زدہ نہیں ہوں سر۔"

"لیکن تم مجھے مشکل میں ڈال رہی ہو۔ بہت پریشر برداشت کرنا پڑے گا سب کو ہی۔" وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔

"کوئی بات نہیں سر۔ ہم بھی پکے پاکستانی ہیں۔ جب ان جیسے لوگوں کو اپنے اوپر حکومت کرتے برداشت کر سکتے ہیں۔ تو ذرا سا پریشر برداشت کرنا کیا مشکل ہے۔"

☆......☆......☆

بلیک شلوار قمیض اور پشاوری چپل پہنے وہ نک سک سے تیار معنوی سے ملنے جا رہا تھا۔ ملاقات کئی روز بعد ہو رہی تھی، تو خوشی بھی دیدنی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس کی نظر معنوی پر پڑی تھی اور اسکے لبوں پر جاندار سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سفید اور گلابی کنٹراسٹ کا سوٹ پہنے، اپنے سیاہ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے وہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔

"اتنی دیر؟" معنوی نے خفگی سے اسے دیکھتے پوچھا تھا۔

"معافی؟" اس نے ہلکے سے کان کی لو کو چھوتے کہا تھا۔

"ایسے تو ہرگز نہیں ملے گی۔" اس نے ذرا سا رخ پھیر لیا تھا۔

"یار بابا جان کے کچھ مہمان آ گئے تھے، ورنہ تم تو جانتی ہو کہ تم سے ملنے کے لیے میں لمحے گنتا ہوں۔"

اسکی وضاحت پہ اسکا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ ضرغام نے سرخ گلابوں کا بوکے اسکی جانب بڑھایا۔ سرخ گلاب جو محبت کی علامت سمجھے جاتے ہیں وہ محبت جس کے وجود کا قائل وہ تب ہوا تھا جب اس نے پہلی بار معنوی شہریار کو دیکھا تھا۔

"تھینکس!" کہتے اس نے اسکے ہاتھ سے بوکے لیا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے وقت ٹھہر جائے ہم چلتے رہیں اور یہ پل یہاں امر ہو جائے۔" اس کے ساتھ چلتے معنوی نے مخمور سے لہجے میں کہا تھا۔

ضرغام نے طمانیت بھری نگاہ ساتھ چلتے وجود پہ ڈالی اور دلکشی سے مسکرایا۔ وہ دونوں ابھی بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ بہ مشکل اماں سے اجازت لے کر آفس آئی تھی۔ اماں اسے ہرگز ہرگز گھر سے نکلنے نہیں دے رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے نہیں جاتی میں آفس، نہ آج نہ کل مگر پرسوں؟ اس سے اگلے دن؟ کیا جاب چھوڑ دوں اماں؟ زندگی چھپ چھپ کر گزرنے والی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چیز نہیں ہے۔ یہ امانت ہے اور جس کی امانت ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا۔ ہر کسی کے آنے اور جانے کا وقت مقرر ہے، میرا بھی ہے اور جب وہ آئے گا تو کوئی روک نہیں سکتا۔ نہ میں، نہ آپ اور نہ یہ چار دیواری۔ اور یہ وقت تب آئے گا جب اس کی مرضی ہوگی۔''

اب اماں مزید کیا کہتیں، خفگی سے سجا چہرا لیے باورچی خانے میں چلی گئیں۔ وہ بآواز بلند سب کو خدا حافظ کہتی باہر نکل آئی تھی۔

اسے آفس آئے بہ مشکل آدھا گھنٹہ ہوا تھا جب افتخار صاحب نے اسے بلالیا تھا۔

''مے آئی کم ان سر؟'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔

انہوں نے پہلے سر اٹھایا پھر بلایا، وہ اندر آگئی۔

''بیٹھو!'' کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گئے تھے اور وہ انکے بولنے کی منتظر۔

''جیا تم ہماری بہت اچھی اور محنتی ورکر ہو۔ چار سالوں میں مجھے کبھی تم سے کوئی شکایت نہ رہی مگر۔۔'' وہ رکے۔

''تمہیں اگر موجودہ جاب سے اچھی جاب مل جاتی تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ اس جاب پر تمہیں مزید رکھنا شاید میرے لیے پاسبل نہ ہو۔''

انکے اس صاف اور دو ٹوک انداز پر وہ ٹھیک سے حیران بھی نہ پائی تھی کجا کہ اپنی غلطی پوچھتی۔ بختیار علی نے کہا تھا کہ اس پہ زندگی تنگ کردی جائے گی، اس نے ٹھیک کہا تھا۔ جاب سے نکال دیا تھا اور مزید کہیں جاب نہیں مل رہی تھی۔ اچھا خاصا انٹرویو ہوتا، مالکان کا رویہ بھی حوصلہ افزاء ہوتا مگر اگلے دن کھرا جواب آجاتا۔ انہی دنوں وہ ایک دن مراد بی بی سے ملنے چلی آئی اور اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مراد بی بی اور اسکے گھر والوں نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

اعظم شہریار کے ڈرائنگ روم سے ابھی ابھی بہت خاص الخاص مہمان اٹھ کر گئے تھے وہ بہت خوش تھا کہ مہمان اس سے بہت خوش ہو کر گئے تھے یعنی نوازنے کا سلسلہ پھر سے شروع ہونے والا تھا۔ اسکی پارٹی اپوزیشن میں تھی مگر آنے والے چند دنوں میں حکومتی پارٹی سے اتحاد متوقع تھا۔ نامزد وزراء میں اسکا نام بھی شامل تھا۔ وہ اپنے خوش کن خیالات میں گم تھا جب سیل فون کی گھنٹی بجی ٹون نے اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ کال ریسو کر کے دوسری طرف سے دی جانے والی ہدایات سننے میں مشغول تھا۔ جس میں اسے علی الصبح اسلام آباد پہنچنے کا کہا جارہا تھا۔

☆......☆......☆

تھکن اور مایوسی اس کے پاؤں سے لپٹی تھی تھے جب اس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ سامعیہ نے اسکے چہرے پہ پھیلی مایوسی بھری تلخی کو دیکھا، تاسف سے سر جھٹکا اور اس کے لیے پانی لینے چل دی۔ ابا کو سلام کر کے اس نے بیگ چارپائی پہ رکھا اور خود بھی وہیں ڈھے گئی۔

''اماں کدھر ہیں؟'' پانی کا گلاس لیتے اس نے سامعیہ سے پوچھا تھا۔

''خالہ کی طرف گئی ہیں۔ چائے لاؤں یا کھانا؟''

''چائے ہی لادو، بھوک تو اب رہی نہیں۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

''آج بھی کچھ نہیں بنا۔ مدیحہ نے بہت یقین دلایا تھا کہ یہاں جاب مل جائے گی۔'' چائے پیتے اس نے سامعیہ کو دیکھتے مایوسی بھرے لہجے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں کہا۔

''تم ہمت مت ہارو۔ل جائے گی۔آج نہیں تو کل سہی۔رازق اوپر والا ہے۔وہ کہیں نہ کہیں سے اسباب پیدا کردے گا۔''

''ہوں۔''اس نے بے خیالی سے سر ہلایا۔

''ناامید نہیں ہوتے جیا۔آجاتے ہیں کبھی کبھی مشکل حالات میں بھی،ڈٹ جانا پڑتا ہے لڑنا پڑتا ہے۔اپنی بقا کے لیے۔اگر آج وہ لوگ پیسے کے اوپر ہیں تو ضروری نہیں کہ ہمیشہ اوپر رہیں۔ہر ایک کا وقت آتا ہے اور ابھی ان لوگوں کا ہے کل ہمارا بھی آئے گا۔''سامعیہ کی بات پر وہ تلخی سے ہنسی تھی۔

''ہمارا وقت ہونہہ۔۔۔تم نے ٹھیک کہا تھا سامعیہ انصاف کی قیمت چکانا پڑتی ہے۔اور اسے چکانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔''

☆......☆......☆

ضرغام کے باباجان اسلام آباد سے بہت خوش لوٹے تھے اپوزیشن پارٹی سے مفاہمت ہوگئی تھی۔انہیں وزارتیں مل گئیں تھیں اور انہیں پانچ سال تک ملک لوٹنے کے مزے۔پرانی رنجشیں پرانی روایات کے ساتھ ہی مدفون ہوگئی تھیں۔اب نئے خیالات،نئے نظریات اور خیر سگالی کے جذبات۔دونوں پارٹیاں پُرجوش تھیں۔

☆......☆......☆

''مے آئی کم ان سر؟''

''ہاں ہاں ضرغام آؤ۔میں تمہارا ہی ویٹ کررہا تھا۔''ہارون اطہر نے خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔''کیس کہاں تک پہنچا؟''

انہوں نے سامنے رکھی فائل پر نظر دوڑاتے پوچھا تھا۔

''سارے اہم پوائنٹس اس میں لکھ دیئے گئے ہیں سر اور جہاں تک تحقیقات کی بات ہے تو انشاء اللہ اب وہ دن دور نہیں جب ہمارے ہاتھ مجرموں کی گردنوں تک ہوں گے۔''

''گڈ!''ہارون اطہر نے فل یونیفارم میں ملبوس ضرغام پر ستائشی نظر ڈالی۔''مجھے تمہاری صلاحیتوں پہ پورا بھروسہ تھا اس لیے میں نے اسپیشل انویسٹی گیشن ٹیم کو تمہارے انڈر کرنے کے لیے آئی جی صاحب سے سفارش کی تھی۔''

''اٹس این آنر فارمی سر۔''

ہاران اطہر نے فائل میں لکھے ناموں کو دیکھتے چونک کر نظر اٹھائی۔

''ضرغام اس میں تو تمہارے متوقع سالے کا نام بھی موجود ہے۔''یہ بات وہ پہلے سے جانتے تھے۔صرف اسکا ردِعمل دیکھنے کے لیے انہوں نے چونکنے کی ایکٹنگ کی تھی۔ضرغام کو اندازہ تھا اس بات کا۔

''جی سر!''اس نے چائے میں چینی ملاتے سکون سے جواب دیا۔

''تمہارے لیے تو پھر بڑی مشکل ہوجائے گی یار۔''دوستانہ انداز میں کہتے وہ اس سے اندر کی بات اگلوانا چاہتے تھے۔

''نہیں سر۔میں رشتہ داریاں اور تعلقات فرض کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتا۔''اسکا لہجہ مضبوط تھا۔

''ویل اگر تم چاہو یا تمہارے لیے کوئی مسئلہ ہے تو میں یہ کیس نعمان کیانی کو سونپ دوں گا۔''اب انہوں نے آفر کی تھی۔

وہ پھر سے مسکرایا۔''اسکی ضرورت نہیں ہے سر۔اس میں اعظم شہریار کا نام آرہا ہے۔اگر میرے والد صاحب کا آتا تو میں تب بھی پوری دیانتداری سے اس کیس کی تحقیقات کرتا۔قانون

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی کرسی پہ بیٹھنے ہیں تو سب کو برابر کی نظر سے دیکھنا ہوتا ہے۔" ہلکے پھلکے لہجے میں اس نے بات مکمل کی تھی۔

"ویری گڈ ضرغام! بلاشبہ تم ہماری فورس کے لیے فخر اور باعث تقلید ہو۔"

"تھینک یو سر۔" ہارون اطہر کے کمنٹس کا شکریہ ادا کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"شام کو فائل تیار رکھنا۔ آئی جی صاحب کو بریفنگ دینی ہے اور ہاں۔۔"

ضرغام چلتے چلتے ٹھہرا تھا۔

"بہت ہینڈسم ہو گئے ہو۔ معنوی بے چاری کو خاصی مشکل ہو جائے گی اب۔"

وہ ہنس پڑا تھا پھر انہیں خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا۔ اس کا ارادہ اب کینٹ جانے کا تھا۔

☆......☆......☆

بابا جان اور اعظم شہریار اکیلے اسلام آباد سے واپس لوٹے تھے۔ اور اعظم شہریار کے فارم ہاؤس پہ کھانا کھایا تھا۔ سیاست پہ سیر حاصل گفتگو ہوئی تھی۔ عجیب چیز ہے سیاست بھی، جنہیں رشتے داری قریب نہ لا سکی تھی انہیں کرسی قریب لے آئی تھی۔ بابا جان بھی ابھی شہریار سے محو گفتگو تھے۔ ضرغام ہولے سے مسکرا رہا تھا۔ جو بھی تھا، ان دونوں کے خوشگوار تعلقات اس کے لیے بھی سود مند تھے۔ وہ بی جان سے محو گفتگو تھا جب بابا جان کال بند کر کے وہیں چلے آئے تھے۔

"یہ کیا کرتے پھر رہے ہو ضرغام تم؟" سیل سینٹرل ٹیبل پر دھرتے انہوں نے کہا تھا۔ وہ اپنی بات روک کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اعظم شہریار کے خلاف ہونے والی انکوئری کی بات کر رہا ہوں۔" ان کا مخصوص دبنگ لہجہ تھا جس میں وہ بات کرتے تھے۔ اگر اس مفاہمت سے پہلے انہیں یہ بات پتہ چلتی تو وہ اس کا کندھا تھپکتے، شاباشیاں دیتے۔ اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے اس خبر کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا سوچ رہے ہوتے۔ ضرغام نے بے اختیار سوچا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بابا جان۔ کچھ عرصہ بیشتر ہمیں ایک کیس سونپا گیا تھا، مکمل رازداری کے ساتھ حل کرنے کی ہدایات کے ساتھ۔ اب اگر ان لوگوں میں اعظم صاحب کا نام بھی آ رہا ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟" اس نے انتہائی مختصر اور ان لفظوں میں بات پہنچانے کی کوشش کی تھی جو انہیں ناگوار نہ گزریں۔

"اگر نام آ رہا تھا تو تمہیں اس معاملے کو ذرا احتیاط سے ہینڈل کرنا چاہیے تھا۔ رشتہ داری کا خیال ہی کر لیتے۔ ویسے مجھے تمہیں اس طرح کا کوئی لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے، تم خود پولیس والے ہو۔ جانتے ہو سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کیسے کہا جاتا ہے۔" لاپرواہ لہجے میں سگار سلگاتے انہوں نے جو اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی وہ جان کر اسے حیرت نہ ہوتی، ہوتی اگر وہ انہیں جانتا نہ ہوتا۔ اس نے جواباً وہ بات کہی جو اس کے باپ کو مطمئن کر سکتی تھی، اس نے انہیں بتایا کہ وہ اگر چاہتا تو بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ کیس میں اسکی معاونت چند دوسرے لوگ بھی کر رہے ہیں۔ وہ اسکی بات سن کر ہنس پڑے تھے۔

"تمہیں پتہ ہے نا ضرغام کہ تمہارا باپ ایک دن میں کتنے لوگوں کو خریدتا ہے؟" انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ، نہ جاننے کی اسکی خواہش تھی۔ لہٰذا خاموش رہا تھا۔

"بہرحال ختم کرو اس سارے مسئلے کو اب۔" سگار کا کش لیتے انہوں نے عام سے لہجے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں کہا تھا جیسے وہ اسے ٹی وی چینل چینج کرنے کا کہہ رہے ہوں۔

''آئی ایم سوری باباجان۔مگر اب میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔''

☆......☆......☆

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے معنوی کا نمبر کا ڈائل کر رہا تھا اور تب سے اس کا نمبر بند آرہا تھا۔اسے الجھن سی محسوس ہوئی۔معنوی نے کبھی اپنا سیل آف نہیں رکھا تھا۔اگلے دو گھنٹے وہ وقفے وقفے سے اس کا نمبر ڈائل کرتا اور یہی جواب سنتا رہا۔ اس کی الجھن ہلکی سی پریشانی میں ڈھلی تھی۔صبح اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلا کام معنوی کو کال کرنا کا کیا تھا۔اسکا نمبر اب بھی بند جا رہا تھا۔اگلے پندرہ منٹ میں تیار ہو کے وہ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچا اور چائے نکالتے اس نے ایک بار پھر معنوی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی۔بیس منٹ بعد آفس پہنچ کر اس نے پہلا کام وہی کیا تھا جسے وہ رات سے دوہرا رہا تھا۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر بند ہے۔''سن کر اس کا دل سیل دیوار سے مارنے کو چاہا تھا۔چند لمحے بعد اس نے اعظم ولا کا نمبر ملایا تھا۔فون ملازمہ نے اٹھایا تھا۔

''معنوی بی بی کو بلاؤ۔''اس کے تحکم آمیز انداز پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''معنوی بی بی ایدر نی اے۔''

''کیا مطلب ادھر نہیں ہے؟ ادھر نہیں ہے تو کدھر ہے؟''ملازمہ کے جواب پر اس نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

''ام کو نہیں پتہ پر ایدھر نئیں اے۔''

اس نے کال کاٹی اور اعظم کو کال ملائی،اسکا نمبر بھی بند جا رہا تھا۔اس نے سیل میز پر رکھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں جکڑا۔اگلے آدھے گھنٹے بعد اسکی گاڑی اعظم ولا کے آگے کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

معنوی کہاں ہے؟''ضرغام نے سخت لہجے میں اعظم شہریار سے پوچھا۔

''اس سوال کا جواب میرے پاس ہے اور وہ وہاں کب تک رہے گی،اسکا جواب تمہارے پاس ہے۔''ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اعظم شہریار نے بہت اطمینان بھرے لہجے میں اسکی بے اطمینانی کو دیکھتے کہا تھا۔

''کیا مطلب؟''اسکی بات کا مفہوم اسکے پلے ہرگز نہیں پڑا تھا تبھی الجھن سے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹھیں ضرغام صاحب،چائے پانی پئیں۔مطلب بھی سمجھا دیتے ہیں آپ کو۔''سرد سے لہجے میں کہتے اعظم شہریار کا لہجہ تمسخرانہ سا تھا۔

☆......☆......☆

وہ رات بے حد طویل،سیاہ اور سرد تھی۔اور اسی طویل،سیاہ اور سرد رات میں تنہا کھڑا وہ اپنی زندگی میں اچانک در آنے والے اس موڑ پر ششدر کھڑا تھا۔اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور اسے لگتا تھا کہ اس کے دماغ نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی دو رستے تھے اس کے سامنے۔ایک دوسرے سے الگ اور مختلف۔اسے ان دونوں میں سے کسی ایک کو راستے کو چننا تھا اور ابھی کرنا تھا۔سوچ سوچ کر دماغ شل ہو رہا تھا۔جوں جوں رات بیت رہی تھی فیصلے کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔اس نے گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔دکھتی آنکھوں کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انگلیوں سے دبایا اور پھر جیب سے سیل نکال کر ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

''کہیے ضرغام صاحب! کیا فیصلہ کیا آپ نے؟'' چھوٹتے ہی سوال ہوا تھا۔

''میں تیار ہوں۔'' اس نے فیصلہ سنایا۔ اس نے دل کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

آفس کی بلڈنگ سے نکل کر اس نے سامعیہ کو کال ملائی۔

''ہاں سامعیہ! یار بہت اچھی خبر ہے۔ مجھے جاب مل گئی ہے یار۔'' خوشی سے کھنکھتے لہجے میں اس نے خوشخبری سنائی تھی۔ اس نے سامعیہ کو بھی خوش کر دیا تھا۔

''ریئلی یار۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ بہت مبارک ہو۔''

''خیر مبارک۔ اچھا اماں کو نہ بتانا ابھی میں خود آ کے انہیں خبر دوں گی۔'' پارکنگ سے نکلتے اس نے سامعیہ کو کہا تھا۔ پھر کال بند کر کے سیل بیگ میں ڈالا تھا۔ ٹھیک اسی پل سیاہ کرولا اس کے پاس آ کے رکی تھی۔ وہ اپنی جگہ ٹھٹک کر رکی تھی۔

☆......☆......☆

اس کا نجانے کتنی دیر سے تاریکیوں میں ڈوبا ذہن روشن ہوا تو اس نے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ خود کو اس نیم تاریک کمرے میں بند پایا تھا۔ پہلے پہل اس کو کچھ بجھائی نہ دیا۔ آہستہ آہستہ حواس بیدار ہونا شروع ہوئے تھے اور اسے سب یاد آنے لگا تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے اس تاریک کمرے میں بھوکی پیاسی بند تھی۔ رو رو کر اسکی آنکھیں سوج چکیں تھیں اور چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا تھا۔ ابا، اماں اور سامعیہ، سوچ کی ہر پرواز ان تینوں تک ہی جاتی تھی۔ کیا سوچا ہو گا انہوں نے کہ وہ کہاں گئی۔ کہاں کہاں ڈھونڈا ہو گا۔ اب تک مایوس ہو کے بیٹھ گئے ہوں گے شاید۔ اسکی آنکھوں سے سیل رواں تھا۔ اور دل دھاڑیں مار رہا تھا مگر صرف ایک اس بات پہ نہیں۔ یقین اور اعتبار وہاں سے ٹوٹا تھا جہاں سے وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

دروازے کا لاک کھلا تو اس نے نظریں اٹھا کہ اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ آنے والا کون ہے۔ وہ پہلے خود اندر آیا پھر اسکے پیچھے کھانے کی ٹرے اٹھائے ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ عورت نے تازہ کھانے کی ٹرے رکھی اور کل کی رکھی ان چھوئی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ وہ آہستہ روی سے چلتا اس کے مقابل آیا، پھر گھٹنوں سے زرا سا ٹراؤز کھینچتا اسکے روبرو بیٹھ گیا۔ جیا نے آنکھیں اٹھائی۔ سرخ متورم آنکھیں۔ ان میں سوال تھے۔ ویسے ہی سوال جیسے اسکے چہرے پر تھے۔ اس کے آس پاس تھے، اور بے شمار تھے۔

ضرغام نے نظریں چرائی، وہ تڑپ کر رہ گئی۔

''کیوں؟ آخر کیوں؟'' کانپتے لبوں سے فقط یہی برآمد ہوا تھا۔

ضرغام کا سر مزید جھک گیا تھا۔

''زندگی میں ہر انسان کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی چیز کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ میری مجبوری میرا دل ہے۔'' نظر اور سر جھکائے اس نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ اسکے پاس سوال چھوڑ کر اپنے جواب سمیٹ کر۔

☆......☆......☆

وہ آفس سے گھر پہنچا تو خاصا تھک چکا تھا، بھوک بھی بہت لگ رہی تھی۔ ملازمہ کو کھانا لگانے کا کہہ کر خود فریش ہونے چل دیا تھا۔ فریش ہو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے ٹیبل تک آیا۔تازہ کھانا اسکی بھوک بڑھا گیا نرم اور گرم روٹی کا نوالہ توڑا، پالک گوشت اسکی فیورٹ ڈش تھی سوء اتفاق کہ آج وہی بنی تھی ۔روٹی کے ساتھ سالن لگا کر اس نے نوالہ منہ کی طرف کی بڑھایا تب ہی ذہن میں کسی اور کی ''بھوک'' ابھری تھی ۔وہ نوالہ منہ میں نہیں رکھ سکا تھا۔متورم آنکھیں زرد چہرا اور پپڑی زدہ ہونٹ ۔اسکی بھوک مرگئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ پچھلے ایک ہفتے سے ضرغام عباس کی قید میں تھی اور اسے علم نہیں تھا وہ وہاں کیوں ہے مگر اب اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اسے ساری کہانی سمجھ میں آنے لگی تھی ۔ضرغام عباس بھی اس شخص کے خریدے ہوئے انسانوں میں سے تھا۔ اور وہ اسے مختلف سمجھ بیٹھی تھی ۔ بے ساختہ اسے اپنی کم فہمی پہ رونا آیا تھا۔

''زہے نصیب مِس جیا فاروقی احمد ۔قدرت نے کیسا موقع دیا ہے آپ سے ملاقات کا ۔بے ساختہ اسکا شکر ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' عین اسکے روبرو کرسی رکھے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھے اعظم شہریار نے سگریٹ جلایا تھا۔ضرغام کچھ فاصلے پہ انکی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔سگریٹ کا گہرا کش لیتے وہ اسکی بے بس حالت کا مزہ لے رہا تھا۔

''شرم آنی چاہیے اعظم شہریار اس طرح کی گھٹیا حرکتیں کرتے ہوئے۔'' اسکے خون میں اس شخص کو دیکھتے ہی شرارے پھوٹنے لگتے تھے۔اور زبان انگارے برسانے لگتی تھی۔

''ہاہاہا۔۔آپ ہی تو کہتی ہیں مِس جیا ہم سیاست دانوں میں شرم نام کے جراثیم ذرا مشکل سے پائے جاتے ہیں۔'' وہ اسکی بات کو انجوائے کرتے ہوئے بولا تھا۔

''خدا کے انصاف اور قہر سے ڈرو اعظم شہریار۔۔'' وہ بپھری ہوئی شیرنی بنی ہوئی تھی۔

''بور مت کرو ڈیئر۔ میں یہاں اس کام کے لیے نہیں آیا۔کچھ پرانے حساب کتاب کلئیر کرنے اور انجوائے کرنے آیا ہوں۔یو نو ضرغام انجوائے۔''معنی خیزی سے کہتے اس نے ضرغام کو آنکھ سے اشارہ بھی کیا تھا۔

وہ لمحوں میں ڈھیلی پڑی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس کے جسم سے جان اب نکلی کہ تب نکلی ۔بے بسی کے شدید احساس تلے وہ دب کر رو دی تھی ۔اور ضرغام کو لگا کہ وہ مزید اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں رہ پائے گا، وہ آج کے بعد کبھی خود سے نظریں نہیں ملا پائے گا۔وہ آج کے بعد کسی عورت کے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گا۔جیا نے نگاہ اٹھا کر چاروں جانب گھمائی، مگر وہاں کوئی نہیں تھا جو اسکی مدد کرتا، مگر نہیں وہاں ہی کوئی تھا جو اسکی مدد کرسکتا تھا۔

''اللہ''اس نے دل کی گہرائی سے پکارا تھا اور وہاں تو ہمیشہ پکار سن لی جاتی ہے۔اس کی بھی سن لی گئی تھی۔پارٹی کا ہنگامی اجلاس۔۔اعظم شہریار کو کال موصول ہوئی تھی۔وہ فوراً وہاں سے نکلا تھا۔ویسے بھی اسکا مقصد وہ سب نہیں تھا اسکا مقصد کچھ اور تھا۔

☆......☆......☆

ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں لیے وہ بے حد مطمئن انداز میں بیٹھا انجوائے کر رہا تھا۔اس کے چہرے پہ بہت اطمینان بھری مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں فتح کا ڈولتا خمار۔اسکے چہرے پہ ویسی ہی چمک تھی جیسی کسی بھی فاتح کے چہرے پہ ہوتی ہے یا کسی ایسے فلم ڈائریکٹر کے چہرے پہ جس کی بنائی فلم میں ہر سین اس کے حسب منشاء ہو یا اسے اپنی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فلم کی کامیابی کا ایک نہیں ایک سو ایک فیصد یقین ہو۔ایسے ہی یقین اسے بھی تھا اس اسکرپٹ پر جواس نے لکھا تھا اور خود ہی ڈائریکٹ کیا تھا۔اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ ہر چیز ویسے ہی ہوتی چلی گئی جیسے وہ چاہتا تھا۔وہ اعظم شہریار تھا۔سیاست اور بساط کا بہت پرانا اور منجھا ہوا کھلاڑی ۔اس کے اپنے اصول تھے،اپنے قانون اور اپنے ضابطے۔ وہ چیزوں کو اپنے اصولوں کے مطابق چلانے کا عادی تھا۔وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جو تصویر میں ایک آدھ نقطہ ہی نہیں پورے کا پورا منظر تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ وہ کامیاب رہتا تھا اس لیے نہیں کہ وہ کامیابی کا جذبہ رکھتا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ کامیابی کے لیے ہر جائز او ناجائز کا راستہ اپنانا اپنا حق سمجھتا تھا۔ معنوی اسکی چھوٹی اور لاڈلی بہن۔جس سے اسے بے پناہ محبت تھی اور جسکی ہر ضد، ہر فرمائش پوری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا مگر جب اس نے ضرغام عباس کا نام لیا تو اسے لگا کہ وہ مزید اسکی ضد پوری نہیں کر پائے گا۔ضرغام عباس، علی عباس کا بیٹا ۔وہ اپنی بہن کو کم از کم علی عباس کی بہو نہیں بنا سکتا تھا۔اور اگر ضرغام کی جگہ کوئی دوسرا لڑکا ہوتا تب بھی وہ اسکی شادی معنوی سے نہیں کرسکتا تھا۔کیونکہ معنوی کا رشتہ وہ حسان چچا کے بیٹے سے بہت پہلے ہی طے کر چکا تھا۔معنوی کی ضد پہ وہ وقتی خاموش ضرور ہو گیا تھا مگر ایک بات طے تھی معنوی کی شادی وقاص سے ہی ہونی تھی۔ چیزیں ابھی اس کے حق میں نہیں تھی ،انہیں اپنے حق میں کرنا تھا۔

ضرغام عباس اور جیا فاروق دونوں ہی ایماندار اور فرض شناس تھے اور اپنے اپنے پیشے سے مخلص لوگ تھے، یہ اچھی چیز تھی۔ بری چیز یہ تھی کہ دونوں اس کے خلاف تھے۔ جیا فاروق وہ معمولی صحافی ۔وہ اسکے خلاف سچ لکھنے چلی تھی۔ ہونہہ۔۔اور ضرغام عباس اس کے خلاف انکوائریاں کرتا پھر رہا ہے۔اور حد تو یہ ہے کہ اسے نامزد بھی کر دیتا ہے۔ بنا کسی تعلق داری کا لحاظ کیے تو ٹھیک ہے قرض رکھنے والوں میں سے تو وہ بھی نہیں تھا۔اسے ان دونوں سے نمٹنا تھا مگر اکیلے اکیلے کیوں،ایک ساتھ کیوں نہیں۔

''میں رشتہ داری کو فرض پہ حاوی نہیں ہونے دیتا۔'' بہت فخر سے کہے گئے الفاظ اس تک پہنچ گئے تھے۔ٹھیک ہے وہ رشتہ داری کو فرض پہ حاوی نہیں ہونے دیتا تھا لیکن بات اب محبت کی تھی ۔اور اسے ضرغام کو اس کی محبت کے زریعے ہی آزمانا تھا۔معنوی کو اس نے گاؤں بھجوا دیا تھا۔مورے کی خراب طبیعت کا بہانہ کر کے اور اتنی جلدی مچائی تھی کہ وہ اپنا سیل ساتھ نہیں لے جا سکی تھی۔

حویلی میں اس نے معنوی کو فون استعمال نہ کرنے کی سختی سے ہدایات دی ہوئیں تھیں۔اب اسے انتظار تھا ضرغام عباس کا۔اور وہ آیا تھا۔وہ بہت پریشان تھا،معنوی سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ بے کل تھا۔لوہا گرم تھا اس نے پہلی چوٹ لگائی تھی ۔اس کے حسب توقع ہی وہ اس کی بات سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

''آرام سے ضرغام صاحب۔زرا ہوش سے کام لیں کیونکہ اس وقت آپکو اس کی ضرورت ہے ۔گھر جائیں ،ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں پھر فیصلہ کریں۔آپ کے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔

''ضرغام !لالہ میری شادی زبردستی کرنے والے ہیں۔انہوں نے مجھے یہاں قید کر رکھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے۔ کچھ کرو پلیز۔ میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر۔" یہ اور اس جیسے چند فقرے، اس تک معنوی کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھے پہنچے تھے۔ وہ مزید برداشت نہیں کر پایا تھا۔ اس نے اعظم شہریار کی بات مان لی تھی۔ جیا فاروق کو اغواء کر لیا تھا۔ اس نے معنوی کی محبت کو جیا کی عزت پہ ترجیح دے دی تھی۔ اور اسے خبر نہیں تھی اس نے ناقابلِ تلافی غلطی کر ڈالی تھی۔

کھیل یہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ کھیل تو بہت آگے تک جانا تھا۔ کل صبح تک کا انتظار کرنا تھا اسے، اس نے سیل سے کال ملائی۔ دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی اس نے انتظامات کا پوچھا تھا۔ دوسری طرف سے مکمل تیاری کی یقین دہانی کروائی گئی تھی۔ مطمئن ہو کر اس نے کال بند کر دی تھی۔ لبوں پہ جاندار مسکراہٹ لیے وہ سونے کے لیے چل دیا، اسکی چال میں واضح فتح مندی کا احساس جھلک رہا تھا۔

☆......☆......☆

نیند اسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوئمنگ پول کے نیلگوں پانی پہ نگاہ جمائے ساکت بیٹھا تھا اور اسکی سوچ کی ہر حد جیا پہ جا کر ختم ہو رہی تھی۔ یہ کیا کر دیا تھا اُس نے اس معصوم کے ساتھ؟ ایک عورت کی محبت میں اتنا پاگل ہو گیا تھا وہ کہ اسے کھونے کے ڈر سے اس نے کسی دوسری عورت کی زندگی میں تباہ کر دی تھی۔ وہ ایسا نہیں تھا پھر اس نے ایسا کیسے کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

رات کے ڈیڑھ بجے کا وقت تھا جب ہارون اطہر نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو حیرت اور تاسف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ کوئی شخص اتنا بے وقوف بھی ہو سکتا ہے۔"

ضرغام خاصی ریش ڈرائیونگ کر کے ہارون اطہر کے پاس پہنچا تھا اور اسے آڑے ہاتھوں لیا جا رہا تھا۔

"شکر کرو میری سورس کام آ گئی، ورنہ تم نے تو اپنے ساتھ اپنے باپ اور خاندان کا نام ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

وہ سر جھکائے ہارون اطہر کی لعن طعن سن رہا تھا۔

"تم جانتے ہو اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس شخص نے چوہے دانی لگائی ہے اور تم اس میں پھنس چکے ہو۔ اس فلیٹ کی مکمل خبر گیری کی گئی ہے اور صبح وہاں چھاپہ ڈلوانے کا پلان ہے انکا۔ تمہاری اور اس لڑکی کی آڈیو ٹیپ اور جعلی تصویریں بنوالیں ہیں ان لوگوں نے۔ اب تم خود سوچ لو یہ سارا اسکینڈل تمہیں اور تمہارے خاندان کو کہاں لا کھڑا کرے گا۔" ہارون اطہر نے چند لمحے خاموش رہ کر اسے سوچنے کا وقت دیا تھا۔

"اب اس سب کا ایک ہی حل ہے کہ تم آج اور ابھی اس لڑکی سے نکاح کرو۔ کل نیوز میں تمہارے اسکینڈل کی خبر سے پہلے تمہارے نکاح کی خبر چل جانی چاہیے۔"

☆......☆......☆

وہ دونوں بازو گھٹنے کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔ نظریں جھکائے وہ اسکے روبرو بیٹھا تھا۔ جیا فاروق نے ایک اچٹتی سی نظر اس پہ ڈالی تھی پھر دوبارہ اپنے ہاتھوں پر جما دی تھی۔

"مجھ سے شادی کرو گی جیا فاروق احمد؟"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کے لبوں نکلتی بات نے اسے حیران کر دیا تھا۔
ہر کام ویسا نہیں ہوتا جیسے ہم چاہتے ہیں بلکہ ویسے ہوتا ہے جیسے ہمارا رب چاہتا ہے۔ اور بے شک میرے رب کی چاہت سب سے بہترین ہے۔ اعظم شہریار کی چال ناکام ہوگئی تھی۔ اور اب وہ زخمی شیر کی طرح بلبلا رہا تھا۔

''ایسے تو نہیں چھوڑوں گا تمہیں ضرغام عباس۔ کاغذ کے ایک ٹکڑے کے باعث تم مجھ سے جیت نہیں سکتے ہو۔'' سیل پر نمبر ملاتا وہ بڑبڑا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''معروف سیاستدان علی عباس کے بیٹے ایس پی ضرغام عباس نے ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی جیا فاروق سے خفیہ نکاح۔'' خبر بریکنگ بھی تھی بمباسٹک بھی۔ سو ہر چینل نے چلائی تھی اور بار بار چلائی تھی۔ وہ ٹی وی اسکرین کو دیکھتے بار بار اسکا نمبر ملا رہے تھے جو بند جا رہا تھا۔
بی جان خاموشی سے بیٹھی تھی۔
وہ کچھ دیر پہلے اس کی تربیت کو خراج تحسین پیش کر چکے تھے۔

''یاد رہے کہ ضرغام عباس معروف سیاستدان اعظم شہریار کی بہن معنوی شہریار سے منسوب تھے۔ اور عنقریب دونوں شادی کے بندھن میں بندھنے والے تھے۔'' نیوز کاسٹر پوری دل جمعی سے تفصیلات دینے میں مشغول تھی۔
انہوں نے قہر بھری نظر اس خوش پوش حسینہ پہ ڈالی تھی جیسے وہ انکی نظروں کی کرختگی کو دیکھتے انکا دل کا حال جان لے گی اور خاموش ہو جائے گی۔
ضرغام نے چند گھنٹوں بعد میڈیا پہ آ کے اس خبر کی تصدیق کر دی اور اس شادی کی وجہ محبت اور پسندیدگی کو قرار دیا تھا۔ وہ وہی جو سوچ رہے تھے کہ اس خبر کی تردید کروا دیں گے اور اسے دشمنوں کی سازش و پروپیگنڈا قرار دیں گے۔ تھک کر بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

بی جان نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھیں اور دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

''تو جانتا تھا کہ عزت اہم ہوتی ہے ضرغام، کاش یہ بھی جانتا ہوتا کہ سب کی اہم ہوتی ہے اور سب کے لیے اہم ہوتی ہے۔ عزت سے چکائی جانے والی قیمتیں انسان کے سر کو ہمیشہ جھکا دیتی ہیں پتر۔''

''میں شرمندہ ہوں بی جان۔'' اسکا سر مزید جھک گیا۔

''صرف شرمندہ ہونا اہم نہیں ہوتا۔ غلطی کی ہے اب اسکا مداوا کرنا بھی سیکھو۔'' بھاری بھرکم آواز پر اس نے پلٹ کے دیکھا تھا۔ دروازے میں کھڑے بابا جان کا انداز حد درجہ سنجیدگی لیے ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''تم جانتی ہو مجھے آج بھی کتنی محبت ہے تم سے۔'' اس کے لہجے میں آج بھی وہی خوشبو تھی اور انداز میں سچائی مگر سامنے بیٹھی عورت کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی۔ اور اسی بے اعتباری کو دیکھتے اسے اندر سے کسی چیز نے توڑا تھا۔ یہ وہ عورت تھی جس کے لیے اس نے گھر والوں کی مخالفت مول لی تھی۔
جس کے عشق میں ہر حد پھلانگ لی تھی۔ یہ وہ عورت تھی جس کی محبت کی قیمت اس نے کسی کی عزت سے چکائی تھی اور یہی عورت اسے بے اعتباری سے دیکھ رہی تھی۔ ساری دنیا اسکا اعتبار نہ کرتی، اسے پرواہ نہیں تھی کم از کم یہ عورت تو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرتی۔

دوسری طرف معنوی اس وقت دکھ کے جنگل میں بھٹک رہی تھی۔ "یہ مرد ہے اور پرت در پرت ہے۔ یہ وہ مرد ہے جسے میں نے دیکھا اور پھر مزید کچھ دیکھنے کی خواہش نہ رہی۔

جس کے لیے ساری دنیا سے ٹکر لینے کی ٹھان لی میں نے اور یہ وہ مرد ہے جو ابھی پچاس لوگوں اور دس کیمروں کے آگے کھڑے ہو کر کہہ رہا تھا کہ اسے جیا فاروق سے محبت ہے اور اب یہاں ویرانے میں بیٹھ کر مجھے محبت کی کہانی سنا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ میں اس کا اعتبار کروں۔ میں اسکا اعتبار کیسے کروں؟"

"وہ تمہیں لے آیا تھا بیچ میں۔ تمہاری ذات رکھ دی تھی اس نے درمیان میں۔ اس نے کہا کہ وہ چھین لے گا تمہیں مجھ سے، میں ڈر گیا، میں تم سے بچھڑنے کے ڈر سے ڈر گیا۔ میں تمہیں کھونے کے خوف سے خوف کھا گیا۔ تمہارے بغیر کیسے رہتا میں۔

تمہارے بنا ادھورا تھا میں، میری ذات، میری بات، میرا کل، میرا آج۔ سب ادھورا تھا۔

"وہ بتا رہا تھا اسے وہ سب جو چھپا ہوا تھا اور معنوی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسکی اتنی محبت پہ وہ روئے یا ہنسے۔ مگر یہ تو طے تھا کہ وہ اعتبار کے قابل نہ تھا۔

☆......☆......☆

سنہری شام پہاڑوں پہ اتر آئی تھی جن اس نے کھڑکی کھولی۔ بابا جان اور بی جان لان میں محو گفتگو تھے تبھی ہلکے سبز رنگ میں ملبوس بالوں کی ڈھیلی ڈھالی پونی بنائے، بنا میک اپ اور کسی زیور کی آرائش کے۔

سادہ سا چہرا لیے جیا ضرغام عباس نے چائے کی ٹرے لا کر وہاں رکھی۔ ضرغام نے دیکھا ٹرے میں آج بھی تین کپ ہی تھے۔ بابا جان نے جیا کی جانب جھکتے کچھ کہا تھا۔ جیا ہنسی تھی۔ بابا جان میں آنے والا بدلاؤ سب کے لیے حیران کن بھی تھا اور خوش کن بھی۔ وہ تینوں چائے پیتے باتوں میں مشغول تھے۔ وہ ہلکی سی سانس لیتا کھڑکی سے ہٹ گیا تھا۔

تو طے ہوا کہ محبت میں سب کچھ جائز ہو تب بھی خودغرضی جائز نہیں ہوتی۔ جو لوگ محبت میں خودغرض ہو جاتے ہیں انکی زندگی میں باقی سب کچھ بھلے موجود رہے، خود محبت موجود نہیں رہتی۔

اس کی زندگی میں بھی نہیں رہی تھی۔ معنوی نے اس معاف کر دیا تھا مگر وہ اب مزید جیا فاروق کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

معنوی کی وجہ سے جیا فاروق کا بہت کچھ چھینا گیا تھا۔ اب جو معنوی کے پاس تھا وہ اسے جیا کو دان کرنا تھا۔ حساب برابر تو نہ ہوتا مگر کوشش تو کی جا سکتی تھی نا اور پھر جب اعتبار ہی کھو جائے تو کچھ نہیں بچتا اور رہی جیا فاروق۔ اگر وہ ضرغام کے ساتھ رہنے کے لیے تیار تھی تو صرف اپنے معذور باپ، بے بس ماں اور بہنوں کے لیے۔ وہ آج بھی اسکے سامنے نظر جھکا کے رکھتا تھا۔ وہ بارہا اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگ چکا تھا اور وہ کہتی تھی کہ۔

"ابھی میرے زخم کچے ہیں، ابھی وہ رستے ہیں۔ ان میں کھرنڈ آنے میں ابھی دن لگیں گے۔ میں نے اعتبار کھویا ہے مجھے وقت دیں۔"

اور ضرغام محو انتظار ہے کہ کب وہ اسے معاف کرے اور وہ دونوں جو ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، ایک ساتھ چل سکیں۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!

آیئے! سچی کہانیاں کے قلم قبیلے میں شامل ہو جایئے۔

یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے......

خود کو منوایئے، اپنے قلم سے......

اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔

اگر آپ کو اپنے آس پاس ہوئے، انہونے اور لرزا دینے والے واقعات یاد رہتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ ان واقعات سے دوسرے بھی سبق سیکھیں، تو پھر فوری طور پر ان واقعات و حادثات کو صفحہ قرطاس پر ڈھال کر ہمیں بھیج دیجیے۔

نوک پلک سنوار کر اُسے کہانی کی شکل ہم خود دے دیں گے۔

تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی بھی عبرت ناک، اور سبق آموز سچ کو کہانی میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔

ماہنامہ سچی کہانیاں آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

88-C II۔ خیابانِ جامی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

ای میل: pearlpublications@hotmail.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خالہ خیرن

ایسی تحریر جو آپ کو مسکرانے پر مجبور کردے گی
سچی کہانیاں کے قارئین کے لیے توشہ خاص

فریدہ فری

خالہ خیرن ہمارے ابا کی دور کی رشتے دار خاتون تھیں نام تو ان کا مہر النساء تھا۔ مگر پھر سب ان کو خیرن کے نام سے پکارنے لگے۔ سفید کلف لگا بڑا سا دوپٹہ اور غرارہ اور کُرتا پہناوا تھا۔ سفید جھریوں زدہ چہرہ اور ہر وقت کلّے میں پان دبا رہتا اور پان کی پیک کلّوں سے بہہ کر منہ کے اردگرد پھیلی رہتی پاندان ہر وقت ان کے تخت پوش پر پڑا رہتا۔ سارا دن پان کی گلوریاں بنا کر کھاتیں ہم دو بہنیں تھیں اور دو بھائی دانیال اور ذیشان اور چھوٹی بہن فرح بلا کی شرارتی کسی کو نہیں چھوڑتی تھیں خالہ کو تگنی کا ناچ نچایا کرتی۔

اماں نے کئی بار اس کو سمجھایا بھی کہ خالہ کا ہمارے سوا کوئی نہیں ہے ان کو نہ ستایا کرو وہ فرح ہی کیا جو سمجھ جائے خالہ کے پاندان سے پان اور سپاریاں چرا کر مزے لے لے کر کھاتی خالہ بے چاری شور کرتی رہ جاتیں ایک مرتبہ وہ چوری چوری خالہ کے پاندان سے سپاریاں نکال رہی تھی کہ اوپر سے خالہ آگئیں۔

"ارے واہ! اب پھر سے میری سپاریوں کی شامت آگئی اے میں کہوں ہوں رضیہ اپنی اس لونڈیا کو سنبھال سسرال میں جا کے جوتے کھائے گی کام کی نا کاج کی دشمن اناج کی سارا دن کرکرے لگاتی پھرتی ہے۔" اماں بے چاری پریشانی سے کہتیں۔

"میں تو اس کو سمجھاتی ہوں۔" اماں نے بے بسی سے کہا۔ خالہ اس روز بے حد غصے میں تھیں جوتا کھینچ کے مارا تو فرح تو نو دو گیارہ ہوگئی باہر سے آتے بڑے بھائی دانیال کے بازو پر تڑاخ سے جوتا پڑا۔

"واہ خالہ میرا کیا قصور مجھ کو ہی مار دیا جوتا۔" اور خالہ بھوں بھوں کر کے رو دیں۔

"اوئی اماں میں نے تو فرح کو مارا تھا یہ تمہیں لگ گیا آ میرے لال میرا شہزادہ تُو تو بے حد اچھا ہے۔" میں نے بھی فرح کو بے حد سمجھایا مگر وہ تو شرارت کی پڑیا تھی خالہ کو شادیوں میں جانے کا بہت شوق تھا۔ جہاں کہیں شادی ہوتی ان کا جانا ضروری ہوتا ایک مرتبہ ہمارے چچا جان جو کہ کراچی میں رہتے ہیں ان کی بیٹی کی شادی کا کارڈ آیا اور ہمیں ایک ہفتے پہلے بلایا ہم لاہور میں رہتے ہیں ہم سب بے حد خوش تھے امی تو جوڑوں کے درد کی وجہ سے دوسرے ذیشان کے پیپر ہو رہے تھے جا نہیں سکتی تھیں انہوں نے دانیال کے ساتھ ہم دونوں بہنوں کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تو خالہ تو جیسے پہلے سے تیار بیٹھی تھیں جھٹ پٹ تیاری شروع کر دی سب نے کہا بھی......

"خالہ اتنی دور کیسے سفر کرو گی......" مگر خالہ کو تو شادی میں جانے کا ہم سے بھی زیادہ شوق تھا۔ چنانچہ کا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

غرارہ کلف لگا سفید بُراق، قمیض اور دوپٹہ...... اور اپنا ٹین کا بکس تیار پاندان ساتھ اور آلو والے پراٹھے...... میٹھی میدے کی ٹکیاں اور نجانے کیا الا بلا اکٹھا کرنے لگیں ہم تو حیران پریشان مگر فرح بے حد خوش کہ راستے میں خالہ کے پکوان کھائیں گے شادی کے لیے ہم نے بھی تیاری کرلی اور ایک روز پہلے ہم نے اپنی ٹکٹیں بک کروالی تھیں دانیال کے ساتھ ہم سب اسٹیشن روانہ ہوئے ذیشان ہمیں گاڑی میں چھوڑنے آیا تھا۔

ہم بے حد خوش خوش ٹرین میں سوار ہوئے۔ خالہ بڑے ٹھسے سے براجمان ہوگئیں پان کی پیک بہہ بہہ کر منہ کے ساتھ پھیلی ہوئی تھی ہمیں بے حد شرم آرہی تھی عورتیں حق دق انہیں دیکھ رہی تھیں کچھ تو دوپٹہ منہ پر رکھ کر مسکرا رہی تھیں فرح انجان بنی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سفر کا بہت مزا آرہا تھا شام ہوگئی تھی گاڑی کی چھکا چھک جاری تھیں۔ خالہ کو اونگھ آرہی تھی۔ ہم نے خالہ کو کہا۔

"وہ اوپر برتھ پر جا کر سو جائیں۔" بڑی مشکل سے فرح اور میں نے انہیں اوپر برتھ پر چڑھایا۔ خالہ نے پاندان اور پوٹلی کھانے کی اوپر ہی منگوالی ہم نے شکر کیا کہ خالہ اوپر سوتی رہیں گی اور فرح کی تو عید ہوگئی وہ چپکے چپکے خالہ کی بغل سے آلو کے پراٹھے اور میٹھی ٹکیاں...... ابلے انڈے نکال نکال کر کھا رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"خالہ کی چیزیں نہ کھاؤ اپنی چیزیں کھاؤ۔" اور پھر اچانک خالہ نے جو کروٹ بدلی ہم پر آ گریں۔

"اوئی ماں......" خالہ بھوں بھوں کر کے روئے جارہی تھیں اور عورتیں ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھیں اور ہم پر جو خالہ گری ہماری تو ہڈیاں درد کر رہی تھیں۔

"ارے میں خود کیوں گرنے لگی یہ فرح نے دھکا دیا ہے۔" ہم نے اور دوسری عورتوں نے بے حد سمجھایا۔ مگر خالہ کو تو ہم پر غصہ آرہا تھا شکر کہ کراچی ٹرین رکی تو چچا کے گھر گئے شادی اٹینڈ کی۔

وہ شادی بڑی یادگار شادی رہی کیونکہ اس کے بعد ہم خالہ خیرن کے ساتھ کہیں نہیں گئے...... میری اور فرح کی شادی سے پہلے ہی اُن کا انتقال ہوگیا۔ مگر آج بھی ہم لوگ انہیں بہت یاد کرتے ہیں...... سچ کہا کسی نے ماضی بڑا شاندار ہوتا ہے۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈائنا امر ہوگئی

ماں کی محبت میں بچوں نے ایسی محنت کی
کہ جس کا فائدہ سارے گاؤں کو پہنچا

سید ابو محمد آزاد

میرے مرنے پر کوئی آنسو نہ بہائے غم نہ کرے میں زندگی کی ایک سو دس بہاریں دیکھ چکی ہوں اب کوئی حسرت نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو۔ میرے مرنے پر میری میت کو ایسا سجایا جائے جیسے دلہن کو سجایا جاتا ہے اور اس کو بینڈ پارٹی کی ایسی سریلی دھن میں جو دل و دماغ کو مسرور کردے۔ یہ لیڈی ڈائنا نے اپنے مرگ بستر پر اپنے اردگرد بیٹھے رشتہ داروں سے کہا۔

مسز ڈائنا سیالکوٹ کی ایک دیہات کی رہنے والی تھیں۔

موت انہیں بلا رہی تھی ۔ ایک ہفتہ بعد وہ خالق حقیقی سے جاملیں۔ ان کے 78 بیٹے' بیٹیاں' پوتے اور پوتیاں اور سب صاحب اولاد تھیں۔ موصوفہ کی سب سے چھوٹی پوتی اپنی دادی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکی اور موت پر بین کرتے ہوئے بے ہوش ہوگئی۔ سیالکوٹ کے دیہات میں جہاں پر ڈائنا کی رہائش تھی اردگرد کے لوگ بلا امتیاز مسلم اور عیسائی جوں جوں موت کی خبر ملتی گئی لوگ جمع ہوتے گئے لوگ افسردہ اور غمزدہ نظر آرہے تھے۔

عیسائی مذہب کے رسم و رواج کے باوجود تابوت میں مسز ڈائنا کو بینڈ کی سریلی دھن میں قبرستان لے جایا گیا اوران کو لحد میں اتار دیا گیا۔ قبرستان سے واپسی پر سوگواران کی ڈائنا کے گھر خاطر مدارات ایسی کی گئی جیسے باراتیوں کی ہوتی ہے۔

مرحومہ موصوف کی اولاد نے بھی طویل عمر پائی ان کی سب سے چھوٹی اولاد کی عمر 40 سال تھی۔ بقیہ کی عمر 100 سال کی تھی۔

مرحومہ کی اولاد جب صدموں سے باہر نکلی تو حقیقت کو منزل تک پہنچانے کی فکر ہوئی۔ ان کی بڑی اولاد پیٹرسن بہت متحمل اور ہوشیار تھا اس نے گھر کے لوگوں کو ایک لڑی میں پرو رکھا۔ گھر کے مسائل کو آپس کے اتفاق رائے سے حل کرتا۔ نتیجتاً گھر خوشحالی کا ایک شاندار نمونہ بن گیا۔

اس گاؤں کے لوگوں کی نظر میں ڈائنا کے گھر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

والوں کی عزت و توقیر میں کافی اضافہ ہوگیا۔
پیٹرسن اپنی ماں سے بہت محبت کرتا تھا اس کی روح کو ایصال ثواب اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی ماں کے نام لوگوں کی عبادت کے لیے سیالکوٹ کے اس گاؤں میں ایک بہت شاندار چرچ یعنی گرجا گھر بنا دیا اور اس کا نام دی ڈائنا سویٹ رکھ دیا۔
لوگ قرب و جوار سے یہاں عبادت کرنے کے لیے دانے لگے۔ اس طرح ثواب جاریہ شروع ہوگیا۔
وقت کا پہیہ چلتا رہا۔ پیٹرسن سے چھوٹا ولسن ذہن طور پر بڑا انقلابی تھا۔ وہ ایک روز اپنے بڑے سے کہنے لگا۔
''کیوں نہ ہم اس گاؤں کے بچوں کے لیے ایک مڈل اسکول قائم کردیں جہاں بلا امتیاز عیسائی اور مسلم کے بچے تعلیم حاصل سکیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تجویز بہت مناسب تھی گھر کے سارے لوگوں نے اتفاق کیا۔ مذکورہ تجویز کو مسلم آبادی سے بھی تائید حاصل ہوگئی اور بعد میں محکمہ تعلیمات سے منظور کرایا گیا۔

اس اسکول کا نام ڈائنا سوئٹ پرائمری اسکول رکھا گیا۔ مرحومہ کی زمین پر بنیاد رکھی گئی۔ ایک دن ولسن نے ہاتھوں کی جھولی میں اسکول کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا۔

سب سے پہلے اپنی طرف سے پانچ سو روپے بطور عطیہ جھولی میں ڈالا اور دیگر لوگوں سے بھی حاصل کیا۔ اسکول کے لیے اچھا خاصا چندہ جمع ہوگیا۔ اسکول کی عمارت کے لیے بنیادیں پہلے ہی کھودی جاچکی تھیں۔

عمارتیں جلد تیار ہوگئیں۔

مڈل کلاس کے طالب علموں کے لیے اساتذہ کی بھرتی کے لیے اخباروں میں اشتہار دیے گئے۔ جلد ہی اساتذہ کی بھرتی عمل میں آ گئی اور بچوں کی پڑھائی شروع ہوگئی۔

یہ اسکول اپنی اچھی پڑھائی کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کر گیا۔ مرحومہ کے بچے ہر وقت اپنے گاؤں کی فلاح کے لیے کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے تھے۔

ولسن چھوٹا بھائی نے اپنے بڑے بھائی پیٹرسن کو تجویز پیش کی اس کا کہنا تھا کہ کیوں نہ ہم اپنے گاؤں کے لیے فلاح کے لیے دستکاریوں کے کام شروع کریں۔

تجویز بہت اچھی تھی پیٹرسن نے اسے پسند کیا اور وہاں کی عورتوں کو سلائی کڑاہی کے کام دیے جانے لگے شہر سے کام کے لیے اتنے آرڈر ملنے لگے کہ یہ اسمال کاٹیج انڈسٹریز کی شکل اختیار کر گیا۔

اب اس کی ہینڈی کرافٹ پر ڈائنا نام کا لیبل لگایا جانے لگا۔ یہ کاروبار خوب چمکا' گاؤں سے بے روزگاری دور ہوئی اور لوگ خوش حال ہوگئے۔

اپنے محسن کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ڈائنا کا ایک بڑا سا پورٹریٹ بنا کر اس گاؤں کے مرکزی راستے پر نصب کر دیا اس پورٹریٹ کے نیچے لکھ دیا۔

''ڈائنا دی گریٹ فاؤنڈر آف سوئٹ''

کاروبار کو ترقی دینے کے لیے ایک نمائندہ کا نام نعمان ہاشمی تھا بیرون ملک دستکاری کا آرڈر لینے کے لیے روانہ کیا۔

مذکورہ نمائندے کے بیرون ملک کے دورے سے بہت فائدہ ہوا۔ سڈنی کے کاروباری مراکز میں ہینڈی کرافٹ کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بہت جلد نمائندہ نعمان کو ایک بڑا آرڈر مل گیا۔ ان کے بڑے آرڈر حاصل کرنے پر ڈائنا انڈسٹریز بہت شہرت پا گئی۔

دن رات محنت کر کے آرڈر کے مال کو تیار کیا گیا اور وقت سے پہلے اس کی شپمنٹ عمل میں لائی گئی۔ مال سڈنی پہنچنے کے بعد مختلف ممالک سے آرڈر ملنے کا سلسلہ چل پڑا۔ جہاں عزم وہاں منزل کے مصداق اہلیان 'دی سوئٹ ڈائنا (گاؤں)' اپنے عزم و استقلال اور محنت و مشقت سے اس طرح شہرت پائی کہ ڈائنا امر ہوگئی۔

سچ کہا کسی نے سچی محبت اگر ہو تو انسان مر کر بھی امر ہو جاتا ہے جیسے بچوں کی ماں ڈائنا ہوگئی' ماں سے محبت نے پورے گاؤں کی تقدیر بدل دی۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

معصوم محبت

وہ مرد ہو کر بھی عورت کے بڑھتے قدم روکتا رہا......
مگر رابعہ تو اُس کے عشق میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی......

ڈاکٹر عامر شہزاد

کہتے ہیں کہ اس کائنات کی ابتداء ہی محبت سے ہوئی ابتداء سے اب تک پوری دنیا میں محبت کے گیت گونجتے رہے۔ داستانوں' ڈراموں' ناولوں' افسانوں' فلموں اور گیتوں وغیرہ میں محبت کی اہمیت کو اجاگر کیا جاتا رہا رہیر رانجھا' سسی پنوں' سوہنی ماہیوال' لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد اس محبت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مرزا غالب' حکیم مومن خان مومن' میر تقی میر' خواجہ حیدر علی آتش' ولی دکنی' مولانا رومی' ساغر صدیقی' احمد فراز' علامہ اقبال اور فیض احمد فیض نے بھی اپنی شاعری میں محبت کی اہمیت کو بیان کیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس محبت نے بہت سے بادشاہوں' شہنشاہوں' راجاؤں اور نوابوں سے ان کے تخت چھین کر ان کو محبوب کی گلیوں اور محلوں میں بھیس بدل کر پھیرنے پر مجبور کر دیا' ہزاروں پڑھے لکھے اور باشعور لوگ بھی اس جذبہ سے متاثر ہو کر مٹی میں رل گئے بہت سے لوگ محبت میں ناکامی کے بعد خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بہت ہی خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی محبت میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

محل' سونا چاندی' جاگیریں' تخت و تاج' بنگلے گاڑیاں حتیٰ کہ دنیا کی کوئی چیز بھی محبت کے متبادل نہیں ہے قارئین میں آپ کو محبت کا ایک بالکل سچا واقعہ سنانے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ چار سال پہلے پیش آیا میری لکھی ہوئی ہر ہر سطر سچائی پر مبنی ہے۔

میرا نام وقاص ہے ایم فل کرنے کے بعد فوراً بعد مقابلہ کے امتحان کے ذریعے میں گورنمنٹ کالج میں بطور لیکچرار بھرتی ہو گیا ہمارے خاندان میں بہت کم لوگ سرکاری ملازمت کرتے ہیں۔ زیادہ تر کھیتی باڑی اور بعض اپنا بزنس کرتے ہیں اس ملازمت کی وجہ سے پورے خاندان میں میری عزت بن گئی تقریباً سب نے مجھے مبارکباد دی میرے والد محترم میرے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ پانچ بہن بھائیوں میں میرا پہلا نمبر ہے جس کی وجہ سے مجھ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور بچپن ہی سے میں نے اسٹڈی کے ساتھ ساتھ محنت مزدوری بھی کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جاب ملنے کے بعد اللہ کی مہربانی سے میری ایک اور دلی خواہش کے مطابق میری لو میرج ہوگئی میری بیوی نازیہ نے پولیٹیکل سائنس میں ماسٹر کیا ہے اور وہ نہایت اچھی اور پیار کرنے والی بیوی ثابت ہوئی اللہ تعالیٰ نے مجھے دو پیاری بیٹیاں بھی عطا کیں۔

کالج سے واپس آ کر میں ایک قریبی گرلز اکیڈمی میں گریجویشن کی طالبات کو لیکچر دینے بھی جاتا تھا اللہ کی مہربانی سے پہلے سال ہی میری ایک اسٹوڈنٹ نے پہلی پوزیشن حاصل کی جس کی وجہ سے پورے شہر میں میری شہرت پھیل گئی اور اگلے سیشن مزید بہت سی طالبات نے ہماری اکیڈمی کا رخ کیا۔

میرا اصول ہے کہ میں لیکچر طلبہ کی نفسیات کے مطابق ڈلیور کرتا ہوں اور ہر موضوع پر کھل کر اظہار خیال کرتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ معلومات طلبہ تک پہنچ سکے انہی دنوں میں نے اپنی اسٹوڈنٹس میں سے ایک لڑکی جس کا نام رابعہ تھا پر تھوڑا سا غور کیا کہ وہ میری جانب ضرورت سے کچھ زیادہ توجہ دے رہی تھی اور میں جب بھی لیکچر دیتا وہ بغور میری جانب دیکھتی رہتی بعض اوقات تو مجھے اس کے مسلسل دیکھنے سے اُلجھن ہونے لگتی اکثر میں اپنے لیکچرز میں ٹھوس دلائل اور مختلف حوالوں سے طلبہ کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا۔

پہلے پہل تو رابعہ صرف اکیڈمی میں ہی مجھے دیکھنے تک محدود رہتی رفتہ رفتہ محلّہ دار ہونے کی وجہ سے اُس نے میرے گھر والوں سے روابط قائم کر لئے اور وہ اکثر ہمارے گھر آنے لگی۔ مگر میں اُس پر بالکل توجہ نہ دیتا تھا وہ خاص طور پر میری بیٹیوں سے بہت پیار کرتی تھی۔ اکثر وہ مجھ سے بات کرنا چاہتی تو میں اُسے اگنور کر کے پڑھائی میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دھیان دینے کو کہتا اور وہ شرمندہ ہو کر چپ ہو جاتی تقریباً چھ مہینے ایسے ہی چلتا رہا اکثر وہ مجھے میسجز وغیرہ کرتی رہتی مگر میری طرف سے ہمیشہ سرد مہری کا مظاہرہ ہی ہوتا۔

چھٹیوں میں ایک دن جب میری بیوی نازیہ میکے گئی ہوئی تھی تب دوپہر کے وقت رابعہ ہاتھ میں کتاب لیے ہمارے گھر آئی اور امی سے کہنے لگی۔

''سر وقاص سے ایک ضروری سوال کے بارے میں پوچھنا ہے۔'' تو امی نے اُسے اوپر میرے کمرے میں بھیج دیا۔

آتے ہی وہ میرے پاس صوفے پر بیٹھ گئی اُس دن پاکستان اور سری لنکا کے درمیان میچ ہو رہا تھا جو میں ٹی وی پر دیکھ رہا تھا میں نے اُس سے پوچھا۔

''جی رابعہ بتائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

تو وہ مجھ سے کچھ یوں مخاطب ہوئی۔

''ڈیئر سر وقاص صاحب! میں جانتی ہوں کہ آپ ایک معزز اور قابل انسان ہیں اور جلد ہی آپ کا ایڈمیشن پی ایچ ڈی میں ہونے والا ہے۔ نیز یہ کہ آپ کی لو میرج ہوئی ہے آپ اپنی وائف سے بہت محبت کرتے ہیں آپ کی دو پیاری بیٹیاں بھی ہیں آپ ہر ایک کا خیال رکھتے ہیں' میں حیران ہوں کہ آپ اپنے سب فرائض کس طرح ادا کرتے ہیں آپ نے کبھی کسی لڑکی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا اور ماشاءاللہ پورے شہر میں آپ کی عزت ہے اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ جو بات میں آپ سے کہنے جا رہی ہوں وہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں لہٰذا براہ مہربانی مجھے بے حیا اور بے شرم نہ سمجھیں' میں آپ سے عشق کی حد تک محبت کرتی ہوں خدا کے لیے میری محبت کو قبول کیجیے اور مجھے اپنا جیون ساتھی بنا لیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی عملی زندگی میں کبھی رکاوٹ نہیں بنوں گی آپ کی وائف کو ہمیشہ بڑی بہن سمجھوں گی اور آپ کی دونوں ننھی شہزادیوں کو خوب پیار کروں گی۔''

میں اُس کی باتیں سن کر حیران ہو چکا تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد میں نے اُسے سمجھایا۔

''رابعہ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی بہن کی طرح سمجھا ہے الحمدللہ میری لو میرج ہوئی ہے اور میری بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے میری بیٹیاں بھی ہیں معاشرے میں میری بہت عزت ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے برائیوں سے روکا ہوا ہے تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ تو پروردگار کی مجھ پر خاص رحمت ہے لہٰذا آپ سمجھنے کی کوشش کریں فی الحال آپ مطالعہ پر توجہ دیں ایگزامز قریب ہے اور ویسے آپ بہت اچھی خوبصورت اور اعلیٰ اخلاق کی حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا جہاں کی تمام نعمتوں سے نوازا ہے میری دعا ہے کہ آپ کو ایک خوبصورت اور بہت پیار کرنے والا لائف پارٹنر ملے جو آپ کو بہت محبت دے۔''

مگر اُس پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ مسلسل اپنی ضد پر قائم تھی پھر میں نے سخت لہجے میں اُس سے کہا۔

''آپ حد سے گزر رہی ہیں کم از کم استاد شاگرد کے رشتے اور اپنی عمر کا لحاظ ہی کر لو کیوں میری عزت داؤ پر لگا رہی ہیں...... پلیز یہ پاگل پن چھوڑ دیں۔''

اُس کی آنکھوں سے کچھ آنسو رخساروں سے ہو کر نیچے گرے وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا اور سختی سے کہا۔

''اب آپ جا سکتی ہیں۔'' اور وہ شرمندگی سے واپس پلٹ گئی اور جاتے ہوئے اپنی کتاب لے جانا بھی بھول گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کے بعد وہ اکیڈمی میں بھی کھوئی کھوئی سی رہنے لگی وہ مسلسل ہمارے گھر آتی رہی میرے گھر والے اس کی اچھی عادات کی اکثر تعریفیں کرتے مگر مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ میں جانتا تھا اس عمر میں دو دن کا پیار والا بخار ہو ہی جاتا ہے جو جلد اُتر بھی جاتا ہے اور ویسے بھی میں ایک عام سا انسان نہ خوبصورت نہ مالدار اور مجھ میں کوئی خاص خوبی بھی نہ تھی آخر اُس نے مجھ میں دیکھا کیا؟

اکثر وہ مجھے پیار وغیرہ کے میسجز وغیرہ کرتی رہتی جب میرے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ نہ مانی تو میں نے اس کا نمبر بلیک لسٹ میں ڈال دیا انہی دنوں مجھے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ رابعہ کچھ بیمار رہنے لگی ہے میرے گھر والے بالخصوص نازیہ اُس سے بہت مانوس ہو چکے تھے اسی وجہ سے سب اس کی بیماری سے پریشان تھے۔

رابعہ اب اکثر اکیڈمی سے بھی غائب رہنے لگی اگر کبھی آ بھی جاتی تو بہت افسردہ نظر آتی جیسے اُس کی زندگی میں کوئی رونق نہ رہی ہو رفتہ رفتہ اُس کی بیماری بڑھنے لگی اس کا تعلق ایک نہایت امیر فیملی سے تھا۔ انہوں نے اُسے بڑے بڑے اسپتالوں میں دکھایا اس کے تمام ٹیسٹ اور رپورٹس وغیرہ سو فیصد نارمل آ رہی تھیں۔ مگر بیماری بڑھتی جا رہی تھی اس کے ابو یورپ میں اپنا بزنس کرتے تھے وہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی سب اُس سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے ہر ممکن اُس کا جسمانی اور روحانی علاج کروایا مگر سب اُس کے مرض کو سمجھنے سے قاصر تھے پریشانی کے عالم میں اس کے ابو بھی وطن واپس آ گئے اور پہلی فرصت میں رابعہ کو شہر کے بہت بڑے اور معروف ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے جو حال ہی میں یورپ سے ڈگری حاصل کر کے آئے تھے ڈاکٹر نے تمام رپورٹس کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا کہ آپ کی بیٹی کو کوئی بیماری نہیں ہے یہ صرف ڈپریشن کا شکار ہے اس مرض کا علاج صرف اس کی پریشانی دور کرنا ہی ہے۔''

سب گھر والوں نے حیرانی سے رابعہ سے پوچھا۔

''بیٹی اللہ نے ہمیں تمام نعمتوں سے نواز رکھا ہے آخر تمہیں کون سی ایسی پریشانی ہے جس نے تم کو اس حالت میں پہنچا دیا۔'' وہ مکمل خاموش رہی اور دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

''بھلا مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟''

رفتہ رفتہ اُسے جسمانی جھٹکے لگنے لگے جیسے مرگی کے دورے پڑتے ہوں اور ساتھ ہی سانس کی تکلیف بھی ہونے لگی۔ مگر ڈاکٹر بضد تھے کہ اسے صرف ڈپریشن ہے۔''

پھر ایک دن آنٹی نے رابعہ کو اپنی قسم دے کر کہا۔

''میری پیاری شہزادی مجھے اصل صورت حال سے آگاہ کرو میں اپنی جان دے کر بھی تمہارا مسئلہ حل کروں گی تو بحالت مجبوری رابعہ نے اپنی زبان کھولی اور تمام قصہ سنا دیا یہ بات سنتے ہی آنٹی نے مجھے غصے سے کہا۔

''اچھا تو یہ سروقار جو پورے شہر میں حاجی بنا پھرتا ہے یہ دوغلا انسان ایسے گھناؤنے کاموں میں بھی ملوث ہے میں ابھی اس کی خبر لیتی ہوں۔'' پھر جلد ہی رابعہ نے اپنی امی کو سمجھایا۔

''امی وہ ایسے انسان بالکل بھی نہیں ہے' انہوں نے تو ہمیشہ مجھے والدین کی عزت کا خیال رکھنے کی نصیحت کی ہے۔''

''وہ تو ہمیشہ مجھے سختی سے منع کرتے آئے ہیں۔'' تو آنٹی بات کو سمجھ گئیں تو انہوں نے رابعہ کو دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن رابعہ نے حتمی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لہجے سے اپنی امی سے کہا۔

"امی جان میں نے ہمیشہ اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھا ہے اور کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔ مگر میں اپنے دل کے ہاتھوں انتہائی مجبور ہوں اگر سر وقاص مجھے نہ ملے تو میں مر جاؤں گی۔" اور اونچی آواز میں رونے لگی معاملے کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اب آنٹی سے رہا نہ گیا اور انہوں نے رابعہ کے ابو سے بات کی تو انہوں نے اس بات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کیا۔

پھر اگلے دن وہ رات کو ہمارے گھر تشریف لائے ہم نے اُن کو خوش آمدید کہا وہ کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔ پھر انہوں نے خود ہی آنے کا مقصد بتا دیا اور نازیہ کے سامنے مجھ سے کہنے لگے۔

"ہماری بیٹی رابعہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے اگر آپ نے اُس سے شادی نہ کی تو اس کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ ہماری رابعہ بہت اچھی ہے وہ کبھی بھی آپ کی عائلی زندگی میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

ہم سارے حالات سے اچھی طرح واقف ہیں آپ کی بھی دو بیٹیاں ہیں خدا کے لیے ہمارے جذبات کو سمجھیں اور ہماری بات مان لیجیے یہ بات سنتے ہی نازیہ تو جیسے غصے سے پاگل ہو گئی ہو اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی اور میں بڑے تحمل سے رابعہ کے والدین کو سمجھانے لگا یہ محبت بالکل یکطرفہ ہے میں نے کبھی بھی اُسے اس نظر سے نہیں دیکھا تو فوراً ہی رابعہ کے ابو میری بات کاٹتے ہوئے بولے کہ رابعہ ہمیں بتا چکی ہے کہ آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔

میں نے نہایت ادب و احترام سے اُن کو بتایا کہ میں بہت مجبور ہوں لہٰذا جو آپ چاہتے ہیں وہ ممکن نہیں انہوں نے مزید اصرار کیا لیکن میں نے بہت عاجزی سے صاف انکار کر دیا۔

اُن کے جاتے ہی نازیہ غصے سے بولی۔

"وقاص مجھے آپ پر مکمل بھروسہ ہے میں نے رابعہ کو اتنی عزت دی مگر مجھے کیا علم تھا کہ وہ میرا گھر ہی اجاڑنے کا سوچ رہی ہے۔" وہ شدید غصے میں بہت کچھ بولتی رہی اور میں اسے سمجھاتا رہا۔

"تم بے فکر رہو میں صرف تمہارا ہوں۔" غصہ تھوڑا کم ہونے کے بعد وہ بولی۔

"ٹھیک ہے مگر یاد رکھیے گا شادی تو بہت دور کی بات اگر آپ نے کبھی ایسا سوچا بھی تو میں آپ کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی اور پھر کبھی واپس نہیں آؤں گی۔"

ہم نے پوری کوشش کی کہ اس بات کو چھپا کر رکھا جائے مگر اس کے باوجود یہ بات جنگل میں آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگے۔

ان حالات میں جہاں سے بھی میں گزرتا ہر طرف یہی باتیں میرا پیچھا کرتیں لوگ طرح طرح کی من گھڑت باتیں کرنے لگے بھلا حقیقت کو کون سمجھتا اور مانتا ہے؟ ظاہری بات ہے ایک معلم کا معاشرے میں اہم مقام ہوتا ہے استاد شاگرد کا رشتہ بہت خاص ہوتا ہے اوپر سے میں شادی شدہ اور بیٹیوں کا باپ یہی سوچ سوچ کر میں خود کی نظروں میں ہی گر چکا تھا۔

نازیہ مجھ پر مکمل اعتماد کرتی تھی مگر لوگوں کی عجیب باتوں سے تنگ آ کر وہ بھی مجھ سے کہنے لگی۔

"وقاص! تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اگر آپ نے غلطی سے کوئی امید دلائی ہے تو اب اُسے دھوکہ کیوں دے رہے ہیں۔" یہ سن کر تو میرے پاؤں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی ہو ان حالات میں کس کس کو میں سمجھاتا لوگوں کو تو بس کسی کی عزت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اچھالنے کا موقع ملنا چاہیے میں نے ٹرانسفر کروانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کامیابی نہ ملی۔
رابعہ نے کچھ نمبرز تبدیل کر کے اور اپنی سہیلیوں کی مدد سے مجھ سے بات کرنے کی متعدد کوشش کیں مگر میں اپنے فیصلے پر سختی سے ڈٹا رہا دھیرے دھیرے اس کی بیماری زور پکڑنے لگی اور وہ انتہائی زیادہ کمزور ہوگئی اُس کے والدین' رشتہ داروں اور بھائیوں نے مجھے پیار' لالچ اور دھمکیوں سے منانے کی کوشش کی مگر میرا فیصلہ نہ بدلا۔
ایک دن میں کالج میں لیکچر میں مصروف تھا کہ نازیہ کی کال آئی۔
''وقاص آپ فلاح اسپتال پہنچیں۔'' میں نے پریشان ہوکر خیریت دریافت کی تو وہ بولی۔
''سب ٹھیک ہے بس آپ جلدی سے یہاں تشریف لائیں۔'' اور میں چھٹی لے کر اسپتال روانہ ہوگیا۔
اسپتال پہنچ کر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نازیہ رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے بیڈ پر بیٹھی اُس سے باتیں کر رہی ہے جبکہ رابعہ کو ڈرپ لگی ہوئی تھی۔
میں حیران ہوکر سوالیہ نظروں سے نازیہ کی طرف دیکھنے لگا تو نازیہ بولی۔
''وقاص! ہم سب ہار گئے اور رابعہ کی معصوم محبت جیت گئی میں اپنی خوشی اور پورے ہوش و حواس میں آپ کو رابعہ سے شادی کرنے کی اجازت دیتی ہوں۔'' اور میں پتھر بنا دونوں کو دیکھ رہا تھا دراصل آج رابعہ کی امی ہمارے گھر آئی تھیں اور نازیہ سے کہنے لگی۔
''بیٹی صرف ایک بار میرے ساتھ اسپتال چلو اور دیکھو میری رابعہ کیسے آخری سانسیں لے رہی

غزل

یہ جو بادیدۂ تر آتا ہے
روز یہ شخص کدھر جاتا ہے
زندگی خواب نظر آتی ہے
خواب کچھ اور نظر آتا ہے
کوئی صورت ہو بدل جاتی ہے
کوئی نشہ ہو اتر جاتا ہے
طور بے طور ہوا چلتی ہے
تال بے تال شجر گاتا ہے
تُو کسی روز اِدھر آکر دیکھ
آسماں روز اِدھر آتا ہے
دل سے آگے کوئی صحرا ہے نہ باغ
تو دبے پاؤں کدھر جاتا ہے

رسا چغتائی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے' ڈاکٹرز نے ہمیں جواب دے دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر اس کو اس کی مطلوبہ چیز نہ ملی تو یہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہے گی۔ تمہیں تمہاری بیٹیوں کا واسطہ صرف ایک بار میرے ساتھ چلو۔''

ان باتوں سے نازیہ کا دل پسیج گیا اور وہ اسپتال چلی گئی (یہ تفصیل نازیہ نے مجھے بعد میں بتائی) پھر نازیہ نے مجھے پاس بلا کر رابعہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

''آج سے ہم اکٹھے رہیں گے اور رابعہ سے کہنے لگی اب تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ کیونکہ میں تمہارے ہاتھوں میں جلد مہندی لگانا چاہتی ہوں۔'' رابعہ کے سب گھر والے بہت خوش ہوئے اور رابعہ نے نازیہ کو آہستہ سے شکریہ کہا وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر نقاہت کے باعث مزید بولنے سے قاصر رہی صورت حال کو سمجھتے ہوئے نازیہ بولی۔

''رابعہ تم آرام کرو تم مجھے جو کچھ کہنا چاہ رہی ہو میں سب سمجھ گئی اور پھر آنٹی سے کہنے لگی اب آپ گھر جا کر آرام کریں رابعہ کے پاس اب میں ٹھہروں گی' کیونکہ اب یہ ہماری امانت ہے اس کا خیال رکھنا اب ہمارا فرض ہے۔'' میں بھی یہ باتیں سن کر رابعہ کے پاس بیچ پر بیٹھ گیا اور وہ خوشی سے میری جانب دیکھنے لگی۔

آنٹی نے رابعہ کے چھوٹے ارسلان سے کہا۔

''بیٹا جاؤ مٹھائی لے کر آؤ آج عرصہ بعد ہمیں کوئی خوشی نصیب ہوئی ہے۔'' اور وہ مسکرا کر مٹھائی لینے چلا گیا۔ میری بیٹی معصومانہ انداز سے بولی۔

''رابعہ آنٹی اب تو آپ بھی میری ماما بن جائیں گی اب تو میں آپ کے ساتھ ہی سویا کروں گی۔'' اس بات پر سب مسکرا دیے۔ ابھی ہمیں بیٹھے کچھ وقت ہی گزرا کہ اچانک رابعہ کی طبیعت خراب ہونے لگی رنگ نیلا ہونے لگا سانسیں بند ہونے لگیں فوراً ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دو سینئر ڈاکٹرز اور کچھ نرسیں کمرے میں داخل ہوئیں ہم سب کو کمرے سے باہر نکال دیا گیا ڈاکٹرز نے کچھ میڈیسن اسٹور سے منگوائی جو میں خود لینے گیا تقریباً بیس منٹ بعد ڈاکٹر کمرے سے باہر آئے وہ کچھ پریشان تھے میں نے فوراً آگے بڑھ کر رابعہ کا پوچھا تو وہ دھیرے سے بولے۔

''سوری اب رابعہ ہم میں نہیں رہی' ہم نے اُس کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر اللہ کی مرضی کے آگے کچھ نہیں ہو سکتا۔'' یہ سنتے ہی آنٹی بے ہوش ہو کر رہ گئیں ہم دونوں سمیت وہاں موجود تمام لوگ اتنی بڑی خبر سن کر غم سے پتھر بن گئے جلد ہی آنٹی کو ہوش آ گیا اور ہم سب رابعہ کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے اسی لمحے ارسلان مٹھائی کا ڈبہ لے کر کمرے میں پہنچ گیا مگر سامنے جوان اور معصوم بہن کی میت دیکھ کر تڑپ اٹھا اور رونے لگا اس کے ساتھ ہی کمرے میں چیخ و پکار شروع ہو گئی سب کی آنکھیں غم آلود ہو رہی تھیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ سب نے اسے اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کر لیا مگر میں آج تک یہ سوچتا ہوں کیا رابعہ کی موت کا ذمہ دار میں ہوں۔

قارئین اب آپ ہی بتائیں۔

میرا پیشہ' اُس وقت کی موجودہ حالت' رسم دنیا' استاد شاگرد کا پاک رشتہ' ہمارا معاشرہ' میری فیملی' میری مجبوریاں سب کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ کیا میں غلط تھا؟

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

”سچی کہانیاں“ اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ ’سچی کہانیاں‘ اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر ’سچی کہانیاں‘ ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی ’سچی کہانیاں‘ ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے ’سچی کہانیاں‘ کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ ’سچی کہانیاں‘ اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0304-3168708

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

احساس محبت

محبت تو نام ہی قربانی کا ہے......اور عدین یہ جانتی تھی کہ صارم اب اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرے گا' محبت صرف محبوبہ سے نہیں ہوتی بلکہ والدین' بہن' بھائی اور ذمہ داریاں بھی محبوب ترین ہوتی ہیں......

نازیہ بتول رضا

صارم اور عدین ایک ہی یونیورسٹی میں ساتھ ساتھ پڑھتے تھے سیدھی سادھی بھولی بھالی سی عدین کب اس کے دل میں اتر گئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اِدھر عدین بھی صارم کے جذبات کی آنچ سے بچ نہ پائی اس کے دل میں بھی صارم کی محبت کی دھیمی دھیمی لو جلنے لگی تھی اظہار میں صارم نے پہل کی جسے عدین نے صدقِ دل سے قبول کر لیا اور یوں دونوں کی محبت پروان چڑھنے لگی۔

عام لڑکیوں کی طرح عدین کی ایک ہی ضد تھی کہ صارم اپنے گھر والوں کو عدین کے گھر رشتے کے لیے بھیجے اور صارم ایک ہی بات کہتا کہ اس سے بڑے بھائی جازم کی شادی کے بعد ہی وہ بات کر سکے گا۔

جازم اور صارم دو ہی بھائی تھے ایک بہن تھیں سعدیہ جو ان دونوں سے بڑی تھیں اور شادی شدہ تھیں اب جازم کا نمبر تھا جازم آرمی میں تھے وار ہر بار شادی کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیتے تھے ان کی منگنی اپنی پھوپی زاد سے پانچ سال قبل ہو چکی تھی پر شادی تھی کہ ٹلے ہی جا رہی تھی ساری تیاریاں مکمل تھیں صرف جازم کی ہاں کی دیر تھی اور وہ تھے کہ ہر بار ٹال جاتے تھے لیکن اس بار اماں کی طبیعت جب بہت خراب ہوئی تو اماں نے اپنی بات ان سے منوا ہی لی تھی اور یوں گھر میں جازم کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

سعدیہ باجی اپنے بچوں سمیت رہنے آ چکی تھیں ظاہر ہے انہیں ہی سارے انتظامات سنبھالنے تھے اماں کی تو طبیعت اس قابل نہیں تھی دوسری کوئی بہن بھاوج تھی نہیں اس لیے سارا بوجھ سعدیہ باجی کے کاندھوں پر تھا اور وہ سب کام بڑی خوش اسلوبی سے نمٹا رہی تھیں۔

اس وقت بھی وہ صارم کے ساتھ بازار سے آ کر بیٹھی تھیں جب موقع دیکھ کر صارم نے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی اماں عصر کی نماز پڑھنے اپنے کمرے میں گئی تھیں۔

''باجی!'' اس نے پکارا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ہاں بولو۔'' وہ مصروف انداز میں بولیں چیزیں سمیت رہی تھیں۔

''مجھے آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔'' نظریں نیچی تھیں۔

''کس سے؟'' باجی ہنوز مصروف تھیں۔

''وہ...... وہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے عدین نام ہے اس کا۔'' صارم نے جلدی سے اپنی بات ختم کی باجی کے ہاتھ رک گئے اور مسکراہٹ چھپا کر اسے دیکھنے لگیں اس کی نظریں نیچی تھیں انہیں اپنے بھائی پر ٹوٹ کے پیار آ گیا کتنا بھولا اور شرمیلا ہے وہ اسے تنگ کرنے لگیں۔

''پھر......؟'' انداز اجنبیت لیے ہوئے تھا وہ زچ ہونے لگا پھر بھی تحمل سے بولا۔

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' کہہ کر پھر رک گیا سعدیہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہیں۔

''آپ اس سے مل کر بہت خوش ہوں گی ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں'' صارم نے جلدی سے بات مکمل کی کہ اس کے بنا چارہ نہیں تھا اور اس کے انداز پر سعدیہ باجی کے منہ سے قہقہہ ابل پڑا وہ انہیں ہنستے دیکھ کر حیرت سے تکنے لگا۔

''ارے میرا بھولا بھائی اس میں اتنا شرمانے کی کیا بات ہے اچھی بات ہے کہ مجھے اب تمہارے لیے لڑکی تلاش نہیں کرنی پڑے گی تم نے تو میری مشکل آسان کر دی۔'' باجی اس کے گال چھوتے ہوئے بولیں۔

''یعنی آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے میری پسند پر؟'' وہ اب تک حیران تھا۔

''ارے ہیں بھئی مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا شادی تمہیں کرنی ہے زندگی تمہیں گزارنی ہے تو میں بیچ میں ظالم سماج کیوں بنوں۔'' سعدیہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خوشدلی سے بولیں تو صارم نے نعرہ لگایا۔

''ہرا...... باجی یو آر دی گریٹ۔''

''اچھا اب مکھن بعد میں لگانا مجھے تصویر تو دکھا دو لڑکی کی کہیں بھینگی تو نہیں۔'' باجی ہنستے ہوئے بولیں۔

''نہیں نہیں باجی کیسی باتیں کر رہی ہیں وہ بہت خوبصورت ہے۔'' صارم جلدی سے بولا۔

باجی ایک بار پھر ہنسنے لگیں پھر صارم نے انہیں اپنے موبائل میں عدین کی تصویر دکھائی جسے باجی نے دیکھتے ہی پاس کر دیا۔

''لڑکی تو واقعی بہت پیاری ہے پرفیکٹ جوڑی ہے۔'' باجی نے کھلے دل سے تعریف کی تو صارم کی باچھیں کھل گئیں اور یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی انجام پایا۔ صارم فوراً ہی ''ابھی آیا'' کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔

''کدھر چلے۔'' باجی نے پیچھے سے پکارا۔

''عدین کو بتانے۔'' صارم نے وہیں سے ہانک لگائی تو باجی نے اس کے ہنستے مسکراتے چہرے کی بلائیں لے ڈالیں اور صدا خوشیوں کی دعائیں دے ڈالیں۔

انہیں صارم سے بہت محبت تھی گودوں میں جو کھلایا تھا اسے......!

اِدھر صارم نے فوراً فون کر کے عدین کو بتا دیا کہ اس نے باجی کو اس کی تصویر دکھا دی ہے اور باجی نے اسے پسند بھی کر لیا ہے تو عدین کے سر سے جیسے بوجھ اتر گیا اور اس نے کہا۔

''شکر ہے تم نے ایک مرحلہ تو حل کر لیا ہے اب دیکھتے ہیں کہ تم ہمارے گھر رشتہ لے کر کب آتے ہو۔''

''بہت جلد مس عدین طاہر۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولا تو عدین نے صدق دل سے آمین کہا۔

☆......☆......☆

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ مہینہ یوں ہی گزر گیا اور گھر میں جازم بھائی کی شادی کی تیاریاں عروج پر پہنچ گئیں باجی تو ایک مہینے سے اپنے گھر بھی نہیں گئی تھیں اس معاملے میں ان کے شوہر شعیب بھائی بے حد کوآپریٹو تھے انہوں نے ایک پل کے لیے بھی تیوری پر بل نہ ڈالے بلکہ بڑی خوشدلی سے خود بھی ہر کام میں حصہ لے رہے تھے دیکھا جائے تو سارے انتظامات ہی وہ دونوں دیکھ رہے تھے امی ابو تو اس قابل نہ تھے دونوں شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض تھے اب بیٹی داماد کو سارے کام نمٹاتے دیکھ کر دل سے دعائیں دے رہے تھے صارم تو صدا کا لاابالی تھا اسے تو کوئی ذمہ داری نہیں دی جا سکتی تھی اسی لیے باہر کے سارے معاملات شعیب بھائی دیکھ رہے تھے ہاں چھوٹے موٹے کام صارم کر دیا کرتا تھا آخر اسے بھی تو بھائی کی شادی کی خوشی تھی مایوں سے ایک دن پہلے جازم آ گئے تو جیسے گھر میں رونق اتر آئی انہیں چھٹی ہی ایک دن پہلے ملی تھی ان کے آرام کرنے کے بعد باجی نے انہیں ساری بری وغیرہ دکھائی ساری تیاری دیکھ کر جازم نے بھی باجی کا شکریہ ادا کیا جس پر باجی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا دی اور کہا۔

''چل پاگل بڑی بہن ماں کی جگہ ہوتی ہے اور کوئی اپنی ماں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔''

''پھر بھی آپ نے اپنے بچوں اور گھر کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ میری اور اس گھر کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔'' جازم کی آنکھیں اور لہجہ تشکر کے احساس سے نم تھا۔

''اب بس کر دولہا زیادہ نہیں بولتے۔'' باجی نے بات مذاق میں اڑا دی تو سب ہنسنے لگے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆......☆......☆

مایوں والے دن عدین نے یلو کلر کی فراک کے ساتھ گرین بنارسی چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سادو پٹہ لیا تھا اور ساتھ گیندے کے پھولوں کی جیولری پہنی تھی ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی صارم تو اسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا اتنی حسین وہ آج سے پہلے کبھی نہ لگی تھی وہ اسے ایک ٹک دیکھتا رہ گیا اس کی محویت دیکھ کر عدین کھنکاری کہ آس پاس کے لوگ متوجہ ہونے لگے تھے وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' لہجہ دھیما تھا کہ عدین نے سن لیا اور آنکھوں سے اسے چپ رہنے کا اشارہ بھی کیا کہ امی ساتھ تھیں پتہ نہیں انہوں نے سنا کہ نہیں کیونکہ وہ صارم کی امی اور باجی سے مل رہی تھیں۔

''السلام علیکم آنٹی کیسی ہیں آپ؟ بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔'' عدین صارم کی امی سے گلے ملنے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا خیر مبارک ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو اللہ نظر بد سے بچائے۔'' امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی کھلے دل سے تعریف کی تو اس نے ایکدم نظریں جھکا لیں تو باجی کہنے لگیں۔

''جی ماشاء اللہ آنٹی گھر جا کر اس کی نظر اتار لیجیے گا بہت اچھی لگ رہی ہے کسی کی نظر لگ جائے گی۔'' آخری جملہ انہوں نے صارم کو دیکھتے ہوئے کہا جواب بھی بڑی محویت سے عدین کو تک رہا تھا اور عدین بری طرح گھبرا رہی تھی۔

''تمہاری محبت ہے بیٹا جیتی رہو تم بھی بہت پیاری لگ رہی ہو نظر اتار لینا۔'' آنٹی نے شفقت سے باجی کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کی تعریف کی تو سعدیہ بولیں۔

''شکریہ آنٹی آپ کی محبت' آپ لوگ بیٹھیں ناں ارے صارم جاؤ آنٹی اور عدین کو لے جا کر بٹھاؤ۔'' انہوں نے کھوئے ہوئے صارم کو ہدایت کی تو صارم اس کام پر نہال ہو گئے۔

''جی جی آنٹی چلیں۔''

انتظام گھر کے لان میں ہی کیا گیا تھا ساری رسمیں بخیر و خوبی انجام پائیں اور پھر دو دن کے بعد ہی فریحہ دلہن بن کر ان کے آنگن میں آ گئی ہر طرف جیسے خوشیاں ہی خوشیاں تھیں سب بہت خوش تھے۔

☆......☆......☆

جازم کی چھٹیاں کب ختم ہوئیں پتہ ہی نہیں چلا اس وقت بھی وہ سب ناشتے کی ٹیبل پر تھے جب جازم بولے۔

''امی میری چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں کل صبح میں روانہ ہو جاؤں گا۔'' فریحہ اس وقت اس کی پلیٹ میں آملیٹ ڈال رہی تھی اس کے چلتے ہاتھ یکدم ہی رک گئے تھے اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی امی بولیں۔

''ارے بیٹا تمہاری چھٹیاں ختم بھی ہو گئیں دیکھو پتہ ہی نہیں چلا کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ خوشیوں کے پل بہت جلدی گزر جاتے ہیں۔'' پھر سرد آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

''خیر بیٹا تمہیں جانا تو ہے ہی خیر سے جاؤ۔''

ماحول ایکدم سوگوار سا ہونے لگا تو ابو بولے۔

''ارے بیگم آپ کیسی مایوسی کی باتیں کر رہی ہیں آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ ہمارا بیٹا فوجی ہے ملک کا محافظ ہے اس کو ہم نے ملک و قوم کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نام کر دیا ہے اب یہ آپ سے زیادہ وطن کا بیٹا ہے کیوں بیٹا؟" انہوں نے تائیدی نظروں سے جازم کو دیکھا تو جازم فوراً بولے۔

"جی ابو بالکل آپ یہ باتیں امی کو سمجھاتے رہا کریں میری چھٹیاں ختم ہونے لگتی ہیں تو یہ ہمیشہ ایسے ہی اداس ہو جاتی ہیں" وہ مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھنے لگا۔

"ہاں بیٹا جانتی ہوں کہ میں ایک فوجی کی ماں ہوں اور مجھے اس بات پر فخر بھی ہے بس کبھی کبھی میرے اندر کی ممتا تڑپنے لگتی ہے اپنے بچے کے لیے۔" انہوں نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی تو فریحہ کے بھی آنسو بہنے لگے جازم ایکدم اٹھ کر اُن کے پاس چلا آیا اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا فریدہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم لی حمید صاحب نے فریحہ کو آنسو پونچھتے دیکھا تو بولے۔

"ارے فریدہ بیگم آپ نے تو بہو کو بھی رلا دیا یہ کیا ہے بھئی' خوشی خوشی رخصت کرو بیٹے کو' چند دن کے بعد وہ پھر سے آ جائے گا انشاءاللہ۔"

جازم نے چونک کر فریحہ کو دیکھا اس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہو رہی تھیں وہ پانی کا گلاس لیے اس کے پاس چلا آیا۔

"محترمہ آپ ایک فوجی کی بیوی ہیں یہ آنسو کمزوری کی علامت ہیں اور ایک فوجی کی بیوی کو بہادر ہونا چاہیے اس طرح بات بات پر آنسو نہیں بہانا چاہئیں چلو شاباش پانی پیو۔" وہ دھیمے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔ لہجہ محبت پاش تھا فریحہ نے فوراً آنکھیں خشک کر لیں جازم سے دوری اسے تڑپا رہی تھی لیکن یہ تو طے تھا کہ اسے بہرحال واپس ہی جانا تھا اس نے جازم کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور پانی کا گھونٹ بھر کر واپس رکھ دیا جازم ابھی کچھ کہتا کہ امی بولیں۔

"جازم ایسا کرو تم دلہن کو اپنے ساتھ ہی لے جاؤ یہ بے چاری یہاں تمہارے بغیر پریشان ہو جائے گی اس کا دل بھی نہیں لگے گا یہاں تمہارے بغیر۔" انہیں فریحہ کی فکر ہونے لگی تھی آخر ان کی چہیتی بھتیجی تھی فریحہ......

جازم نے حیرت سے فریدہ بیگم کو دیکھا۔

"امی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ میں آپ لوگوں کو بالکل اکیلا نہیں کر سکتا ہاں اگر صارم کی شادی ہو گئی ہوتی تو اس کی بیوی یہاں ہوتی آپ دونوں کی دیکھ بھال کے لیے' لیکن ابھی تو فی الحال فریحہ ہی آپ دونوں کا خیال رکھے گی ہاں صارم کی شادی کے بعد میں فریحہ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا ابھی نہیں۔" اُس نے قطعیت سے کہا۔

"ارے نہیں بیٹا تم ہماری فکر نہ کرو ہم ایک دوسرے کا خیال رکھ لیں گے اور صارم تو ہے نا گھر میں سعدیہ بھی ہر ہفتے چکر لگاتی ہے تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" ابو اسے سمجھانے لگے تو فریحہ پہلی بار بولی۔

"نہیں امی ابو میں آپ دونوں کے ساتھ ہی رہوں گی جازم سے دوری تو وقتی ہے یہ دوبارہ آ جائیں گے کچھ دنوں بعد لیکن یہاں آپ دونوں کا خیال رکھنے کو کوئی نہیں میں آپ دونوں کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی جازم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" فریحہ نے نظریں جھکائے جھکائے اپنا فیصلہ سنایا تو جازم اسے محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا جبکہ صارم نے بھی چونک کر دیکھا فریحہ بھابی اسے بہت بلندی پر دکھائی دیں وہ اس کی عظمت کا قائل ہو گیا ورنہ کون لڑکی اپنے ساس سسر کے لیے قربانی دیتی ہے جبکہ ساس سسر خود اسے بھیجنا چاہ رہے ہوں فریحہ کی بات سن کر امی نہال ہو گئیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ارے میری بچی جیتی رہو تمہیں ہمارا کتنا خیال ہے ہمیشہ خوش رہو اللہ تمہارا سہاگ سلامت رکھے آمین۔'' امی نے اُسے صدقِ دل سے دعا دے ڈالی اس نے دل ہی دل میں آمین کہا۔

''اچھا امی صارم کی شادی کے بارے میں آپ نے کیا سوچا کوئی لڑکی وڑکی دیکھی اس کے لیے؟ یا یہ خود ہی کسی کو پسند کرتا ہے؟'' جازم نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے موضوع بدل دیا اور تجسس سے امی اور صارم کو دیکھنے لگے اور صارم کو پھندہ لگ گیا۔

''ارے دیکھو ذرا مصروفیات میں' میں تمہیں بتانا ہی بھول گئی صارم نے تمہاری مایوں میں ہمیں ایک لڑکی سے ملوایا تھا عدین نام ہے اس کا بڑی اچھی بچی ہے اس کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔'' امی نے تفصیل بتائی تو جازم نے برابر میں سر جھکا کر بیٹھے صارم کا کان پکڑ لیا۔

''اچھا تو موصوف نے چپکے چپکے لڑکی بھی پسند کر لی اور ہمیں کچھ خبر ہی نہیں ہے۔'' لہجے میں شرارت تھی صارم اپنا کان چھڑوانے لگا سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''نہیں نہیں بھائی میں نے سعدیہ باجی کو بتا دیا تھا۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولا۔

''اچھا...... ! دیکھ رہی ہو فریحہ اپنے دیور کی حرکتیں۔'' وہ خوشگوار لہجے میں فریحہ سے مخاطب تھے فریحہ زیرِ لب مسکرانے لگی اور بولی۔

''ہاں تو اس میں بری کونسی بات ہے اگر اس نے لڑکی پسند کر لی ہے تو ہم اس سے صارم کی شادی کریں گے بلکہ ہماری تو مشکل آسان ہو گئی ہمیں لڑکی تلاش نہیں کرنی پڑے گی۔'' فریحہ ہنسنے لگی تو صارم نے تشکر سے اُسے دیکھا جازم بولے۔

''لو بھئی اب بھابی صاحبہ بھی دیور کی حمایت میں بول رہی ہیں اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔'' پھر امی سے مخاطب ہوئے۔

''امی ایسا کریں آپ آج سعدیہ باجی کو بھی بلا لیں ہم آج ہی عدین کے گھر چلتے ہیں اور صارم کے ساتھ عدین کا رشتہ پکا کر دیتے ہیں ٹھیک ہے ناں ویسے بھی کل تو میں چلا جاؤں گا تو یہ نیک کام کر کے ہی جاؤں۔''

''ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔'' امی مسکراتی ہوئی بولیں۔

صارم کے دل میں تو لڈو پھوٹنے لگے تھے پورے کے پورے دانت باہر تھے۔

جازم نے دیکھا تو بے اختیار مسکرانے پر مجبور ہو گئے۔

''امی دیکھ رہی ہیں آپ اپنے لاڈلے سپوت کو' ان کے دانتوں کی نمائش شروع ہو چکی ہے ذرا خوشی تو دیکھیے محترم کی پھوٹی پڑ رہی ہے جیسے ہفت اقلیم ہاتھ لگ گئی ہو۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں صارم کو چھیڑ رہے تھے ورنہ دل ہی دل میں اس کی ہمیشہ خوشیوں کی دعائیں مانگ رہے تھے اور اسے اتنا خوش دیکھ کر سرشار تھے۔

''ماشاء اللہ ...... اللہ نظرِ بد سے بچائے میرے شہزادے کو ہمیشہ یونہی ہنستا مسکراتا رکھے۔'' امی نے جھٹ اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

''آمین۔'' سب نے صدقِ دل سے کہا تھا۔

اور پھر تھوڑی دیر میں فون کر کے سعدیہ باجی کو بھی بلوا لیا گیا اس ہنگامی منگنی کا سن کر وہ بھی دوڑی چلی آئیں اور شام کی تیاریاں شروع کر دیں۔

''صارم یہ تو بتاؤ کہ عدین کے گھر والوں کو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پتہ بھی ہے کہ ہم آج اُن کے گھر جارہے ہیں اور کس مقصد سے جارہے ہیں۔'' سعدیہ باجی صارم سے مخاطب تھیں۔

'' جی جی باجی وہ لوگ باخبر ہیں ہماری آمد سے بھی اور ہمارے مقصد سے بھی۔'' صارم مکمل اعتماد سے بولا ساتھ فرنچ فرائز کھانے کا شغل بھی جاری تھا جو سعدیہ بارجی نے اپنے بیٹے ہادی کے لیے بنائے تھے اور ہادی سے زیادہ صارم انصاف کررہا تھا اس کی اسپیڈ دیکھ کر سعدیہ باجی اسے ٹوکنے پر مجبور ہوگئی تھیں۔

''بس بھی کرواتنے آلو کھاؤ گے تو آلو ہی بن جاؤ گے اور پھر عدین فوراً تم سے شادی کرنے سے انکار کردے گی۔'' انہوں نے پلیٹ پیچھے کھسکا دی۔

'' ارے باجی کھانے دیں ناں کچھ نہیں ہوگا میں موٹا کہاں ہوں اتنا اسمارٹ تو ہوں۔'' وہ احتجاجاً بولا فرنچ فرائز اس کی کمزوری تھے جواب ہادی کے آگے رکھے تھے اور وہ جھپٹنا چاہ رہا تھا اور ہادی مزید شیئر کرنے سے انکاری تھا۔

''کیا ہے صارم بالکل بچے بنے ہوئے ہو میچور ہو جاؤ شہزادے شادی تبھی ہوگی جب تم بڑے ہو جاؤ گے۔'' جازم یہ سب منظر بڑی دلچسپی سے دروازے میں کھڑے دیکھ رہے تھے اس کی بچکانہ حرکت پر مداخلت کرنا پڑی لیکن لہجہ محبت سے چور تھا آخر صارم سب سے چھوٹا اور سب کا چہیتا اور لاڈلا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ اب بھی کہیں نہ کہیں اس میں بچپنا موجود تھا۔

جازم کی آواز سن کر صارم نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور جھینپ سا گیا جبکہ سعدیہ مسکرانے لگیں جازم بھی زیرلب مسکرارہے تھے۔

''جی بھائی جان میں بڑا تو ہوگیا ہوں آپ ہی لوگ مجھ سے بچوں کی طرح لاڈ کرتے ہیں جس سے مجھے لگتا ہے جیسے میں ابھی تک چھوٹا ہوں۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

'' کیونکہ تو میرا چھوٹو ہے اور چھوٹو ہی رہے گا۔'' جازم اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولے تو سعدیہ بولیں۔

'' آپ کا چھوٹو واقعی بڑا ہوگیا ہے جازم' پتہ ہے عدین کے گھر والے ہماری آمد سے باخبر ہیں اور تیار بھی۔'' سعدیہ باجی کی بات سن کر جازم کے منہ سے بے اختیار ''اچھا......'' نکلا اور انہوں نے خوشگوار حیرت سے صارم کی طرف دیکھا صارم نے گڑبڑا کر سعدیہ باجی کو دیکھا اور پھر جازم اور سعدیہ کا مشترکہ قہقہہ سن کر گردن جھکالی' خوشیاں ہر طرف رقصاں تھیں۔

☆......☆......☆

اور پھر اسی شام وہ سب لوگ عدین کے گھر روانہ ہوگئے تھے عدین کے گھر والوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا وہ سب ذہنی طور پر پہلے سے تیار تھے اور پھر جب انہیں کہا گیا کہ جازم کل واپس چلے جائیں گے اس لیے اگر اعتراض نہ ہو تو آج ہی بات پکی کرلی جائے تو ان لوگوں نے آپسی صلح مشورے سے صارم کے گھر والوں کا مان رکھا اور اسی دن عدین کو صارم کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی دونوں گھرانے اس رشتے پر بہت خوش تھے اور صارم کے تو زمین پر پیر نہیں ٹک رہے تھے وہ خوشی سے دیوانہ ہورہا تھا عدین اس کی محبت اس کی منگیتر بن چکی تھی عدین کے گھر والوں نے شادی دوسال بعد کرنے کا کہا جس پر ظاہر ہے کسی کو اعتراض نہ تھا اس عرصے میں عدین اور صارم کی پڑھائی بھی مکمل ہوجاتی اور صارم کو اچھی جاب بھی مل جاتی اس لیے یہ ملاقات بحسن و

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خوبی تمام ہوئی اور صارم کے گھر والے خوشی خوشی واپس لوٹے۔

اگلے ہی دن جازم سب کی آنکھیں نم کر کے واپس لوٹ گئے اور فریحہ کے لیے ان کی یادیں ہی رہ گئیں یا وہ حسین پل جو ان کے ساتھ گزرے تھے لیکن اس دوری کے باوجود اسے جازم پر فخر تھا کہ وہ ایک فوجی ہے اور خود پر ناز کے وہ ایک فوجی کی بیوی ہے اس دوری اور تنہائی میں بھی وہ خوش اور مطمئن تھی گھر میں سب اپنے ہی تھے ساس سسر کے روپ میں شفیق ماموں اور ممانی تھے جنہیں وہ اب امی' بابا ہی بولتی تھی اور چلبلا سا صارم تھا جو ہمہ وقت گھر میں رونق لگائے رکھتا اسے نت نئے لطیفے سناتا خوب ہنسی مذاق کرتا اور اسے بور نہیں ہونے دیتا تھا اسے بھی صارم بے حد عزیز تھا وہ اسے عدین کا نام لے لے کر چھیڑتی کوئی چٹکلہ چھوڑتی اور صارم کا تو من پسند مشغلہ ہی عدین کا تذکرہ کرنا تھا۔

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

والی بات صارم پر فٹ بیٹھتی تھی امی بابا بھی گھر کے ماحول سے خوش اور مطمئن تھے جازم کا فون آتا تو سب اکٹھے ہو کر اس سے بات کرتے تھے اور جب فریحہ کی باری آتی تو سب دانستہ ہٹ جاتے تھے تا کہ فریحہ کھل کر بات کر سکے۔

اور جب جازم چھٹیوں پر گھر آتے تو سعدیہ بھی آ جاتی اور یوں گھر میں رونق سی لگ جاتی پھر اچانک گھر میں نئے مہمان کی آمد کے چرچے ہونے لگے امی بابا' جازم اور سعدیہ بے حد خوش تھے اتنے سالوں بعد گھر میں کوئی ننھا مہمان آنے والا تھا اور صارم اس کی تو جیسے لاٹری لگ گئی تھی سب سے زیادہ وہ ایکسائیٹڈ تھا۔

فریحہ کے کمرے میں پیارے سے گول مٹول بچے کی تصویر صارم نے ہی لا کر لگائی۔

ہر مہینے وہ کچھ نہ کچھ اٹھا کر لے آتا کبھی کھلونے' کپڑے' جوتے اور نجانے کیا کیا گھر میں سب اس کی خوشی کو محسوس کر رہے تھے۔

چند دن بعد جازم چھٹیوں پر آئے تو امی بابا نے اسے جازم کے ساتھ زبردستی شاپنگ پر بھیج دیا اس نے لاکھ انکار کیا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے پر امی بابا کی ضد کے آگے اس کی ایک نہ چلی اور وہ ان محبتوں پر نہال ہوئی جازم کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی واپسی پر انہوں نے کھانا باہر ہی کھایا اور خوب تفریح کی فریحہ کے لیے یہ پل بے حد قیمتی تھے وہ چاہ رہی تھی وقت یہیں تھم جائے۔

لیکن وقت کب کس کے لیے رُکا ہے جواب رُکتا وہ لوگ خوب انجوائے کرتے گھر لوٹ گئے اس نے آج جازم کے ساتھ مل کر ڈھیروں شاپنگ کی تھی ننھے ننھے کپڑے' جوتے' کھلونے اور چھوٹی چھوٹی ضرورت کی بے شمار چیزیں آج جازم بھی بے حد خوش تھے۔ ان دونوں کو خوش دیکھ کر امی بابا نے انہیں ڈھیروں دعائیں دیں اور وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں خوشیوں کے پل پر لگا کر اڑتے ہیں سو فریحہ کے ساتھ بھی یہی ہوا پتہ ہی نہ چلا یہ خوشیوں بھرے پل کب گزرتے چلے گئے سب اس کا بے حد خیال رکھتے تھے اور پھر وہ دن بھی آ پہنچا جب قدرت نے اسے رحمت سے نوازا اس کے گھر بیٹی نے جنم لیا تھا سب اس ننھی پری کو پا کر بے حد خوش تھے وہ تھی ہی اتنی پیاری نرم و نازک پھولوں سی پاکیزہ جازم دو دن پہلے ہی آ چکے تھے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ قدرت کے اس تحفے پر شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے انہوں نے پورے اسپتال میں مٹھائی تقسیم کی خوب صدقہ خیرات کیا وہ بار بار اس ننھی گڑیا کو چھوتے اسے چومتے اسے اس طرح گود میں لیتے جیسے وہ کانچ کی گڑیا ہو فریحہ بھی سب کو خوش دیکھ کر نہال تھی حسب روایت سعدیہ باجی کو تنگ دیا گیا ان دنوں وہ فریحہ کا بے حد خیال رکھ رہی تھیں۔

سب نے مشورہ کر کے اس ننھی گڑیا کا نام فجر رکھا فجر کے روپ میں جیسے سب کو کھلونا مل گیا تھا اور صارم کی تو جیسے جان بستی تھی فجر میں وہ اسے بالکل روتے نہیں دیکھ سکتا تھا جیسے ہی اس کی تھوڑی سی آواز نکلتی یا وہ کسمائی وہ جھٹ اسے گود میں اٹھا لیتا امی بولتی رہ جاتیں۔

''ارے اسے گود کا عادی نہ بناؤ وہ فریحہ کو تنگ کرے گی اور ہر وقت گود مانگے گی تم تو ہر وقت گھر میں ہوتے نہیں ہو بے چاری فریحہ پریشان ہو جائے گی۔'' تب وہ فجر کو چومتے ہوئے کہا۔

''امی آپ بے فکر رہیں میں ہوں ناں اس کے نخرے اٹھانے کے لیے' کچھ بھی ہو میں اسے روتا نہیں دیکھ سکتا اس میں میری جان بستی ہے۔''

اس کی اس بات پر سب مسکرا دیتے اور لاجواب ہو جائے وہ ہر دم فجر کے ساتھ رہنا چاہتا تھا جازم تو چند دن بعد ہی لوٹ گئے تھے سو صارم فجر پر محبتیں نچھاور کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اس کی مسکراہٹیں اور قلقاریاں اس میں جیسے نئی روح پھونک دیتی تھیں۔

☆......☆......☆

فجر چھ ماہ کی ہو چکی تھی فریحہ کے شب و روز فجر کے ساتھ بہت مصروف ہو چکے تھے اس عرصے میں جازم صرف ایک بار ہی آ سکے تھے وجہ ملکی حالات تھے جس کی وجہ سے فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ ہو چکی تھیں جازم کا فون آیا تھا سب کی خیر خیریت جاننے کے بعد وہ بولے

''فریحہ مجھے ایک محاذ پر بھیجا جا رہا ہے تم دعا کرنا کہ اللہ پاک ہمیں سرخرو کرے۔''

''جی' کب؟'' فریحہ ایک دم چونکی اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

''بس آج ہی روانہ ہو رہے ہیں میں نے سوچا تمہیں انفارم کردوں میں زیادہ رابطہ نہیں کر پاؤں گا تم پریشان مت ہونا اور......'' وہ بات کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے فریحہ کی سسکیاں سن کر لحہ بھر کو خاموش ہو گیا پھر بولا۔

''تم رو رہی ہو فریحہ۔'' جواب میں صرف سسکیاں......

جازم کو فریحہ کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے ان کی شادی کو دو سال ہونے والے تھے اور جازم فریحہ کے ساتھ بہت کم وقت گزار پائے تھے ظاہر ہے کہ وہ ایک فوجی تھے اور ان کے لیے ہر چیز اور ہر شخص سے پہلے اپنا ملک عزیز تھا جس کے وہ محافظ تھے انہیں اپنے وطن اور اپنے فرائض سے جنون کی حد تک عشق تھا جس کے لیے وہ ہر چیز قربان کر سکتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی فیملی سے دور رہ کر بھی مطمئن تھے۔

''فریحہ دیکھو پلیز رو ؤ مت...... تم جانتی ہوناں کہ تم ایک آرمی آفیسر کی بیوی ہو میں اسے سمجھا رہا تھا' تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں پلیز......!''

فریحہ نے جلدی سے آنسو خشک کیے۔

''نہیں میں رو تو نہیں رہی بس ایسے ہی آپ کی یاد آ گئی تھی۔''

''ہاں تو میں بات کر تو رہا ہوں تم سے دیکھو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تمہارے کتنا قریب ہوں مجھے محسوس کرو۔'' لہجے میں شیرینی گھلی تھی وہ فریحہ کا ذہن بٹا رہا تھا اور اس میں کامیاب بھی رہا۔

''جی جانتی ہوں۔'' فریحہ ایکدم مسکرانے لگی اسی لہجے کی تو وہ اسیر تھی جازم نے موضوع بدلا۔

''اچھا بتاؤ میری ننھی پری کیسی ہے؟ اب تو بڑی ہو گئی ہو گی بیٹھنے لگی ہو گی ناں۔'' وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا کتنے مہینے سے فجر کو نہیں دیکھا تھا صبر کیسے آتا۔

''جی ماشاء اللہ آپ کی پری بالکل ٹھیک ہے اور اب بیٹھنے بھی لگی ہے تھوڑا تھوڑا...... اور پتہ ہے بہت شرارتی اور باتونی بھی ہو گئی ہے۔'' فریحہ کے لہجے میں ممتا کی مٹھاس تھی۔

''اچھا...... ماشاء اللہ تم نظر اُتار لینا اس کی...... اور ہاں آج مجھے فجر کی ایک تصویر بھی سینڈ کرو میں دیکھنا چاہتا ہوں اپنی پری کو۔'' جازم بے تابی سے بولے۔

''او کے کر دوں گی مگر آج خیال کیسے آیا اس سے پہلے میں کہتی تھی تو آپ انکار کر دیتے تھے۔ اب کیوں مانگ رہے ہیں؟'' فریحہ نے استفسار کیا دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''اس لیے کہ...... کیونکہ بہت دن ہو گئے ہیں فجر کو دیکھے ہوئے اور اب میں محاذ پر جا رہا ہوں تو......'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تھے فریحہ کو ان کی خاموشی چبھنے لگی تھی۔

''تو......؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''تو پتہ نہیں میں زندہ لوٹ بھی سکوں گا یا...... یا پھر شہادت نصیب ہو گی اور میں اپنی بیٹی کو دیکھے بنا اس دنیا سے نہیں جانا چاہتا۔'' وہ دھیمے اور مطمئن لہجے میں بولے تو فریحہ لمحہ بھر کو کانپ کر رہ گئی اور بے اختیار بولی۔

''خدا نہ کرے اللہ آپ کو بھی زندگی دے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ابھی فجر کو اور مجھے آپ کی ضرورت ہے۔''

''نہیں فریحہ میرے ملک کو میری زیادہ ضرورت ہے اور اگر میرے لہو سے میرے ملک میں لگی آگ کا کچھ حصہ بجھ سکتا ہے تو میں اپنا سارا لہو اپنے ملک پر نچھاور کرنے کو تیار ہوں مرنا تو ویسے بھی ایک دن ہے ہی تو کیوں نہ شہادت کی موت کو ترجیح دوں اور ویسے بھی ہم فوجیوں کا ارمان ہوتی ہے شہادت اور میری خدا سے دعا ہے کہ وہ میری یہ خواہش جلد پوری کر دے۔'' وہ ایک جذب کی کیفیت میں بول رہے تھے فریحہ چپ چاپ سن رہی تھی فقط صدق دل سے آمین ہی کہہ سکی وہ جان چکی تھی کہ جازم کے دل میں شہادت کی آرزو اب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکی ہے اور وہ محض اپنی وجہ سے جازم کو ان کی خواہش سے روک نہیں سکتی تھی۔

''فریحہ سنو......!''

''جی کہیے......''

''اگر میں اپنے ملک پر قربان ہو جاؤں تو تم ساری عمر میرے نام پر مت بیٹھی رہنا بلکہ کسی اچھے انسان سے شادی کر لینا جو تمہارا اور فجر کا بہت خیال رکھے تم دونوں کو بہت پیار دے پلیز اپنی زندگی جینا۔'' جازم آج پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں فریحہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''یا اللہ آج جازم کو کیا ہوا ہے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' اس نے کانپتے دل سے سوچا اور وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

''پلیز جازم اب بس بھی کریں آپ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں ٹھیک ہے اللہ آپ کو شہادت کے مرتبے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پرفائز کرے لیکن جازم ابھی تو عمر پڑی ہے آپ ابھی سے......" فریحہ سسک اٹھی۔

"کیونکہ میرا دل کہتا ہے کہ میں اب لوٹ نہیں سکوں گا۔" جازم نے اس کی بات کاٹی۔

"جازم پلیز......" وہ رونے لگی تھی جازم آج باتیں ہی ایسی کر رہے تھے کہ اس کے آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے۔

"او کے نہیں کرتا اب ہنس کے دکھاؤ جلدی سے۔" وہ اسے بہلانے لگے تھے اور فریحہ مسکرا دی تھی پھر اس نے فون بند کر کے جازم کو فجر کی تصویر سینڈ کر دی تھی جیسے جازم بہت دیر تک محویت سے تکتے رہے تھے۔

☆......☆......☆

جازم محاذ پر جا چکے تھے اکثر فریحہ سے فون پر بات کرتے اور اسے بڑے جذباتی انداز میں دشمن کی شکست کا احوال سناتے اپنے عزائم میں وہ بہت آگے جا چکے تھے۔

فریحہ ہر پل اُن کی سلامتی کی دعائیں مانگتی اس بات سے بے خبر کہ جازم نے اپنی شہادت کے اسباب خود پیدا کر لیے تھے وہ شہادت کے بے حد قریب تھے اور فریحہ بے خبر تھی۔

☆......☆......☆

گھر میں صارم کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں سعدیہ باجی ہر ویک اینڈ پر آ جاتیں اور فریحہ کے ساتھ مل کر صارم کی شادی کی تیاریاں کی جاتیں بس سب جازم کی آمد کے منتظر تھے صارم کو اچھی جاب مل چکی تھی اس سے اب انتظار مشکل ہو رہا تھا وہ جازم بھائی کے جلد صحیح سلامت لوٹنے کی دعائیں کرتا ظاہر ہے اُن کے آنے کے بعد ہی صارم کے سر پر سہرا سجنا تھا سو ہر روز فریحہ سے پوچھتا۔

"جازم بھائی کب آ رہے ہیں؟" اور فریحہ کہتی۔

"ابھی کچھ نہیں پتہ...... دعا کرو کہ جلدی لوٹ آئیں تاکہ تمہاری شادی ہو اور ہمیں سکون ملے۔"

فریحہ کے چھیڑنے پر وہ ہاتھ اٹھا کر "آمین" کہتا اور فریحہ کو ہنسی روکنا مشکل ہو جاتا۔

☆......☆......☆

بہت دیر سے فون بج رہا تھا لیکن لاؤنج میں اس وقت صرف امی تھیں جو کہ نماز میں مشغول تھیں فریحہ کچن میں مصروف تھی کیونکہ فجر سو رہی تھی اور فریحہ اس کے اٹھنے سے پہلے اپنا کام ختم کر لیتی تھی تاکہ فجر کو زیادہ سے زیادہ وقت دے سکے فون کی آواز سن کر وہ لاؤنج میں بھاگی آئی امی نماز میں تھیں سو اس نے فون اٹھا لیا۔

"السلام علیکم جی کون؟"

دوسری طرف کوئی اجنبی تھا لیکن وہ جو خبر فریحہ کو سنا رہا تھا فریحہ اس کے لیے بالکل بھی تیار نہ تھی وہ بالکل سن ہو چکی تھی۔ رنگ فق ہو چکا تھا الفاظ جیسے زبان سے چپک گئے تھے اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے اس کے جسم کی جان نچوڑ لی گئی ہو امی سلام پھیر چکی تھیں اور وہ حیرت سے فریحہ کا گنگ وجود دیکھ رہی تھیں۔

"کس کا فون ہے فریحہ......!" انہوں نے پوچھا لیکن فریحہ تو جیسے یہاں موجود ہی نہیں تھی یکدم ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور وہ تیورا کر گر پڑی امی تسبیح اور مصلہ چھوڑ کر دوڑیں ریسیور میں سے آواز آ رہی تھی۔

"ہیلو آپ سن رہی ہیں ناں؟" انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا اور دوسری طرف کی وہ خبر جسے سن کر فریحہ بے ہوش

www.urdusoftbooks.com

پڑی تھی ان کی سماعتوں نے بھی سنی اور بے اختیار ان کا ہاتھ سینے پر گیا اور بے اختیار ان کے لبوں سے اناللہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا اس خبر کے لیے تو وہ کب سے تیار تھیں لیکن اتنی جلدی یہ خبر سننے کو ملے گی اس کی انہیں امید نہ تھی جازم ملک پر نثار ہو گئے تھے انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا تھا۔ ان کا ارمان پورا ہو چکا تھا انہوں نے دشمن کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا اور گولیاں سینے پر کھائی تھیں۔

نفیسہ بیگم جس جگہ کھڑی تھیں اسی جگہ بیٹھتی چلی گئیں ایک آنسو لڑھکتا ہوا آیا اور ان کا چہرہ بھگوتا چلا گیا پتہ نہیں یہ دکھ کے آنسو تھے صبر کے یا پھر خوشی کے ان کا دماغ جیسے ماؤف ہو چکا تھا ان کے ذہن میں جازم کے بچپن سے جوانی تک کے دن گھومنے لگے تھے جب جازم چھوٹے تھے تب سے نفیسہ بیگم کا ارمان تھا کہ اسے فوج میں بھیجیں گی اور اسے گھٹی میں انہوں نے وطن سے محبت پلائی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اور جازم وطن کی محبت میں جان دینے کو ہی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے اور شاید فوج میں جانے کی اصل وجہ بھی شہادت تھی اور نفیسہ بیگم بھی ہر پل دعا کرتیں کہ ان کا لاڈلا شہادت کے مرتبے پر فائز ہو اور وہ ایک شہید کی ماں کہلائیں۔

پھر جب اب وہ شہادت پا چکے تھے تو یہ خاموشی پر جمود کیسا تھا؟

کیا وہ جازم کی شہادت سے رنجیدہ تھیں۔

''نہیں نہیں......'' انہوں نے یہ خیال آتے ہی آنسوؤں کو رگڑ ڈالا۔ مجھے جازم کی شہادت پر افسوس نہیں بلکہ مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ میرا برسوں کا ارمان جازم نے پورا کر دیا اور یہ خود اس کی بھی تو تمنا تھی۔

میں ایک شہید کی ماں ہوں آج جازم نے میرے دودھ کا قرض اتار دیا یہ سوچ آتے ہی ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور وہ بے اختیار سجدہ شکر بجا لانے لگیں۔ یکلخت اُن کو فریحہ کا خیال آیا جواب تک بے ہوش پڑی تھی وہ لپک کر پانی کا گلاس بھر لائیں تبھی ان کے مجازی خدا اقبال صاحب بھی داخل ہوئے وہ اندر کا منظر دیکھ کر بوکھلا اٹھے نفیسہ بیگم فریحہ کو ہوش میں لانے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ وہ دوڑ کر ان کے قریب پہنچے۔

''کیا ہوا ہے فریحہ کو؟'' ان کے سوال کرنے پر نفیسہ بیگم نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اقبال صاحب ان کی یہ حالت دیکھ کر لرز اٹھے ان کا دل کسی انہونی کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ انہوں نے براہ راست نفیسہ بیگم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا ہے نفیسہ بیگم۔''

اقبال صاحب کا یہ سوال نفیسہ بیگم کے ضبط کے سارے بندھن توڑ گیا وہ جو اپنے سینے پر ضبط و صبر کی سل رکھے بیٹھی تھی دو پل میں ڈھیر ہونے لگی۔

وہ اقبال صاحب کے سینے سے لگ کر بلک اٹھیں۔

''اقبال صاحب ہمارا جازم......'' بس انہوں نے آنسوؤں کے درمیان اتنا ہی کہا اور اقبال صاحب سب سمجھ گئے۔ جازم کے محاذ پر جاتے ہی وہ اپنا ذہن ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار کر چکے تھے لیکن اتنی جلدی یہ سب سننے کو ملے گا اس کی انہیں بھی خبر نہ تھی وہ بس اتنا ہی کہہ سکے۔

''صبر کرو نفیسہ بیگم ہمارا بیٹا شہید ہوا ہے وہ مرا نہیں زندہ ہے اور زندہ لوگوں کے لیے رویا نہیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرتے صبر کرو اپنے آنسو پوچھ لو اب ہمیں فریحہ اور فجر کو دیکھنا ہے حوصلہ رکھو خود کو کمزور مت پڑنے دینا فریحہ کو دیکھو۔"

وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول رہے تھے نفیسہ بیگم کا دل کچھ ہلکا ہوا انہوں نے اپنے آنسو خشک کیے اور بڑے صبر اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا اور فریحہ کی طرف بڑھیں اس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھا اس کی پیشانی پر بوسہ دیا ان کی یہ چہیتی بھتیجی جوانی میں ہی بیوہ ہو چکی تھی وہ اپنا غم غلط کرتیں یا فریحہ کا بہرحال اب انہیں بہت ہمت اور حوصلے سے کام لینا تھا اگر وہ ہی کمزور پڑ جاتیں تو فریحہ اور فجر کو کون دیکھتا بس یہی سوچ کر انہوں نے اپنے دل پر صبر و ضبط کی سل رکھ لی تھی وہ فریحہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگیں تھوڑی سی کوشش کے بعد فریحہ نے آنکھیں کھول دیں کچھ دیر تک خالی الذہنی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس کی نظر فون پر پڑی اور اس کو سب یاد آ گیا وہ خبر...... قیامت سے کم نہیں تھی اس کا جازم اس کا مجازی خدا جامِ شہادت نوش کر چکا تھا وہ بیوہ ہو چکی تھی اس نے ایک نظر پھوپو کو دیکھا جو محبت سے اس کا سر سہلا رہی تھیں اور چہرے پر صبر ہی صبر تھا۔ لیکن اس سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا اور وہ بے اختیار پھوپو (نفیسہ بیگم) کے گلے لگ کے بلک بلک کر رونے لگی نفیسہ بیگم نے اسے کھل کے رونے دیا بس شفقت سے اس کی کمر اور سر پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔

"صبر کرو میری بچی جازم شہید ہے وہ زندہ ہے اسے تکلیف ہو گی ہمارے رونے سے مطمئن ہو جاؤ یہ اس کی خواہش تھی کہ وہ شہادت حاصل کرے اللہ پاک نے اس کی خواہش کی تکمیل کی ہے ہمیں اس کی رضا میں راضی رہنا ہے بیٹی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتی رہیں اور فریحہ کے آنسو تھم سے گئے۔

پھر جازم کی باڈی بڑی عزت و احترام کے ساتھ لائی گئی ساری رسومات بڑی عقیدت و احترام سے ادا کی گئیں۔

سب کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے لیکن خاموش تھے اور سعدیہ بھی غم سے نڈھال تھیں لیکن اپنا غم چھپا کر سب کو دیکھ رہی تھیں حوصلہ دے رہی تھیں۔

ایک مہینہ ہو چکا تھا لیکن صارم کی چپ کو دیکھ کر سعدیہ اور نفیسہ بیگم ہولتی رہتیں فریحہ الگ گم صم رہتی کھانے کی ٹیبل پر خالی پلیٹ میں چمچہ چلاتی رہتی خلاؤں میں دیکھتی رہتی سعدیہ کبھی فریحہ کو بہلاتی کبھی صارم کو......!

کبھی امی سے بے مقصد باتیں کرتی رہتی وہ اکیلی سب کا خیال رکھ رہی تھی۔ صارم تو ایک مہینے سے آفس بھی نہیں گیا تھا نہ ہی عدین سے بات کر رہا تھا عدین کا فون آتا تو ہوں ہاں کرتا اور پھر فون بند کر دیتا۔

عدین اس کے اس رویے سے کافی پریشان تھی وہ اب تک جازم بھائی کے صدمے سے باہر نہیں آ سکا تھا ہنستا بستا گھر ایک فرد کے چلے جانے سے کیسا اجاڑ ہو گیا تھا سب موجود تھے لیکن جیسے کوئی بھی موجود نہیں تھا ہر طرف سناٹا تھا جازم ایسے سفر پر روانہ ہو چکے تھے جہاں سے کوئی لوٹ کر واپس نہیں آتا۔

☆......☆......☆

"صارم کیسے ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں تم مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے ہو...... میں جانتی ہوں کہ جازم بھائی کا دکھ بہت بڑا ہے میں خود بھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بہت دکھی ہوں اور تمہارے تو بھائی تھے وہ ان سے تمہاری محبت بھی مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن صارم پلیز جانے والوں کے ساتھ کوئی نہیں جا سکتا ہم اپنے عزیزوں کو کبھی نہیں بھول سکتے لیکن جینا بھی نہیں چھوڑ سکتے ہمیں بہرحال دنیا اور دنیا والوں کی طرف پلٹنا ہی ہوتا ہے جیسے تیسے زندگی کو گزارنا ہی پڑتا ہے رشتوں کو نبھانا ہی پڑتا ہے میں جانتی ہوں یہ سب تمہارے لیے بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں پلیز میری خاطر کوشش تو کر سکتے ہوناں تم؟''

عدین کا فون آیا تھا صارم کے لیے سعدیہ باجی نے ریسیو کیا تھا کیونکہ اس کا فون بج بج کر خاموش ہو چکا تھا اور صارم نے ریسیو نہیں کیا تھا پھر مجبوراً عدین نے گھر کے نمبر پر فون کیا تو سعدیہ باجی سے بات ہوئی انہوں نے ہی عدین کو کہا تھا کہ وہ صارم کو سمجھائے وہ بالکل سب سے کٹ کر رہ گیا ہے۔ تبھی عدین صارم سے بات کر رہی تھی جو کہ صارم چپ چاپ سن رہا تھا۔

''بولو صارم کوشش کرو گے ناں میری خاطر گھر والوں کی خاطر۔''

کوئی جواب نا پا کر عدین نے سوال دہرایا تو صارم جیسے چیخ پڑا۔

''کرتا ہوں میں کوشش ...... بہت کرتا ہوں لیکن جب فجر اور فریحہ بھابی کو دیکھتا ہوں نا تو میری ساری کوششیں ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جاتی ہیں میں ٹوٹ کر رہ جاتا ہوں عدین میں ...... میں جازم بھائی کو کیسے بھلا دوں ان کی جوان موت فجر ابھی بہت چھوٹی ہے ارے اسے تو ابھی یتیمی کا مطلب بھی نہیں معلوم بلکہ اس نے تو صحیح معنوں میں نہ باپ کو دیکھا ہے اور نہ ہی اس کا پیار پا سکی ہے اور ستم دیکھو کہ اس کے سر سے یہ شفیق سایہ ہمیشہ کے لیے اٹھ گیا ہے۔'' وہ باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہا تھا عدین بھی جذباتی ہو گئی تھی وہ بھی رو رہی تھی الفاظ جیسے تھے ہی نہیں تسلی کے......

''اور فریحہ بھابی...... انہوں نے تو ابھی اپنی زندگی کے سفر شروع ہی کیا ہے وہ تو ابھی ٹھیک طرح سے جازم بھائی کا پیار بھی نہیں پا سکیں ہماری محبت میں ہمارے ساتھ رہیں اور اب اس کم عمری میں ہی انہوں نے بیوگی کی چادر اوڑھ لی ہے ان کے چہرے پر پھیلا کرب اور اذیت اُف...... عدین میں یہ سب دیکھ دیکھ کر ٹوٹ چکا ہوں اور تم کہتی ہو میں زندگی کی طرف لوٹ جاؤں...... کیا یہ اتنا آسان ہے' نہیں عدین تم ہمارے دکھ کو نہیں سمجھ سکتیں میں پلٹ جاؤں گا دنیا کی طرف لیکن ابھی وقت لگے گا اور ہاں اگر تم میرا انتظار نہیں کر سکتیں تو تمہیں اختیار ہے کہ تم مجھے چھوڑ سکتی ہو کسی اور کو چن سکتی ہو۔'' اس نے بے ساختہ کہہ دیا تو عدین کے دل پر گھونسہ سا لگا۔

''صارم تم ایسے کیسے کہہ سکتے ہو؟ میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں صرف اسی لیے تمہیں زندگی کی طرف لانا چاہتی ہوں باخدا اس کے علاوہ میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے تم بے شک مجھ سے بات مت کرو جب تک تمہارا دل چاہے لیکن پلیز اس طرح تو نہ کہو میں تمہارا انتظار کروں جب تک تم چاہو' عدین کا لہجہ بھیگا ہوا تھا وہ رو رہی تھی صارم کا دل ڈوبنے لگا عدین اس کی محبت تھی اور اس نے اسے کتنا اُداس کر دیا تھا۔

''سوری عدین میں شاید کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گیا تھا پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو' اچھا چلو آج سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے روزانہ بات کروں گا اور اپنا خیال بھی رکھوں گا چلو اب مسکرا دو۔'' اس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو عدین بھی دھیرے سے مسکرا دی وہ کسی حد تک صارم کو دکھ سے نکالنے میں کامیاب رہی تھی۔

☆......☆......☆

زخم کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو دھیرے دھیرے بھر ہی جاتا ہے ہاں بس اس زخم کا نشان ہمیں اس زخم کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

جازم کی شہادت کو چار ماہ گزر چکے تھے زندگی کسی حد تک معمول پر آ چکی تھی صارم جاب پر جانے لگا تھا اس نے اپنے دکھ کو چھپا کر مسکرانا سیکھ لیا تھا اسے اندازہ تھا کہ اب وہی گھر کا بڑا ہے اسے ہی ساری ذمہ داری اٹھانی ہے امی ابو کو دیکھنا ہے فریحہ بھابی اور فجر کو بھی اکیلے پن کا احساس نہ ہو۔

وہ سب کا خیال رکھتا تھا ان چار مہینوں میں جیسے اس نے برسوں کا سفر طے کر لیا تھا وہ ایک دم بردبار اور سنجیدہ ہو گیا تھا وہ شرارتی اور لاڈلا صارم جیسے کہیں کھو گیا تھا۔

آفس سے آتے ہی وہ اپنا زیادہ وقت فجر کے ساتھ گزارتا اس کے ساتھ کھیلتا باتیں کرتا اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا گھمانے لے جاتا اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ کبھی فجر کو باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا اس سے ہمیشہ ایسے ہی پیار کرتا رہے گا کیونکہ وہ اس کے بھائی کی نشانی تھی جو اسے بے حد پیارا تھا۔

☆......☆......☆

"ابو آپ نے بلایا مجھے؟" وہ ابھی ابھی آفس سے آیا تھا اور آتے ہی فریش ہو کر حسب معمول فجر کے ساتھ کھیل رہا تھا چند دن بعد فجر ایک سال کی ہونے والی تھی وہ صارم سے بے حد مانوس تھی کہ فریدہ بوا نے آ کر اُسے اطلاع دی کہ ابو اسے اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ وہ اچھا کہہ کر فجر کو گود میں اٹھائے امی ابو کے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ہاں بیٹا آؤ آؤ۔" اقبال صاحب نے اسے اپنے برابر میں ہی بٹھا لیا۔

"خیریت ابو کوئی کام ہے تو بتائیں مجھے۔"

"نہیں بس آج تم سے باتیں کرنے کا جی چاہ رہا تھا تو بلوا لیا میں جانتا تھا کہ تم فجر کے ساتھ کھیل رہے ہو گے اور فجر بھی دیکھو تم سے کتنی مانوس ہو گئی ہے سارا دن تمہاری غیر موجودگی میں تمہیں یاد کرتی ہے اور تمہارے آنے پر دیکھو کیسے کھل جاتی ہے اللہ میری بچی کو یونہی ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔" ابو نے پیار سے فجر کو دیکھتے ہوئے کہا تو امی اور صارم نے بھی بے ساختہ آمین کہا۔

اس کی خوشیاں سبھی کو عزیز تھیں اب سب کی زندگی کا محور وہی تو تھی سب اسے ہی دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔

"صارم مجھے کچھ کہنا ہے تم سے۔" اقبال صاحب نے تمہید باندھی صارم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"جی ابو کہیے۔"

"تمہیں فجر کتنی عزیز ہے؟"

"یہ کیسا سوال ہے ابو؟ آپ جانتے ہیں فجر میں میری جان بستی ہے میں اسے ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" صارم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اُلجھ کر کہا۔

"ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں بیٹا کہ فجر کو ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا پیار بھی ملے اور فریحہ بھی زندگی خوشیوں بھری گزارے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے اتنی کم عمری میں اس نے بیوگی کی چادر اوڑھ لی ہے اس کو دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اقبال صاحب رندھے ہوئے لہجے میں بولے تو صارم کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

"جی ابو ہم سب یہی چاہتے ہیں میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ فجر اور فریحہ بھابی کو خوش رکھوں اور انہیں کسی کمی کا احساس نہ ہونے دوں"

صارم افسردہ ہو کر بولا۔

"میں جانتا ہوں لیکن کب تک بیٹا؟"

"جب تک میری زندگی ہے ابو میں کبھی اپنے وعدے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" صارم ایک عزم سے بولا۔

"بہت مشکل ہے بیٹا کل کو تمہاری شادی ہو جائے گی تمہاری اپنی فیملی ہو گی بیوی بچے پھر ان کی ذمہ داریاں...... تم لاکھ چاہ کر بھی فریحہ اور فجر کو وہ پیار نہیں دے پاؤ گے جس کی انہیں ضرورت ہے۔" اقبال صاحب بڑی تلخ حقیقت بیان کر رہے تھے صارم اُلجھ کر رہ گیا پتہ نہیں وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے وہ سمجھ نہیں پایا اس لیے اُلجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا مطلب یہی تھا کہ ابو جو کہنا چاہ رہے ہیں کہہ دیں۔

"تم میرا مطلب سمجھے نہیں شاید......" ابو نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں......"

"دیکھو بیٹا میں تم سے کھل کے کہہ دیتا ہوں میری بات پر جذباتی ہو کر نہیں بلکہ عقل سے سوچنا مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ پھر لمحہ بھر کو رکے۔

"صارم تمہاری امی اور میں چاہتے ہیں کہ تم...... فریحہ سے نکاح کر لو۔" ایک بم تھا جو ابو نے اس کی سماعتوں میں انڈیل دیا تھا صارم سن بیٹھا رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابو......" صارم کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

"اس میں غلط کیا ہے بیٹے...... بہت سے اچھے اور شریف گھرانوں میں یہی ہوتا ہے اور اگر تم ایسا کرو گے تو جہاں فریحہ اور فجر کی زندگی سنورے گی وہیں تمہاری امی اور میں بھی سکون سے مر سکیں گے ابھی فریحہ اور فجر کی فکر میں ہم گھٹ رہے ہیں گھل رہے ہیں خدارا ہمیں سکون دے دو ہم نے بڑی آس و امید سے تم سے یہ سب کہا ہے کبھی تم سے کچھ نہیں چاہا۔" اقبال صاحب کا لہجہ ملتجانہ تھا آنکھ میں آنسو تھے اس گھڑی وہ بڑے مضطرب لگ رہے تھے صارم کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا وہ کبھی بھی اقبال صاحب کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا وہ جلدی سے آگے بڑھا اور اُن کے جڑے ہوئے ہاتھ تھام کر چوم لیے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

"پلیز ابو مجھے گناہ گار نہ کریں میں...... میں دیکھتا ہوں آپ کو سوچ کر جواب دوں گا۔" وہ بس یہی کہہ سکا کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کہے انکار کی بھی جرأت نہیں تھی۔

امی بھی چپ چپ بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں اس سارے عرصے میں وہ بالکل خاموش رہی تھیں جازم بھائی کے بعد وہ ایسی ہی چپ ہو گئی تھیں ہر وقت تسبیح و تلاوت میں مشغول رہتی تھیں شاید اسی لیے وہ پُرسکون رہتی تھیں اپنا غم غلط کرتی تھیں۔

صارم نے دونوں کو پانی پلایا تھوڑے ہی عرصے میں دونوں برسوں کے بیمار لگنے لگے تھے۔ صارم کا دل دکھ سے بھر گیا اور وہ چاہنے کے باوجود انکار کی جرأت نہ کر سکا بلکہ سوچنے کے لیے وقت مانگ لیا شاید وہ راضی ہو جائے...... اس کا دل اس بات پر آمادہ ہو جائے امی ابو کے سکون کی خاطر...... فجر کی خوشیوں کی خاطر اسے کچھ کرنا ہو گا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خوشخبری

سچی کہانیاں بہت جلد اپنے صفحات پر ان لکھاریوں کے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کر رہا ہے جو طویل عرصے سے سچی کہانیاں سے جڑے ہوئے ہیں۔ قارئین ان لکھاریوں کی پسند ناپسند، ان کے زندگی کے بارے میں تجربے اور تجزیے اور انہوں نے لکھنا کب اور کیسے شروع کیا جاننا چاہتے ہیں۔

لہٰذا سوچیے مت اور اپنی ایک شاندار سی تصویر کے ساتھ فوراً ہمیں بھیج دیجیے اپنا تازہ ترین انٹرویو......

نوٹ: یہ انٹرویوز نمبر وار شائع کیے جائیں گے۔

یعنی پہلے آیئے پہلے پایئے کی

بنیاد پر تا کہ کسی کو بھی شکوہ نہ ہو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ٹھیک ہے ابو میں کل تک آپ کو جواب دے دوں گا آپ پریشان نہ ہوں اب اس گھر کی خوشیاں میرے ہاتھوں میں ہیں میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔" صارم بہت کچھ سوچتا ہوا اٹھا اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف چل دیا فجر کو امی ابو کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

☆......☆......☆

کمرے میں اندھیرا کیے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹے ہوئے صارم نم آنکھوں سے اُس کا یہ گانا سن رہا تھا اُس کا دل رو رہا تھا چیخ چیخ کر احتجاج کر رہا تھا اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ جاری تھی اس وقت حقیقتاً وہ سولی پر لٹکا ہوا تھا آج ابو نے اس کو زندگی کے کس امتحان میں مبتلا کر دیا تھا جس کا اقرار اور انکار دونوں ہی صارم کے لیے کسی برچھی سے کم نہ تھے جو سیدھی اس کے دل میں پیوست ہو جاتی فریحہ بھابی سے نکاح...... اس کی بھابی...... اس کے عزیز بھائی کی منکوحہ جسے آج تک وہ بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہے کیا اس بھابی سے وہ نکاح کر پائے گا؟

لیکن انکار بھی تو ممکن نہیں...... میں امی ابو کو کیسے انکار کر دوں...... انہوں نے تو ساری امیدیں مجھ سے ہی وابستہ کر لی ہیں اس یقین کے ساتھ کہ میں ان کی بات کبھی نہیں ٹالوں گا ظاہر ہے کہ اب جازم بھائی کے بعد میں ہی اس گھر کی خوشیوں کا ضامن ہوں فریحہ بھابی اور فجر کی ذمہ داری اب میرے ہی سر ہے...... اب مجھے ہی سب کی خوشیوں کا خیال رکھنا ہے...... مجھے یہ قدم اٹھانا ہی ہوگا کیسے بھی...... دل پر پتھر رکھ کر مجھے ابو کی بات ماننا ہی ہوگی...... مگر کیسے؟"

"کیا تم عدین کو چھوڑ کر اس کی محبت کو فراموش کر کے فریحہ بھابی سے نکاح کر سکو گے؟ کیا اتنا بڑا دل اور ظرف ہے تمہارے پاس؟"

اس کے دل نے شور مچا دیا وہ دل کی طرف متوجہ ہوا آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ ہونے لگیں، دماغ نے فوراً اس کے فیصلے کا دفاع کیا۔

"ہاں اگر میرے اس فیصلے سے اس گھر کی خوشیاں لوٹ سکتی ہیں تو میں اپنی ہزار محبتیں اس گھر کے مکینوں پر وار سکتا ہوں مجھے اس گھر کی خوشیاں خود سے بڑھ کر عزیز ہیں۔" اس کا دل پھر چیخا۔

"اور تمہاری خوشیوں کا کیا؟ کیا تم اس فیصلے کے بعد خوش رہ پاؤ گے؟ کیا فریحہ اور فجر کو حقیقی خوشیاں دے پاؤ گے؟"

"اپنے دل کو مار کر کیا تم زندہ رہ پاؤ گے؟"

"اور عدین...... کیا وہ یہ سب سہہ پائے گی...... اور کیا وہ تمہیں ایسا کرنے دے گی؟"

دماغ نے دل کا احتجاج سنا اور دلیل پیش کی۔

"ہاں مجھے یہ فیصلہ لینا ہی ہوگا اور بخوشی لینا ہوگا۔"

"اگر عدین مجھ سے سچا پیار کرتی ہے تو اسے بھی میرے اس فیصلے میں میرا ساتھ دینا ہوگا...... ورنہ......"

"ورنہ میں اسے بھی چھوڑنے کا حوصلہ رکھتا ہوں میں اس گھر کی خوشیوں کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔"

یہ سب سوچ کر وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا بس اب اسے عدین سے بات کرنی تھی اسے اس فیصلے میں شریک کرنا تھا اور اس نے دیر نہیں لگائی پاس پڑا موبائل اٹھایا اور عدین کا نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو کیسے ہو؟ شکر ہے تمہیں میری یاد تو آئی ورنہ تو میں تمہارے فون کا انتظار ہی کرتی رہتی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہوں......" وہ پل بھر کو رُکا جیسے ہمت مجتمع کرر ہا ہو۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے عدین۔"

"ہاں کہو۔"

"پلیز عدین جذبات اور محبت کو ایک طرف رکھ کر حوصلے اور ہمت سے میری بات سننا اپنا دل قابو میں رکھو گی تو تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی ورنہ......"

"ورنہ کیا صارم......" عدین کا دل دھڑکا......

"یہ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو پلیز جو بات بھی ہے صاف صاف کھل کے کہو۔"

صارم نے ایک سرد آہ بھری اور جیسے اپنی ساری خواہشات' جذبات اور احساسات کو اڑا دیا اور بولا۔

"تو سنو...... امی ابو چاہتے ہیں کہ میں...... فریحہ بھابی سے نکاح کرلوں۔" صارم کے الفاظ تھے کہ دھماکہ دوسری طرف سناٹا چھا گیا عدین بالکل چپ ہوگئی تھی اس کے پاس جیسے الفاظ ہی نہیں تھے وہ تو جانتی ہی نہیں تھی کہ جب محبت میں ایسا موڑ آ جائے تو کیا کرتے ہیں احتجاج کرتے ہیں یا پھر چپ چاپ جدائی کا زہر پی لیتے ہیں۔

وہ تو صارم کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی محبت کے سفر میں اب تو منزل کے قریب تھی وہ...... اور منزل پر پہنچ کر کیا وہ اپنی محبت سے دست بردار ہو جائے۔ کیا وہ صارم کو بھول جائے۔

"دنہیں...... نہیں وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تو پھر......!"

"اور...... تم...... تم نے کیا جواب دیا۔"

عدین کی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی وہ کوئی امید باندھ بیٹھی تھی شاید۔

ایک موہوم سی امید کہ شاید صارم نے اس کی محبت میں انکار کر دیا ہو...... شاید......

"میں نے ابھی سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے ابو سے۔" صارم کے لہجے سے کچھ عیاں نہیں ہو رہا تھا کوئی دکھ' کوئی پچھتاوا اور کوئی اُلجھن کچھ بھی تو نہ تھا جب وہ آگے بولا۔

"اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قوت فیصلہ عطا فرمائی ہے اور میں نے خود سے جنگ کر کے فیصلہ کرلیا ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"کیسا فیصلہ...... کیا فیصلہ لیا ہے تم نے؟"

اس کے لہجے کی مضبوطی نے عدین کو جیسے توڑ کر رکھ دیا تھا وہ امید و بیم کی سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔

"میں نے سوچا ہے کہ...... اس فیصلے میں تم میرا ساتھ دو اگر ساتھ دو گی تو میرا وعدہ ہے کہ میں سب کی زندگیاں خوشیوں سے بھر دوں گا اور تمہارے انکار کی صورت میں وہ قدم پھر بھی اٹھاؤں گا کیونکہ میرے اس فیصلے سے ہی سب کی خوشیاں جڑی ہیں ہاں مگر میرا دل ضرور ٹوٹے گا...... کیونکہ اس دل میں تم ہی بستی ہو اور اگر تم ہی نہ رہو گی تو میرا دل ایک ویران کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔" وہ محبت سے چور لہجے میں اعتراف کر رہا تھا۔

عدین سے لازوال محبتوں کا اعتراف کر رہا تھا۔

اور عدین کو لگنے لگا کہ جیسے اس نے منزل پالی ہے...... صارم اس سے اتنا پیار کرتا ہے تو وہ بھی تو صارم کی محبت میں اس کے لیے اس کے گھر کی خوشیوں کے لیے کچھ ادنیٰ سی قربانی دے سکتی ہے جس سے اس کی محبت امر ہو جائے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ صارم کا فیصلہ جان چکی تھی پھر بھی سننا چاہتی تھی آنسوؤں کی لڑی بنی ہوئی تھی اس کا چہرہ تر تھا۔

"کہو میں سن رہی ہوں تم مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔" وہ ایک عزم سے بولی تھی اور صارم کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا تھا۔

"عدین تم جانتی ہو ناں کہ جازم بھائی کے بعد ہمارا گھر کیسا سونا ہو گیا ہے خوشیاں جیسے روٹھ سی گئی ہیں عرصہ ہوا گھر میں کسی کا قہقہہ نہیں گونجا سب بالکل خاموش ہو گئے ہیں لگتا ہے وہ زندگی نہیں گزار رہے بلکہ زندگی انہیں گزار رہی ہے' میں...... میں بالکل ٹوٹ کے رہ گیا ہوں عدین مجھ سے اپنے گھر والوں کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی...... میں اندر ہی اندر روتا ہوں...... تڑپتا ہوں" وہ بالکل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا۔

اس کو پہلی بار روتے دیکھا تھا عدین نے وہ سسک اٹھی تڑپ اٹھی۔

"پلیز صارم تم رو نہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"ہاں عدین تم مجھ سے پیار کرتی ہو ناں اس لیے میرے آنسو تمہیں تکلیف دے رہے ہیں اسی طرح میرے اپنوں کے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں ان آنسوؤں نے میری روح کو چھلنی کر دیا ہے بس اب اور نہیں......" اس نے آنسو رگڑ ڈالے۔

"اب میں سب کی زندگیاں خوشیوں سے بھر دوں گا میں نے سوچا ہے کہ میں فریحہ بھابی سے نکاح کروں گا اگر تم اس بات پر راضی ہو کہ تم فریحہ کو سوکن کے روپ میں برداشت کر سکو گی اور کبھی فریحہ اور فجر کو کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دو گی تو مجھے خوشی ہو گی کیونکہ میں تم سے بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتا میں تمہیں بھی دنیا کی ساری خوشیاں دینا چاہتا ہوں بس تمہیں اپنا ظرف اور دل بڑا کرنا ہو گا بدلے میں' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کو ہمیشہ برابری کا درجہ دوں گا' بولو منظور ہے...... ساتھ دو گی میرا...... صارم بڑے یقین سے پوچھ رہا تھا۔

جانے کیوں صارم کو یقین تھا کہ عدین اس کے فیصلے میں اس کا ساتھ دے گی۔

"ہاں صارم میں ہمیشہ ہر ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں کیونکہ میں تم سے سچی محبت کرتی ہوں اور سچا پیار ہمیشہ قربانی مانگتا ہے اور میری نظر میں یہ قربانی نہیں ہے بلکہ احساس محبت ہے اور تمہارا مجھ پر مکمل بھروسہ ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا یقین جانو تم نے مجھ پر اتنا بھروسہ کر کے میری محبت کو انمول کر دیا ہے میں تمہاری محبت کی مقروض ہو گئی ہوں اگر میری اس چھوٹی سی قربانی سے تمہارا گھر اور گھر والے خوشیوں کے قریب ہو سکتے ہیں تو میں دل و جان سے راضی ہوں بلکہ مجھے تو فخر محسوس ہو رہا ہے اپنے انتخاب پر کہ تم کتنے حساس ہو اپنے سے جڑے لوگوں کے لیے اتنا سوچتے ہو یقیناً میرے لیے تم سے بڑھ کر کوئی اور شخص مخلص ہو ہی نہیں سکتا۔"

"میں اپنی زندگی تمہارے ساتھ ہی گزارنا چاہتی ہوں میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تم کبھی بھی مجھے میرے فیصلے پر کمزور یا مضطرب نہیں پاؤ گے۔" عدین ٹھہرے ٹھہرے ہوئے ٹھوس لہجے میں بول رہی تھی وہ بہت پر سکون اور مطمئن لگ رہی تھی صارم کے وجود میں ٹھنڈی پھوار سی پڑنے لگی تھی وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ عدین تو اس کی سوچ سے بڑھ کر پیار کا احساس کرنے والی تھی اور جس کے دل میں احساس محبت ہو دراصل وہی انسان ہے اور انسانیت کے عظیم مرتبے پر فائز ہے۔

"اور تمہارے گھر والے...... وہ مان جائیں گے اس رشتے کے لیے؟" صارم کے اندر کا معمولی ڈر سر اٹھا کر بولا۔

"ہاں...... انہیں ماننا ہی ہو گا بھلا تم جیسا مخلص

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انسان انہیں اپنی بیٹی کے لیے کہاں ملے گا۔" وہ پورے یقین سے بولی تھی۔

"شکریہ عدین...... میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے...... میرا ساتھ دینے کے لیے اور...... اور......" وہ جذباتی ہونے لگا عدین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بس بس اب جا کر ابو کو خوشخبری سناؤ اور ہاں پہلا نکاح تم فریحہ بھابی سے ہی کرنا ورنہ اگر مجھ سے شادی کے بعد کرو گے تو انہیں کوئی احساس نہ ہو۔" عدین محبت سے بولی۔

صارم کو اس کی بات سن کر لگنے لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو یہ عدین اتنی حساس اتنی محبت والی لڑکی ہے اس سے پہلے اس کی یہ خوبیاں مجھ پر آشکار کیوں نہ ہوئیں یہ لڑکی عظمتوں کی کتنی بلندی پر ہے میں کیوں نہ سمجھ سکا......؟" وہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"عدین تم......"

"بعد میں بات کرتے ہیں او کے اللہ حافظ۔" کہہ کر عدین نے فون رکھ دیا۔ اور صارم بس فون کو محبت وعقیدت سے دیکھتا رہ گیا۔

"ابو میں راضی ہوں فریحہ سے نکاح کرنے کے لیے۔" صارم نے بغیر تمہید کے امی ابو کو جا کر یہ خوشخبری سنائی تو ایک پل کو تو امی ابو حیرت وخوشی اور گم صم کیفیت میں دیکھتے رہے اور جب بات سمجھ آ گئی تو ابو نے اٹھ کر بے ساختہ اُسے گلے سے لگایا امی نے ماتھا چوم کر دعا دی۔

"سدا خوش رہو۔" اور وہ نہال ہو گیا جیسے اسے دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ وہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ فریحہ کی اس بارے میں کیا رائے ہے آیا وہ راضی بھی ہے کہ نہیں......" شاید ابو نے بھانپ لیا فوراً بولے۔

"فریحہ سے تمہاری امی اور میں نے بات کر لی ہے تھوڑی پس وپیش کے بعد وہ اس شرط پر راضی ہے کہ تم عدین سے بھی شادی کرو گے جو ہونا طے پائی ہے اسی طرح...... کیونکہ وہ فجر کی خاطر راضی ہوگئی ہے لیکن تمہاری اور عدین کی خوشیوں میں رکاوٹ بھی نہیں بننا چاہتی۔"

"جی ابو میں نے عدین سے بات کر لی ہے اور وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ میں پہلے فریحہ بھابی سے نکاح کر لوں اس کے بعد اس سے شادی کروں وہ ساتھ رہنے پر راضی ہے۔" صارم سر جھکا کر بول رہا تھا ابو کو لگا جیسے صارم ایکدم بہت بڑا ہو گیا ہو بہت ذمہ دار ہو گیا اس نے کیسے اس مسئلے کو خوش اسلوبی سے نمٹا لیا تھا انہوں نے ایکبار پھر بے اختیار نم آنکھوں سے اسے گلے لگا لیا جبکہ امی بھی خوشی کے آنسو بہا رہی تھیں۔

"خوش رہو بیٹا تم نہیں جانتے تم نے ہمارے سر سے کتنا بڑا بوجھ اتار دیا ہے ہمارے دکھ کو خوشیوں میں بدل دیا ہے اس گھر کے دروازے خوشیوں پر کھول کر تم نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم تمہارے شکر گزار ہیں بیٹا۔" امی خوشی کے آنسو بہا رہی تھیں صارم بے اختیار بولا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں امی یہ تو میرا فرض تھا آخر میں اس گھر کا بیٹا ہوں خدارا مجھے شرمندہ نہ کریں۔" وہ نم آنکھوں سے ماں سے لپٹ گیا تھا آج وہ ماں باپ کو خوش دیکھ کر بہت خوش اور مطمئن تھا اسے لگا اس نے زمانے بھر کی خوشیوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی ہے اس نے احساسِ محبت کو دل میں جگہ دے کر اپنوں کو خود سے قریب کر لیا تھا اب دکھ کا کہیں شائبہ تک نہ تھا ہر طرف خوشیاں رقصاں تھیں اور وہ سرشار تھا اس نے سوئی ہوئی فجر کے ماتھے پر بوسہ دیا کہ فجر اس کی زندگی تھی اور اسی نے اس کے دل میں احساسِ محبت جگایا تھا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ایک کھرا قلم کار......

شعیب صادق

شگفتہ شفیق

پنجاب کے ایک چھوٹے سے خوبصورت شہر لالہ موسیٰ کا رہائشی شعیب صادق اب یہاں سے بہت دور سات سمندر پار کارنوال سینٹ لارنس دریا کے کنارے ایک حسین و خوبصورت پر سکون و چھوٹے سے شہر میں رہتا ہے لیکن پردیس میں رہ کر بھی اپنی مٹی

سے جڑا۔ اپنی روایات پر قائم۔ اپنی زبان پر جان دینے والا ہے۔ دیار غیر کی ٹھنڈی ہوائیں بھی اس کی پیاری گرمجوش فطرت کو نہ بدل سکیں ہیں۔

میری شعیب صادق سے پہلی بار ملاقات ستمبر ۲۰۱۱ میں مانٹریال کینیڈا کے مشاعرے میں ہوئی تھی جو کہ مختار صاحب اور ارشد نعیم خان صاحب نے آر سی اے۔ ٹی وی کے اسٹوڈیو چینل پر کیا تھا۔ وہاں میں اپنے بھائی بھابھی اور کچھ دوسرے شعراء کے ساتھ مدعو تھی۔ وہاں سارے لوگ ہی اچھے تھے۔ میک گل یونیورسٹی کے بھی کئی اساتذہ آئے ہوئے تھے جس میں سے سر آصف کا نام اب یاد رہ گیا ہے۔

شعیب سے مل کر بے حد اپنائیت کا احساس ہوا لوگ سارے ہی پر خلوص تھے لیکن جس کو ہم کہتے ہیں پیور ۔ خالص ۔ کھرا۔ تو مجھے یہ ایسے ہی محسوس ہوئے اور پھر اس نے مجھے اپنی آپی قرار دے دیا اور یوں مجھے ایک بہت پیارا چھوٹا بھائی مل گیا۔

تب شعیب کی افسانوں کی پہلی کتاب ۔۔ چوتھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آدمی۔۔نئی نئی پبلش ہوئی تھی اور انھوں نے ہم کو بھی عنایت کی جو کہ ہم نے رات ہی کو فٹافٹ پڑھ ڈالی کہ اس میں مختصر اور پر تاثیر کہانیاں شامل تھیں جن میں دلچسپی کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہ چاہا۔ان کہانیوں میں وطن کی مٹی کی خوشبو مہک رہی تھی۔

شعیب صادق خلوص پر مرنے والا آدمی ہے اس کو پروگراموں ۔ تصویروں یا صدارتوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے وہ ایک کامیاب کہانی کار ہے جو کہ ہم سب کی زندگیوں سے اپنی کہانیوں کے موضوع چنتا ہے اور یہ ہی اس کے اسلوب کی بڑی خوبی ہے شعیب کی کہانیاں قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔

عباس تابش صاحب نے شعیب صادق کے بارے میں۔چوتھا آدمی۔میں سچ لکھا ہے کہ میں نے ایسا نوجوان نہیں دیکھا جو عمر کے پیٹھے برس کینیڈا گیا ہو اور اس نے اپنی مٹی کا عشق فراموش نہ کر دیا ہو۔

زندگی کے خارجی اور داخلی مسائل کا مکمل ادراک شعیب کی تحریروں میں نظر آتا ہے اور وہ ان رویوں کو بہت آرام و آسانی کے ساتھ اپنی کہانیوں میں بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی ہمارے معاشرے کے سماجی رویوں پر بھی گہری نظر رکھتا ہے شعیب کی کہانیاں افسانے جتنی بار بھی پڑھے جائیں انوکھا لطف آتا ہے۔اُن کے ۲ افسانوی مجموعے'چوتھا آدمی اور نئی راہیں۔اردو ہندی اور گرومکھی زبان میں شائع ہو چکے ہیں اور یہ ہم سب کے لیے ایک قابلِ فخر بات ہے وہ مبہم انداز میں یا اشارے کنایے میں نہیں لکھتا بلکہ جو کہنا چاہتا ہے وضاحت سے کھلے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔شعیب کی سچائی اور کھرا پن اس کے افسانوں کہانیوں میں بھی جھلکتا ہے۔رول نمبر' کا 'کنواری ماں' اور 'چچا غالب' خاصے کے افسانے ہیں جن سے ہمارے آج کل کے سماجی و معاشرتی رویوں

[illegible] کتابیں یہ ہیں۔

چوتھا آدمی

نئی راہیں

رول نمبر

ٹرانسفر

اور اب ایک مزید بڑا کام کر ڈالا کہ ایک ہل چل مچاتا ہوا ناول 'دائرے کا سفر' بھی لکھ ڈالا ہے اپر کلاس اور لوئر کلاس کی اندرونی کہانیوں کو عیاں کرتا ہوا یہ ناول خاصا بولڈ ہے اور بارہ مصالحے کی چاٹ کی مانند ہے تو ہم نے تو شعیب کو مشورہ دیا ہے کہ اس کو کسی ٹیلی فلم کے قالب میں ڈھالو تب بھی کامیاب رہے گا۔

شعیب کی اچھی عادتوں میں ایک یہ عادت بھی شامل ہے کہ جب کوئی اس کے اعتبار کو ٹھیس لگانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ لڑائی جھگڑے کی جگہ فاصلہ اختیار کر لیتا ہے۔

ابھی ۶ ماہ پیشتر اگست ۲۰۱۷ میں میرا کینیڈا و امریکہ جانے کا اتفاق ہوا۔

تب کانوال میں ہم نے شعیب اور ان کی پیاری بیگم شگفتہ شعیب و بچوں کی شاندار میزبانی کا لطف اٹھایا تھا۔شعیب نے وہاں ایک شام بھی ہمارے ساتھ منانے کا اہتمام کیا تھا جس میں بے شمار لوگ شامل تھے جو کہ شعیب کی ایک آواز پر کھنچے چلے آئے تھے۔

آج ۱۵ فروری ۲۰۱۸ کو کراچی میں نیشنل سیلنگ سینٹر کلفٹن میں شعیب کے ساتھ شام مناتے ہوئے دل خوشی سے باغ باغ ہے جس کا اہتمام تحریک نفاذ اردو کے سید نسیم شاہ نے کیا ہے اور بے حد قابل لوگوں کی لگتا ہے بارات اتر آئی ہے یہاں شعیب صادق کو دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی ہے اور دل سے دعا ہے کہ شعیب کی ترقیوں کا سفر بام عروج تک پہنچے اور اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ......

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کنواری ماں

چونکہ ہمیں گھر سے نکلے کافی دیر ہو چکی تھی اس لیے یہاں سے سیدھا ماں جی کے گھر کا رخ کیا بچوں کو وہاں چھوڑ کر اعجاز صاحب کے ہاں چلے گئے جوں ہی ان کے گھر پہنچے سڑک کے دونوں طرف......

شعیب صادق

میں صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا میرے ساتھ بیگم بیٹھی ہوئی تھی اور بچے کچھ دور ہٹ کر قالین پر کھلونوں سے کھیل رہے تھے اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں آواز سنتے ہی ٹیلی فون کی طرف لپکا ریسیور اٹھا کر کہا ہیلو دوسری طرف سے آواز آئی السلام علیکم! میں اعجاز صاحب کی آواز سن کر ایک دم چونکا آپ......وعلیکم السلام!

دوسری طرف سے آواز آئی سب خیریت ہے نا میاں۔ جی ہاں...... اللہ کی مہربانی سے سب اچھا ہے گڈ وری گڈ اس سے پہلے کہ وہ مزید گفتگو کرتے میں نے فوراً ہی ان سے سوال کر دیا۔ اعجاز صاحب پہلے یہ بتائیں کب واپسی ہوئی پاکستان سے۔ کل رات کو ہی پہنچا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس کے بعد مجھے کوئی اور بات نہ سوجھی تو ان سے سوال کر بیٹھا کیسا رہا دورہ پاکستان۔ تھوڑے وقفے کے بعد دوسری طرف سے آواز آئی یار زبردست مزا آ گیا پھر چند لمحات خاموشی میں گزر گئے تو اعجاز صاحب بولے ویک اینڈ پر کیا کر رہے ہو۔

میں نے جواب دیا کچھ خاص نہیں آواز آئی تو اس طرح ہے کہ ہفتے کی شام کو گھر پر پارٹی ہے اور تم لوگوں نے آنا ہے۔ بہت بہتر یہ کہہ کر میں تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر میں نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا اعجاز صاحب یہ پارٹی کس خوشی میں رکھی ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے۔

اعجاز صاحب نے بڑی شگفتگی سے کہا۔ یار میری ادبی اور علمی خدمات پر حکومت پاکستان کی جانب سے ایوارڈ دیا گیا ہے۔ بس اسی خوشی میں پارٹی رکھی ہے۔ ایوارڈ کا سن کر میرے ہونٹوں پر ایک شریری مسکراہٹ بیدار ہوئی مگر اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہوئے انہیں مبارک باد دی اور کہا یہ ایوارڈ تو آپ کا حق ہے۔ اعجاز صاحب نے تکلف سے کہا یہ تو شعیب تمہاری ذرہ نوازی ہے۔

پھر ادھر اُدھر دیکھ کر کہیں بیگم نہ سن لے میں نے سرگوشی میں پوچھا کون کون آ رہا ہے۔

میری بات سن کر وہ مسکرائے اور گلا صاف کر کے کہنے لگے یار بھی دوست آ رہے ہیں۔ میں نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہا سبھی دوست۔ دوسری طرف سے آواز آئی ہاں بھئی سبھی دوست۔

اعجاز صاحب پھر تو بڑی مصیبت ہو جائے گی۔

میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ وہ زیر لب مسکرائے پھر کہنے لگے یار مجھے اور بھی دوستوں کو فون کر کے اطلاع دینی ہے اب مجھے اجازت دو۔ ہاں ایک اور بات وقت پر آجانا تم ہمیشہ لیٹ ہو جاتے ہو۔ معاف کرنا شعیب مجھے انتظار سے بہت کوفت ہوتی ہے۔ میں ان کی بات سن کر ہنس پڑا اور کہا آپ فکر نہ کریں۔ دوسری طرف سے مسکراہٹ بھری ہوئی آواز آئی۔ ''بہت بہتر...... خوش رہو۔''

پھر ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سچ پوچھیں تو مجھے ایوارڈ کا سن کر قطعاً خوشی نہیں ہوئی تھی نہ ہی رنج ہوا کچھ ملی جلی سی کیفیت تھی جس کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں اس طرح سمجھ لیں کہ ایوارڈ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بدبودار ڈکاریں آنی شروع ہو جائیں گیس میں بھی باتیں سوچتا ہوا صوفے پر آکر بیٹھ گیا بیگم جو ابھی تک وہیں بیٹھی ہوئی تھی مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

''کس کا فون تھا۔''

میں نے مختصراً کہا۔ ''اعجاز صاحب کا''

بیگم نے پھر مجھ سے پوچھا۔ ''خیریت تو تھی۔''

ہاں سب ٹھیک ہے۔ ہفتے کی شام ان کے ہاں پارٹی ہے۔ بلایا ہے تیار رہنا۔

بیگم نے گلہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا میں جا کر کیا کروں گی آپ تو بیٹھ کر دوستوں کے ساتھ گپے اڑائیں گے اور بچے مجھے سنبھالنا پڑیں گے۔ میں جواب میں مسکرا دیا اور کہا تم بچوں کو ماں جی کے ہاں چھوڑ آنا۔

بیگم نے ایک لمحہ سوچا۔ ''ہاں...... البتہ یہ ہو سکتا ہے'' مگر بچے مانیں گے نہیں۔

میں مسکرایا اور قدرے تامل سے کہا۔ ''بیگم یہ مجھ پر چھوڑ دو۔''

خیر ہفتے کی صبح میں نے تمام ضروری کام نمٹائے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شام کو اعجاز صاحب کے ہاں جانے کے لیے تیار ہوئے تو بچوں کو بلا کر پوچھا کہ نانی کے ہاں رکنے کا کیا لوگے۔

بڑا بیٹا (علیان) فوراً بولا...... آئسکریم!

میں بیگم کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور دل میں سوچا آج تو سستے میں جان چھوٹ گئی۔ ہمارے پاس ٹائم زیادہ نہ تھا ہم نے بچوں کو ساتھ لیا وہاں سے "ڈیری کوئن" آ گئے کافی رش تھا ہم لائن میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد جب ہماری باری آئی تو ہم نے بچوں کے لیے آئس کریم اور اعجاز صاحب کے لیے کیک لیا۔

چونکہ ہمیں گھر سے نکلے کافی دیر ہو چکی تھی اس لیے یہاں سے سیدھا ماں جی کے گھر کا رخ کیا بچوں کو وہاں چھوڑ کر اعجاز صاحب کے ہاں چلے گئے جوں ہی ان کے گھر پہنچے سڑک کے دونوں طرف گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ہم نے خالی سپاٹ دیکھ کر گاڑی پارک کر دی۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو ان کا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی ہماری طرف آئے سلام دعا کے بعد میں نے کیک ان کے حوالے کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر مبارک باد دی۔ کچھ دیر تو وہ ہمارے پاس کھڑے رہے پھر کسی نے انہیں آواز دی وہ اس طرف متوجہ ہوئے اور ہم کونے میں ایک خالی ٹیبل دیکھ کر اس کی طرف بڑھے اور اس پر قبضہ جما لیا۔

وہاں بیٹھے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی میں نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا جیسے نظریں کسی کو تلاش کر رہی ہوں تو مجھے اِکا دُکا شاعر ادیب نظر آئے البتہ ان کے رشتے داروں اور دوستوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی وہ بھی ان پر اپنی علمیت کا رعب جھاڑ رہے تھے ساتھ ساتھ شیشے کی الماری میں رکھے ہوئے ایوارڈ کے بارے میں بتا رہے تھے۔

رات گئے تک پارٹی جاری رہی پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مہمان اِدھر اُدھر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تھوڑی دیر بعد مہمان باری باری اعجاز صاحب اور ان کی بیگم کا شکریہ ادا کر کے جانے لگے تو ہم نے بھی آگے بڑھ کر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو بتایا کہ ہم تھوڑی دیر اور رکتے مگر بچے نانی کے پاس ہیں بار بار ان کا فون آ رہا ہے کہ تنگ کر رہے ہیں جوں ہی ہم اجازت لے کر باہر آئے تو میں نے محسوس کیا کہ بیگم چپ چپ سی ہے میں نے وجہ پوچھی تو اس نے ٹال دیا میں سمجھا شاید وہاں کوئی بات ہو گئی ہے بہر حال میں خاموش ہو گیا اور مزید جاننے کی کوشش نہ کی شادی شدہ زندگی کی مسرت کا دار و مدار خاموشی پر ہی ہوتا ہے۔

خیر وہاں سے ہم ماں جی کے ہاں گئے بچوں کو ساتھ لیا اور گھر آ گئے تھکے ہوئے تھے گھر آتے ہی سو گئے مجھے اخبار کے لیے کالم لکھنا تھا اس لیے میں صبح جلدی اٹھ کر لکھنے بیٹھ گیا ابھی مجھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ بیگم میرے پاس آ کر بیٹھ گئی میں لکھنے میں محو تھا مجھے اس کی موجودگی کا احساس نہ ہوا۔ پھر خود ہی بولی۔ میں اس کی آواز سن کر چونکا پھر مسکرا کر کہا کب سے بیٹھی ہو۔ بیگم نے جواب دیا بس ابھی آئی ہوں۔ اچھا ایک بات بتائیں۔ ہاں پوچھو۔ وہ ہچکچاہٹ کے بعد بولی یہ ایوارڈ کتنے میں مل جاتا ہے میں اس کی بات سن کر مسکرایا کیوں خیریت تو ہے یہ صبح صبح تمہیں ایوارڈ کہاں سے یاد آ گیا۔ اُسے سمجھ نہ آئی کہ کیا جواب دے۔

تھوڑے وقفے کے بعد دبی آواز میں مجھ سے کہا آپ کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے لکھتے ہوئے مگر ابھی تک کوئی ایوارڈ نہیں ملا حالانکہ آپ بہت اچھے افسانہ نگار ہیں۔ میں نے اس کی بات سن کر فلک شگاف

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قہقہہ لگایا اور کہا مجھے اس بات پر خوشی ہوئی کہ تم مجھے ایک اچھا افسانہ نگار سمجھتی ہو۔ بیگم نے محسوس کیا کہ میں اس کا مذاق اُڑا رہا ہوں اس سے پہلے کہ یہ چھیڑ خانی کوئی اور رخ اختیار کرتی۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا...... تم کیوں میرے ہنر کو سامنے کی شلف تک محدود کرنا چاہتی ہو حالانکہ میرے خیال میں کسی بھی فنکار کا ہنر شلف پر رکھے ہوئے ایوارڈ سے کئی گنا بڑا ہوتا ہے۔ مگر اس کی سوئی تو ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ منہ بسور کر کہنے لگی۔ دیکھیں کیسے اعجاز صاحب کی بیگم سب کو ایوارڈ دکھا رہی تھی۔ بس مجھے نہیں پتہ مجھے تو ایوارڈ چاہیے۔ کچھ دیر تو میں خاموش رہا پھر اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”کہاں سے لاؤں کس سے کہوں۔“ یہ میرا مسئلہ نہیں بیگم نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ میں اس کی باتوں سے بوکھلا سا گیا تھا پھر بیگم سے مخاطب ہو کر کہا جب بھی میں کہیں جاتا ہوں تو لوگ محبت سے ملتے ہیں عزت دیتے ہیں میرے افسانوں کی تعریف کرتے ہیں بیگم یہی ایوارڈ ہے۔ دیکھو ایوارڈ لینے والے اور لوگ ہوتے ہیں اور کام کرنے والے اور مگر اس بے وقوف کو میری بات سمجھ نہیں آرہی تھی بحث پر اتر آئی۔

میں نے بتایا بات بڑی سیدھی سی ہے ایوارڈ کے لیے خوشامد کرنی پڑتی ہے اور یہ کام مجھے نہیں آتا۔ بیگم تیوریاں بدل کر کہنے لگی تو آپ بھی خوشامد کریں۔ خوشامد تو ایک بندے کی کرنی پڑے گی جو کسی کو نظر نہیں آئے گی مگر عزت و وقار تو سب کو نظر آئے گا۔

پھر اخبارات میں تصویریں اور انٹرویو وغیرہ الگ سے۔ مجھے اس کی بات سن کر غصہ آگیا۔ تم بیٹھو میں اُٹھ کر چلا جاتا ہوں۔ باہر جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ دفعتاً ہماری نظریں ملیں۔ اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا پھر روٹھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور میں دروازہ بند کر کے باہر آگیا۔ گاڑی لی اور شہر کی سڑکوں پر بے مقصد گھومنا شروع کر دیا غصہ تھوڑا کم ہوا تو میں نے ٹھنڈے دماغ سے سوچا تو بیگم کی بات ٹھیک لگی۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ مجھے اتنے سالوں تک احساس ہی نہیں ہوا۔ اب احساس ہوا تو خیال آیا کہ کچھ تو کرنا ہوگا۔ اب مسئلہ تھا کس سے بات کروں جس سے عزت بھی رہ جائے اور بات بھی بن جائے۔ پھر ذہن میں آیا کہ ظفر کی طرف چلتے ہیں۔ ظفر کا گھر وہاں سے زیادہ دور نہ تھا۔ میں نے گاڑی موڑی پانچ منٹ میں وہاں تھا۔ گاڑی گیراج میں پارک کر کے دروازہ ناک کیا تھوڑی دیر میں ظفر کان کو سیل فون لگائے باہر آیا اور اشارے سے اندر آنے کو کہا۔ میں اس کے ساتھ اندر چلا گیا اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ظفر میرے سامنے کاغذ قلم ہاتھ میں لیے کسی سے بات کر رہا تھا۔ کافی دیر بات کرتا رہا۔ پھر اس نے سیل فون بند کرتے ہی کہا میں معافی چاہتا ہوں بات تھوڑی لمبی ہوگی صفدر صاحب تھے اپنے ”الحمد پبلی کیشنز“ والے۔ بچپن سے میری خواہش رہی ہے میری اپنی لائبریری ہو جس میں ہر طرح کی کتب ہوں میں ان کو کتابوں کی لِسٹ لکھوا رہا تھا۔ کوئی پانچ ہزار ڈالر کا خرچہ ہے۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا پھر مجھے بات کرنے کا موقعہ مل گیا میں نے اپنی بات شروع کی یار ایک صورت ہو سکتی ہے تمہارے پانچ ہزار ڈالر بچ سکتے ہیں ظفر مسکرایا تمہاری بھی مذاق کرنے کی عادت نہیں جاتی۔ کسی وقت تو سیریس ہو جایا کرو میں نے ہولے سے کہا ہاں ظفر میں سیریس ہوں پھر ظفر نے مجھ سے پوچھا وہ کیسے ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔ میں تھوڑی دیر سوچتے ہوئے بولا وہ ایسے کہ ہم ایک ایوارڈ کا اعلان کرتے ہیں اس سال کی بہترین کتاب پر نقد انعام اور ایوارڈ دیا جائے گا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ظفر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”پھر کیا ہو گا“ میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہوگا یہ مائی ڈیر ظفر شاعر اور ادیب انعام اور ایوارڈ کے لالچ میں اپنی کتابیں خود ٹکٹ لگا کر ہمیں بھیجیں گے کیونکہ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے بس وہی کام کر رہا ہے باقی تو ویسے ہی...... اوپر سے عزت الگ خوشامد، فون کالز تصور کرو۔ ظفر یہ سن کر کچھ دیر تو خاموش رہا پھر اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ایوارڈ کی تو خیر ہے مگر انعامی رقم تو دینی پڑے گی۔

میں تھوڑی سوچ میں پڑ گیا ہاں یار یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد میں نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”البتہ ایک کام ہو سکتا ہے“ ظفر فوراً بولا۔ وہ کیا“

ایوارڈ اور انعامی رقم مجھے دے دینا ایوارڈ میں رکھ لوں گا اور جو انعامی چیک ہو گا وہ میں کیش نہیں کرواؤں گا۔

یہ سن کر ظفر نے بڑے زور سے تالی بجائی اور کہا یار تم تو واقعی کہانی کار ہو۔

بات کرتے سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور اس کے حلق سے بمشکل یہ الفاظ نکلے ”دوست ہو تو تمہاری طرح“

میں نے دبی آواز میں کہا ظفر یہ تمہاری محبت ہے تمہیں دوست کہا ہے تو پھر دوستی تو نبھانی پڑے گی اور ہاں رہی بات فنکشن کی تو اس کا خرچ ہم مل کر برداشت کر لیں گے۔ جہاں اتنی عزت مل رہی ہو وہاں تھوڑا بہت خرچہ تو کرنا پڑے گا۔

اس طرح نظر نہیں لگتی میری بات سن کر ظفر مسکرا دیا اور اس نے کہا ”دیکھ لو کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے“ میں نے مہیب انداز سے مسکرا کر کہا تم فکر نہ کرو میں سب سنبھال لوں گا۔ بس تم ہمت سے کام لو جس طرح میں کہتا ہوں اُسی طرح کرتے جاؤ۔ اس کے بعد میں کچھ دیر اور رکا پھر اجازت لے کر گھر آ گیا۔

اگلے دن ہی ہم نے ایک جعلی قسم کا بورڈ بنایا ساتھ ہی اخبار میں اشتہار چھپنے کے لیے دے دیا۔ پھر کیا تھا مقررہ تاریخ تک بڑی تعداد میں کتابیں موصول ہوئیں۔ بڑی جانچ پڑتال کے بعد آخر میں پانچ کتابیں رہ گئیں جن میں میری کتاب بھی شامل تھی۔ ہر کام بڑے طریقے اور سلیقے سے ہو رہا تھا۔ تا کہ کسی کو ذرا برابر بھی شک نہ ہو آخر وہ گھڑی آ گئی جس کا مجھے انتظار تھا۔ میری کتاب کو سال کی بہترین کتاب کا حق دار ٹھہرایا گیا۔ شور ہوا لیکن شور کی آواز سے تالیوں کی گونج زیادہ تھی مجھے ایوارڈ دے دیا گیا۔

مزے کی بات یہ تھی میرے افسانے کی کتاب کے ساتھ سفرناموں اور شاعری کی کتابوں کو کس طرح جانچا پرکھا گیا یہ ایک جادو تھا جو صرف ہم ہی کر سکتے تھے۔

میں نے تھوڑی سی حکمت عملی سے کام لیا ظفر کو کتابیں اور مجھے ایوارڈ مل گیا۔

میری اس کامیابی پر بہت خوشی منائی گئی پورے خاندان اور دوست احباب میں مٹھائی بانٹی گئی اور کئی دن تک ہمارے گھر میں مبارک باد دینے کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔

اگلے ہفتے ایوارڈ ملنے کی خوشی میں میرے گھر پر بہت بڑی پارٹی تھی جس میں میری بیگم شلف پر رکھے ہوئے ایوارڈ کی طرف اشارہ کر کے بڑے فخر سے بتا رہی تھی کہ میری ادبی اور علمی خدمات کے اعتراف میں دیا گیا ہے اور مجھے حقیقت میں ایسا لگ رہا تھا جیسے میں وہ کنواری ماں ہوں جس کے محبوب نے بچے کی صورت میں ایوارڈ دیا ہو جس سے میری دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہو گئی ہوں۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادھوری محبت کی مکمل کہانی

ریت، رواج، قبیلے اہمیت رکھتے ہیں مگر سب کچھ نہیں ہوتے
اصل میں اہم صرف انسان ہے......اور بیش قیمت بھی......
منال کی سچی محبت نے خاندان کی روایات بدل ڈالیں......

سیدہ عروج فاطمہ

سادات ہاؤس میں یوں تو بے جا روک ٹوک سے کام نہیں لیا جاتا تھا لیکن لڑکیوں کو یہ بات سمجھا دی جاتی تھی کہ کسی ایسے لڑکے سے شادی ہرگز نہیں کی جائے گی جو غیر سید فیملی سے ہوگا اور اسی وجہ سے ارینج میرج کا رواج کئی سالوں سے چلا آ رہا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت ہی نہ تھی کہ وہ خاندان کی قدیم روایت سے انحراف کرے لیکن محبت کب کسی کے بس میں ہوتی ہے یہ تو انسان کو بے بس کر دیتی ہے اور خود میں اس طرح جکڑ لیتی ہے کہ رہائی پھر ناممکن لگتی ہے۔

سیدہ منال شاہ جیسی لڑکی جو خود کو محبت کی قید سے آزاد رکھنا چاہتی تھی بس ایک ہی لمحے میں ساحل کی باتوں کے سحر میں گرفتار ہو گئی تھی۔ منال نے جب انگلش سپوکن اکیڈمی میں قدم رکھا تھا تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ آج کا پہلا دن ہی آخری ہوگا اور اس کے بعد وہ پھر یہاں کبھی نہیں آئے گی اور پھر ایسے میں ساحل کی جانب سے ملنے والے حوصلے نے منال کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''آپ کافی دیر سے یہاں پریشان بیٹھی ہوئی ہیں۔ شاید آپ کو یہاں کا ماحول پسند نہیں آیا ہے۔'' ساحل منال کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کے بعد گویا ہوا تھا کلاس کے تمام اسٹوڈنٹس باہر گراؤنڈ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

جی آپ کا اندازہ درست ہے اور آج کے بعد میں یہاں کبھی نہیں آؤں گی۔'' خود کو لاکھ کمپوز کرنے کے باوجود آنسوؤں کے قطرے منال کی شال میں جذب ہو گئے تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں اور بے فکر ہو جائیں۔ میں سر حماد سے بات کروں گا کہ آپ کو بے مقصد اسٹیج پر نہ بلایا جائے۔ جہاں تک میرا خیال ہے آج سے پہلے آپ کا لڑکوں کے ساتھ واسطہ نہیں پڑا ہے۔'' ساحل چند ہی ثانیوں میں ساری حقیقت جان گیا تھا۔

''مجھ سے چند گھنٹے نہیں گزر رہے ہیں اور آپ پانچ ماہ گزارنے کی بات کر رہے ہیں۔'' منال نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اب اپنی چیزیں سمیٹنا شروع کر دی تھیں۔
''اب یہیں بیٹھ کر ڈرائیور کا انتظار کر لیجیے۔ میں باہر چلا جاتا ہوں اور میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خود کو مضبوط بنائیں۔'' ساحل اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر آ گیا تھا اور منال کو ان باتوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ صبح گاڑی سے اترتے ہوئے ساحل نے اُسے دیکھ لیا تھا۔

☆......☆......☆

''لگتا ہے میری بیٹی کا آج کا دن اچھا نہیں گزرا ہے۔'' رخسانہ بیگم کو منال کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر معلوم ہو گیا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے۔
''امی جان فر فر انگلش بول کر بھی میں نے منال ہی رہنا ہے۔ نجانے آپ سب سمجھتے کیوں نہیں ہیں کہ مجھے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' منال نے اپنا سر اپنی والدہ کی گود میں رکھنے کے بعد شکوہ کیا تھا۔
''میری پیاری بیٹی کل کو اچھی تعلیم ہی ہمارے کام آتی ہے اور ہمارے خاندان میں تو بہت سی لڑکیوں نے یہ کورس کر رکھا ہے۔'' رخسانہ بیگم نے بڑی شفقت و محبت سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
''ویسے بڑی حیرت ہوتی ہے مجھے اپنے خاندان پر کہ تعلیم سب اچھی حاصل کرتے ہیں لیکن چھوٹی سوچ کو تبدیل کرنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں۔ ذات پات اور قبیلے تو فقط پہچان کے لیے بنائے گئے ہیں یہ تو کہیں نہیں لکھا ہے کہ سید لڑکی سید لڑکے سے ہی شادی کرے گی۔ پھوپھو نے غیر سید لڑکے سے پسند کی شادی کی تو سب نے منہ پھیر لیا۔ میری ایک ہی تو پھوپھو ہیں اور اتنا پیارا رشتہ آپ سب نے مجھ سے چھین لیا ہے۔'' منال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔
''منال مجھے بھی اس بات کا بے حد افسوس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے کہ فریحہ کے ساتھ جو ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن اس سلسلے میں بہت بے بس ہوں میں اور تمہیں بھی یہ ہی کہوں گی کہ کبھی بھول کر بھی اپنی پھوپھو سے رابطہ مت کرنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم میری اکلوتی بیٹی ہو میں نہیں چاہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ کچھ بھی برا ہو۔'' رخسانہ بیگم اپنی بیٹی کو کارآمد مشورے دینے کے بعد کچن میں چلی گئی تھیں جبکہ منال سوچتی ہی رہ گئی تھی کہ اُس کی پھوپھو کو اتنی بڑی سزا نہیں ملنی چاہیے تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن منال کو ساحل کہیں نہیں نظر آیا تھا لیکن اُس کی باتوں سے اتنا حوصلہ تو مل گیا تھا کہ آج وہ کلاس میں بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔

ٹھیک بیس منٹ کے بعد ساحل کی انٹری سے کلاس میں سنائی دینے والا شور سناٹے میں بدل گیا جب ساحل نے کلاس کے اسٹیج پر قدم رکھا تب منال پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

''سوری اسٹوڈنٹس آج راستے میں میری گاڑی خراب ہوگئی تھی اور کل میں کیمپس بس کچھ دیر کے لیے آیا تھا اس لیے اپنی کلاس کے ٹائم پر یہاں موجود نہیں تھا لیکن آج سے آپ کی باقاعدگی سے حاضری لگائی جائے گی اور ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری کلاس میں کوئی بھی کسی کے ساتھ ایسا مذاق نہیں کرے گا جس سے دل آزاری ہونے کا خدشہ ہو کیونکہ انگلش بول چال شروع میں بہت سے اسٹوڈنٹس کو مشکل لگتی ہیں لیکن ایسی صورت حال میں حوصلہ بڑھانا چاہیے اور مجھے پوری امید ہے کہ اس معاملے میں مجھے آپ کی طرف سے کسی بھی قسم کی شکایت نہیں ملے گی۔'' ساحل کی باتوں اور لہجے میں ایک سحر تھا جسے سننے کے بعد دوبارہ سننے کا جی چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دو ہفتے گزر گئے۔ وہ منال جو پہلے ہی دن ہمت ہار گئی تھی آج وہ کلاس کی شائننگ اسٹوڈنٹ بن گئی تھی۔ ساحل اپنے دوست کی جگہ پر محض کچھ ماہ کے لیے ہی اس نجی کالج میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہونے آیا تھا لیکن آتے ہی منال پر دل ہار بیٹھا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے اظہار کی وجہ سے منال کسی بھی قسم کی پریشانی سے گزرے لیکن منال کے حصے میں سب سے زیادہ اضطراب آیا تھا۔ وہ بھی ساحل کی طرح خود کو اس سب سے دور رکھنا چاہ رہی تھی لیکن دل کے ہاتھوں مجبور تھی تب ہی ایک دن اپنی ایک کلاس فیلو سے ساحل کا سیل نمبر لے لیا تھا۔

باہر سردی قہر ڈھا رہی تھی اور اندر کمرے میں موجود منال کمرے کے چکر کاٹنے میں مصروف تھی۔ آج پھر ایک انجان نمبر سے کال آ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ منال کال کینسل کر دیتی ایک بار بات کر لینا مناسب سمجھا تھا۔

''السلام علیکم''

''وعلیکم السلام! میری بچی شکر ہے تم نے میری کال پک کر لی ہے میں تمہاری پھوپھو بات کر رہی ہوں۔'' دوسری جانب سے ملنے والی اطلاع سے منال آبدیدہ ہوگئی تھی۔

''پھوپھو! میں آپ کو بہت یاد کرتی تھی۔ کیسی ہیں آپ اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟'' منال کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کی بہت بڑی خواہش آج پوری ہوگئی ہے۔

''میری تمہاری عمر کی ہی ایک بیٹی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تمہارے پھوپھا جان کی فیملی میں بھی ذات سے باہر شادی کرنے کا رواج نہ تھا۔ اسی وجہ سے سسرال والوں نے مجھے قبول نہیں کیا۔ اب ہم سب سے الگ رہ کر زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن دل سے اپنوں کی محبت تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی ہے۔ ہم دونوں بس اب اپنے رشتے داروں کو یاد ہی کر سکتے ہیں۔'' فریحہ بیگم نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''پھوپھو میں آپ کے ساتھ ہوں اور پسند کی شادی کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ لوگوں کو بس اپنی انا پیاری ہوتی ہے حالانکہ اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچا جائے تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ قطع تعلق سے کام لیا جائے۔'' منال نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو پورے خاندان کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے تم سے کبھی رابطہ نہیں کیا تھا لیکن تم سب بہت یاد آتے ہو مجھے۔ کاش بھائی جان مجھے گھر سے باہر نہ نکالتے تو آج میں بھی تم سب کے درمیان موجود ہوتی پر میں کسی کو بھی قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی ہوں بس اتنا کہوں گی تم ایسی غلطی مت کرنا۔'' منال کی پھوپھو نے بجھے ہوئے لہجے میں اپنی بات مکمل کی تھی اور ساتھ میں یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ اب منال سے رابطے میں رہیں گی۔

☆......☆......☆

منال اب ایک نئی الجھن میں پھنس کر رہ گئی تھی ایک طرف اپنی پھوپھو کی دردناک کہانی تھی تو دوسری طرف اپنی محبت تھی جس کا انجام معلوم نہ تھا۔ اپنے سیل فون سے منال نے ساحل کا نمبر ڈائل کیا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور ذہن میں بھی کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی کہ بات کیسے شروع کی جائے۔

''السلام علیکم .... جی کون؟''

''سر میں منال''

''جی میں پہچان گیا ہوں کیسی ہیں آپ؟''

''سر......م......م...... میں بھی ٹھیک ہوں۔ سوری سر مجھے بچپن ہی سے اٹک کر بولنے کی بیماری ہے بس اسی وجہ سے میں بہت خاموش رہتی ہوں کہ کہیں کسی کو معلوم نہ ہو جائے۔'' منال نے وہ راز کو بھی اپنی اسٹڈی لائف میں آج تک کسی کو نہیں بتایا تھا ساحل کو نجانے کیسے بتا دیا وہ خود بھی اپنی کہی ہوئی بات پر اب حیران ہو رہی تھی۔

''ہاہاہا...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ میں بس تھوڑی سی خود اعتمادی کی کمی ہے۔ لوگوں سے گھبرانا چھوڑ دیں۔ یہ محض آپ کا ڈر ہے اور آپ جب تک خود نہیں چاہیں گی اس سے باہر نہیں نکل سکیں گی۔'' ساحل نے اس قدر شائستگی سے بات کی تھی کہ ایک لمحے کے لیے بھی ایسا نہیں لگا کہ وہ کسی کمی کا ذکر کر رہا ہے۔

''تھینک یو سر خدا حافظ۔'' منال نے شکریہ ادا کرنے کے بعد بات کا اختتام کر دیا تھا کیونکہ دل کی ضد کے آگے دماغ کی طاقت غالب آ گئی تھی جس نے سرخ سگنل دکھا کر یہ باور کروا دیا تھا کہ ایسا ناممکن ہے۔

''یہ دنیا والے بہت ظالم ہیں۔ سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ کوئی کسی کے لیے کس قدر اہم ہوتا ہے ان کو تو بس اپنی انا عزیز ہوتی ہے۔ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں ہے کہ دو چاہنے والے نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھنا چاہتے ہیں۔ ریت رواج کی رسی سے محبت کا گلہ گھونٹ دیا جاتا ہے۔'' منال نے ایک کاغذ پر یہ تحریر لکھ کر دل کا غبار تو مٹا لیا تھا لیکن اپنی زندگی سے ساحل کا نام ونشان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مٹانے میں ناکام ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

پانچ ماہ کا عرصہ تو جیسے پلک جھپکتے ہی گزر گیا تھا۔ اس دوران ساحل نے کبھی خود سے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس سے منال اُس کی جانب مائل ہو سکے۔

''غلطی میری ہی ہے یوں کسی کے متعلق کچھ بھی سوچ لینے سے کوئی ہمارا تو نہیں ہو جاتا ہے نا پسندیدگی کا اظہار تو دونوں طرف سے ہونا چاہیے ۔ میں یہ سب کیوں سوچ رہی ہوں بس اب مجھے خود کو اس تکلیف دہ فرضی محبت کے گمان سے باہر نکلنا ہے۔'' ان گنت آنسو تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد منال کو سیل فون پر آنے والی کال نے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

سکرین پر ساحل کا نام چمک رہا تھا۔

''منال میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کی فیملی میں غیر سید لڑکے کو قبول کیا جا سکے گا؟ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اپنے گھر والوں کو بھی بھیجنا چاہ رہا تھا لیکن پھر سوچا کہ پہلے کنفرم کر لیتا ہوں تاکہ کل کو میرا قصہ آپ کی زندگی نہ خراب کر دے۔'' منال کا دل جس شخص کو بہت پہلے ہی قبول کر بیٹھا تھا آج وہ آیا بھی تو ایسے کہ وہ چاہ کر بھی روک نہیں سکتی تھی۔

''سید فیملی سے باہر شادی کرتے تو نہیں ہیں لیکن میں اپنے گھر والوں سے بات کروں گی۔'' منال کو امید تھی کہ شاید والدہ راضی ہو جائیں گی۔

''جی ٹھیک ہے لیکن کوئی بھی ایسا قدم اٹھانے سے گریز کیجیے گا کہ جو کل کو آپ کی تکلیف کی وجہ بنے۔'' ساحل نے احتیاط سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ آج بھی کسی ہمدرد کی طرح سمجھا رہا تھا لیکن منال کو آنے والے طوفان سے ڈر لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

بیڈ پر آنکھیں موند کر منال کافی دیر سے بے حس و حرکت ایک ہی کروٹ میں لیٹی ہوئی تھی۔ محبت کے نام سے ناآشنا لڑکی آج محبت میں اپنی ہار تسلیم کر کے اشک بہا رہی تھی۔ فریحہ بیگم کی کال نے فریحہ کو سوچوں کے اضطراب سے آزاد تو کر دیا تھا لیکن پریشانی پھر بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''پھوپھو بابا جان اس رشتے پر کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں مر جاؤں گی اور یہ ذات پات کی اونچ نیچ جیت جائے گی۔'' منال گلوگیر لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''ارے پگلی ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں۔ میں فیصل بھائی سے خود بات کروں گی۔ مجھ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فریحہ بیگم منال کو مایوسی سے بچانے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''امی بابا جان سے کہیں کہ مان جائیں۔ میں نے کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگا ہے پلیز آپ لوگ بھی اپنی ضد چھوڑ دیجیے۔'' منال اپنی والدہ کے سامنے بچوں کی طرح گڑگڑا رہی تھی۔

''منال تم نے مجھے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔'' رخسانہ بیگم کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔

''امی میں پھوپھو جان سے بھی رابطے میں ہوں۔ بابا جان کو راضی کر لیں کہ اپنی ناراضگی ختم کر دیں۔'' دوسری بات اب پہلے والی بات سے زیادہ پریشان کن لگ رہی تھی۔

''منال تم نے مشکلات کو خود دعوت دی ہے لیکن میں تمہارا دفاع کروں گی کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور ماں کی محبت میں اتنی طاقت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی خاطر ہر طوفان کا سامنا کرتی ہے۔'' رخسانہ بیگم نے پرسوچ انداز میں جواب دیا تھا۔

☆......☆......☆

''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔ منال نے اگر اپنی ضد نہ چھوڑی تو اپنے باپ کا مرا ہوا منہ دیکھے گی۔'' فیصل صاحب نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا اور دروازے کے قریب کھڑی ہوئی منال کو یوں لگا تھا کہ جیسے کسی نے اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہے۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اوپر چھت پر آ گئی تھی۔ اپنے والد کی کہی گئی بات سے ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب ضد تو آپ کر رہے ہیں جس سے آپ کی انا کو تسکین مل جائے گی لیکن آپ کو تو یہ بھی نہیں معلوم نہیں ہے کہ جس بہن سے آپ نفرت کرتے ہیں وہ ہماری منال سے بے حد محبت کرتی ہے اور رابطے میں بھی ہے۔ فریحہ بری عورت نہیں تھی اور نہ ہی اُس نے بھاگ کر شادی کی تھی جو آپ لوگوں نے ذرا سی بات کا اتنا بڑا ایشو بنا لیا تھا۔ اب بھی وقت ہے منال کو بچا لیجیے۔ وہ آپ کا حکم تو مان لے گی لیکن پھر ساری زندگی خوش نہیں رہ سکے گی۔ آپ نے بھی تو ایک لڑکی سے محبت کی تھی جو سید نہیں تھی اور جدائی کے صدمے نے اُس کی جان لے لی تھی۔ اللہ نہ کرے کل کو ہماری بیٹی بھی۔'' اس سے پہلے کہ رخسانہ بیگم اپنی بات مکمل کرتیں فیصل صاحب نے بات کاٹ دی تھی۔

''خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو۔ جاؤ جا کر منال سے کہہ دو کہ تمہارا باپ اس رشتے پر راضی ہے اور اُس لڑکے کو بھی تم بتا دو کہ اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر لے آئے۔'' فیصل صاحب نے خوشخبری سنا دی تھی۔

''بی بی جی منال باجی سیڑیوں سے نیچے گر گئی ہیں۔ سر پر بہت چوٹیں آئی ہیں۔'' رخسانہ بیگم ابھی کمرے سے باہر نکلی ہی تھیں کہ اتنے میں ملازمہ نے دل دہلا دینے والی خبر سنا دی۔

منال نے ایمبولینس میں ہی دم توڑ دیا تھا۔

منال کی لکھی ہوئی تحریر جب خاندان کے بزرگوں نے پڑھی تو پھر تو جیسے پوری برادری میں انقلاب آ گیا تھا۔

''یہ دنیا والے بہت ظالم ہیں۔ سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ کوئی کسی کے لیے کس قدر اہم ہوتا ہے ان کو تو بس اپنی انا عزیز ہوتی ہے۔ اس بات میں تو کوئی برائی نہیں ہے کہ دو چاہنے والے نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھنا چاہتے ہیں۔ ریت رواج کی رسی سے محبت کا گلہ گھونٹ دیا جاتا ہے۔''

اب وہ ہی سادات خاندان ہے اور وہ ہی لوگ ہیں جو پہلے غیر سید فیملی میں شادی نہیں کرتے تھے اب اپنے اصولوں کو بدل لیا تھا۔ منال کی حادثاتی موت کے بعد اب کوئی محبت کی کہانی ادھوری نہیں رہتی تھی لڑکیوں کو پہلے ہی بتا دیا جاتا تھا کہ اگر کوئی پسند آ جائے تو گھر والوں کو بتائیں شرافت کو ذات پات پر فوقیت دی جائے گی۔

ساحل آج بھی سیدزادی کی قبر پر کر ڈھیروں گلاب کے پھول رکھتا تھا۔ اپنی شادی کے بعد بھی ساحل نے قبرستان آنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ منال اس دنیا سے تو بہت دور چلی گئی تھی لیکن ساحل کو آج بھی وہ اپنے آس پاس کھڑی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آل پاکستان ساگر تقریب ایوارڈ

ساحل ابڑو

ملی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام 7 جنوری 2018ء ڈسٹرکٹ کونسل ہال ڈیرہ اللہ یار میں جعفر آباد کی تاریخ میں پہلی مرتبہ آل پاکستان تقریب ایوارڈ کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت پروفیسر محمد ایوب منصور نے کی۔ مہمان خاص اے ڈی سی کمشنر محمد یعقوب بنگلزائی اور اعزازی مہمان

بلوچستان یونیورسٹی بلوچی ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ ڈرامہ آرٹسٹ پروفیسر ڈاکٹر زینت ثناء بلوچ تھی۔ تقریب ایوارڈ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت عزیز احمد اور نعت شریف پڑھنے کا شرف محمد اویس لاشاری نے حاصل کیا۔ جبکہ نظامت کے فرائض محمد ابراہیم منگریو نے انجام دیے۔

مہمان خاص محمد یعقوب کو وائس چیئرمین ساحل ابڑو نے ایوارڈ پیش کیا اور اعزازی مہمان زینت ثنا کو چیئرمین محمد اسلم آزاد نے ایوارڈ سے نوازا اور ملی ادبی فاؤنڈیشن کے اغراض و مقاصد پیش کیے۔ جس کے بعد مہمان خاص نے پاکستان بھر میں ادبی خدمات سرانجام دینے پر عادل ابڑو، محمد ابراہیم، پروفیسر منظور احمد وفا، پروفیسر سلیم اختر کراچی، پروفیسر محمد ایوب منصور، پروفیسر گلزار آثم، پروفیسر احمد بخش شاذ، پروفیسر شجاعت علی راہی راولپنڈی، منظور حسین سلال، صاحب خان جعفر آبادی، شمس ندیم، عاشق بلوچ، ملک فیاض علی کو ایوارڈ کے اعزاز سے نوازا۔ اعزازی مہمان نے مقابلہ کہانی نویس ایوارڈ حاصل کرنے والوں میں محمد خالد شاہان صادق آباد، مقصود احمد بلوچ میاں چنوں، مہر پرویز دولو اقبال نگر، ملک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

این اے کاوش سرگودھا' مریم فاطمہ کراچی' ایڈووکیٹ وقار احمد برق جیکب آباد' محمد رفیق مغیری بھاگ' اسرار احمد شاکر اوستہ محمد' حمیرا وحید واہ کینٹ' شبنم وارثی آزاد کشمیر کو ایوارڈ پیش کیے۔ شعبہ بچوں کا ادب اور صحافتی ایوارڈ حاصل کرنے والوں میں سینئر صحافی لعل محمد شاہین جعفر آباد' صحافی علی گل پندرانی اوستہ محمد' بچوں کے ادیب غلام حیدر شاہین کوئٹہ' عبدالغفار عطشان مستونگ کو صدر مجلس محمد ایوب منصور نے تقسیم کیے۔ اس موقع پر مہمان' اعزازی

مہمان' صدر مجلس اور دیگر پروفیسروں میں سے منظور احمد وفا' لعل محمد شاہین' محمد رفیق مغیری' سلیم اختر نے ملی ادبی فاؤنڈیشن کے مقاصد کو بہت سراہا اور چیئرمین محمد اسلم آزاد وائس چیئرمین ساحل ابڑو اور دیگر عہدیداران کو مبارکباد پیش کی کہ بلوچستان کی تاریخ میں سب سے پہلی مرتبہ آل پاکستان تقریب ایوارڈ کا انعقاد کر کے شعراء ادباء کو جو عزت اور اعزاز سے نوازا ہے۔ جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

تقریب ایوارڈ میں شمس ندیم' پروفیسر منظور احمد وفا' عاشق بلوچ' بقا محمد بقا' شمس میجور نے اپنا تازہ کلام پیش کیا۔ جبکہ پاکستان کے مشہور شاعر صاحب خان جعفر آبادی اور نور محمد نور کا لکھا ملی ادبی فاؤنڈیشن پر ترانہ حافظ امان اللہ واگھہ نے پیش کر کے مقررین کے دل جیت لیے۔ ساگر تقریب ایوارڈ کے بعد نصیر آباد ویلفیئر سوسائٹی رجسٹرڈ کی جانب سے ملی ادبی فاؤنڈیشن پاکستان کے عہدیداران میں محمد اسلم آزاد' ساحل ابڑو' محمد سلیم اختر راولپنڈی' شمس مہجور' گلزار وفا' شاد پندرانی' ایم اے شکیل' نور محمد نور' ڈاکٹر رسول بخش کے اعزاز سے عادل ابڑو نے ایوارڈ سے نوازا اور علی ادبی فاؤنڈیشن میں بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

تقریب کے اختتام میں بیاد میر محمد مراد کی علمی و سماجی خدمات پر وڈیرہ محمد شریف اور کونسلر رانجھن ابڑو نے سماجی خدمات پر علی گل' فرار خان' رائیس گلاب خان پروفیسر فضل الدین ابڑو' محمد نواز کو ایوارڈ دیا۔

تقریب اختتام کلمات شکریہ ادا کر کے ایم اے شکیل نے سرانجام دیے اور تمام مہمان اور گرامی ایوارڈ یافتگان کے لیے ملی ادب فاؤنڈیشن پاکستان کی جانب سے ظہرانہ دیا گیا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قرینۂ عشق

معصوم اور بے ساختہ محبت نے اس کو بے خوف کر دیا تھا......
ورنہ نہر سے نکلتی لاشیں سوتے میں بھی ڈراتی تھیں......

مدیحہ گل

رات کے اس پہر جب اس چھوٹے سے مگر خوبصورت شہر کے لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں تو شہر کی مرکزی سڑک اوس سے بھیگی، آئینے کی طرح شفاف اور چمکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ دورویہ سڑک ہے اور نہر اس کے دونوں اطراف بہتی ہے، اس نہر کو سرد موسم میں کم بارشوں کی وجہ سے عموماً ٹھہرے ہوئے پانی سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ اس مرکزی سڑک پہ بچھا آئینہ زرد رنگ کے بڑے بڑے دائروں سے چمک رہی ہے۔ یہ دائرے اس سڑک کے دونوں اطراف میں لگی سٹریٹ لائٹس کی وجہ سے ہے۔

جو ہر موسم میں سورج غروب ہوتے کے ساتھ ہی اپنے اندر موجود گہرے زرد رنگ کو دائروں کی شکل میں ہر سو پھیلا دیتے ہیں۔ مجھے یہ برقی کھمبے بلکل ایسے وفادار غلام کی طرح لگتے ہیں جو قدیم بادشاہوں کے دربار میں دونوں اطراف قطار در قطار نہایت مؤدب سے سر جھکائے سے چاق و چوبند کھڑے ہوتے تھے۔

اس سڑک کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کے لیے عکاس ٹیپ (روشنی کو منعکس کرنے والی) دو رنگوں میں استعمال ہوئی ہے۔ سرخ اور نسبتاً کم زرد مگر چمکتی ٹیپ۔ یہ ٹیپ چھوٹے چھوٹے موتی یا نگینے کی شکل میں کاٹی گئی ہے۔ جس سے ٹریفک کی روانی میں آنے والے خلل میں کمی آتی ہے۔

یہ سرخ و زرد نگینے سڑک کے کناروں پہ حد بندی واضح کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ہفتے کی شام کو میں اپنے ارمان کو لے کر چہل قدمی کے لیے آتی ہوں۔ اس وقت اوس میں بھیگی سڑک پہ چمکتی شفاف لائٹوں نے جہاں سڑک کی چمک دمک کو جلا بخشی ہے وہیں دسمبر کی گہری دھند نے حدِ نظر محدود کر کے منظر کی وسعت سے محروم کر دیا تھا۔

مکمل طور پر گرم کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود بھی ہم ٹھنڈ کو اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔

گھر کے گلی کے موڑ سے سڑک کے بیچ کا سفر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بے حد خاموشی سے کٹا تھا۔ اس پل کے کنارے پہ رک کر میں نے ارمان کا بازو اپنے دستانے پہنے ہاتھوں سے تھاما اور بولی۔

"پتہ ہے ارمان۔۔!"

"کیا؟" ارمان نے مجھے غور سے دیکھا اور بولا۔

"جب میں چھوٹی تھی تب یہ سڑک مجھے اتنی خوبصورت نہیں لگتی تھی۔۔ اب تمہارے سنگ مجھے یہ نگینے بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں اور تم یونہی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھڑے نگینوں کو دیکھتے رہیں۔" میں نے بے اختیاری میں سب کہہ دیا۔

"اچھا ادھر آؤ۔ اس بینچ پر بیٹھتے ہیں۔ اور میری بات سنو۔" ارمان نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھے بنچ پر بٹھایا اور خود میرے پاس دوسرے کنارے پہ آ کے بیٹھ گیا۔

"میں تمہارے ساتھ ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا۔" ارامان نے نہایت اطمینان سے یہ جملہ ادا کر کے مجھے حیران کر دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میرے پاس اس سے زیادہ خوبصورت اور دلکش نظارہ ہے۔" ارمان نے میری حیرانگی کا بہت مزے سے جواب دیا۔

"کون سا؟" میں نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

"تم! ہر منظر سے زیادہ خوبصورت تمہاری آنکھیں ہیں۔ پتہ ہے میرا دل کرتا ہے کہ ہم دونوں یونہی عمر بھر اسی بینچ پہ آمنے سامنے ایک دوسرے کی آنکھوں میں اترتے رہیں۔" ارمان نے ٹھہرے الفاظ اور دھیمے لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

"اچھاجی! اگر ہم دونوں یہاں بیٹھے رہیں گے تو مجھے آئس کریم کون کھلائے گا۔" میں شرارتی لہجے

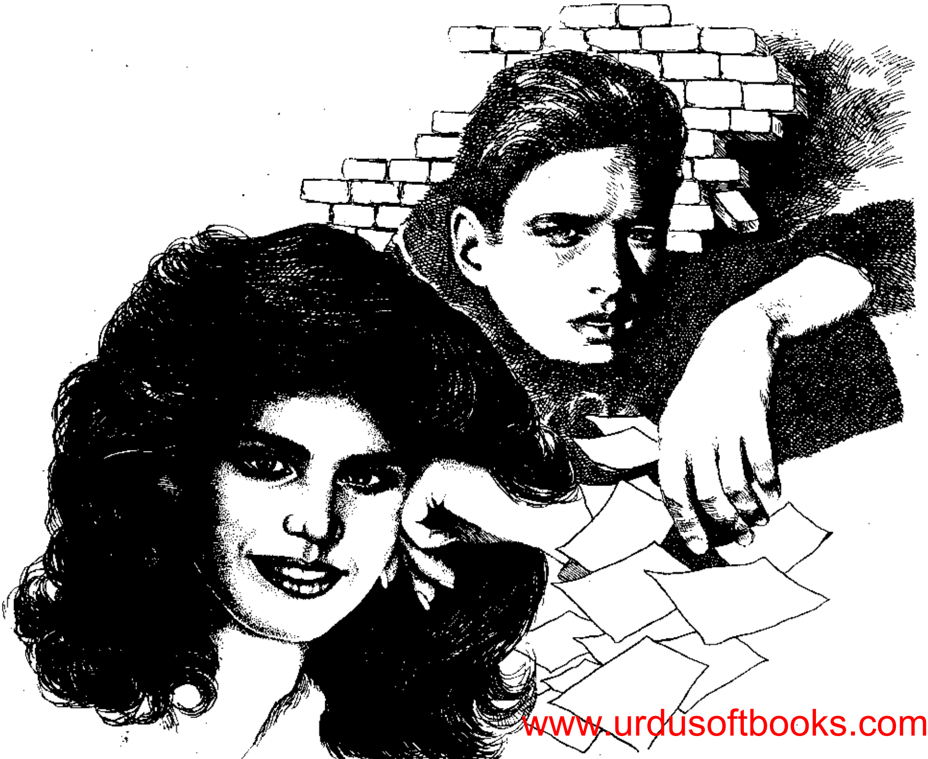

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں گویا ہوئی تھی۔

''اوہ سوری میں بھول ہی گیا تھا۔ چلو آؤ۔'' یہ کہہ کر ارمان نے میرا ہاتھ تھاما اور بیکری کی طرف لے جانے لگا پل کراس کرنے کے بعد دوسرے سرے پہ مجھے انتظار کرنے کا کہہ کر ارمان آئس کریم لینے چلا گیا۔

میں یونہی ٹہلتی ہوئی پل کے درمیان کھڑی ہوگئی تھی۔ دھند بھری اس سنسان رات میں بہت سے کردار میری یادداشت سے نکل کر اس پانی پر منڈلانے لگے تھے۔ یہ سارے کردار اس نہر سے جوڑے ہوئے تھے۔

ایک وقت تھا جب اس نہر کا پانی مجھے اپنی طرف متوجہ کرتا تھا مجھے لگتا تھا کہ میرا اور اس نہر کا کوئی تعلق ہے۔ مگر گھر والوں کی طرف سے نہر کنارے جانے پر پابندی تھی۔ مگر بچپن میں ایسی پابندیاں بھلا کس بچے کے پاؤں باندھتی ہیں۔ میں تب شاید فور کلاس میں تھی، جب میں نے آگے کو جھک کے پانی میں ہاتھ ڈالا۔ مجھے لگتا تھا کہ جب میں پانی میں ہاتھ ڈالوں گی ڈھیر ساری مچھلیاں میرے ہاتھ میں آجائیں گی۔ زبیر میرا کلاس فیلو مجھے کہا کرتا تھا کہ وہ اس طریقے سے مچھلیاں پکڑتا تھا۔ ایک دن وہ چھوٹی سی بوتل میں ننھی سی مچھلیاں ڈال کر اسکول لایا بھی تھا۔

عظیم نے ٹیچر کو بتادیا اور ٹیچر زبیر کو پرنسپل کے پاس لے گئیں۔ میڈم نے زبیر کو سزا دی۔

میں نے بھی زبیر سے نہر سے مچھلی پکڑنے کا طریقہ پوچھا۔

''جب سردیوں میں نہر میں پانی کم ہوجاتا ہے تو میرے پاؤں اور ٹانگیں صرف گھٹنے تک پانی کے اندر جاتی ہیں۔ پھر دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جو بھی مچھلی گزرتی ہے تو میں اسے پکڑ لیتا ہوں تم بھی اس طریقہ سے مچھلی پکڑ کر دیکھنا بڑا مزا آتا ہے۔''

زبیر کے اس من گھڑت قصے سے سب ہی متاثر نظر آتے تھے اور میں تو کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی تھی

''کیا تمہیں ٹھنڈے پانی میں سردی نہیں لگتی؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''لو! میں تجھے پاگل نظر آتا ہوں۔ چلتا ہوا پانی نیم گرم ہوتا ہے۔ بے شک پوچھ لینا اپنی ماما سے۔ پاگل نہ ہو تو۔'' زبیر تو شیخی بھگارتا ہوا اسکول سے باہر نکل گیا۔

میں عقل کی ماری اسکول سے تقریباً بھاگتی ہوئی گھر واپس آئی اور آتے ہی ماما سے کچن میں پوچھ لیا۔

''ماما! چلتا پانی نیم گرم ہوتا ہے؟'' میں نے جلدی سے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

''ارے۔۔یہ کیا۔ سکون کا سانس تو لو۔ جا کے کچھ دیر اندر بیٹھو، پھر بعد میں جو مرضی پوچھ لینا۔'' ماما نے میری طرف دیکھے بنا ہی میری حالت بھانپ لی تھی۔

''نہیں ماما! پہلے مجھے بتائیں۔'' میں نے انکا بازو پکڑا۔

''ہاں بابا! گرم ہوتا ہے، اب جاؤ یونیفارم بدلو۔'' کہہ کر وہ پھر سے کچن کے کاموں میں مصروف ہوگئیں۔

میں کپڑے بدلنے کے بجائے برابر والے گھر اپنی خالہ کے گھر آگئی اور زبیدہ خالہ سے ارمان کا پوچھا۔

''نمو پتر! وہ تو ابھی اسکول سے آیا ہی نہیں ہے اور تجھے جلدی چھٹی مل گئی آج؟'' خالہ نے مجھے چمکارا۔

''جی خالہ!'' میں نے دبی آواز میں جواب

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دیا۔اور گھر واپس آگئی۔
ارمان مجھ سے تین سال بڑا تھا اور دوسرے اسکول میں پڑھتا تھا۔ہم دونوں میں اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی۔میں اس سے ہر بات شیئر کرلیتی تھی۔آج بھی میں زبیر والی بات بتانے ہی آئی تھی۔اگر وہ مجھے مل جاتا تو مجھے وہ حرکت بھی نہ کرنے دیتا جو میں نے اس شام کی تھی۔
شام میں اور چھوٹی بہن عروہ گلی میں کھیل رہے تھے تب بھی میرے ذہن میں زبیر کا بتایا ہوا طریقہ گونج رہا تھا۔یہ محض اتفاق تھا کہ گھر کے قریب ہی نہر موجود تھی۔تب نہر کے پاس کسی قسم کی حفاظتی باڑ نہیں تھی اس لیے باآسانی نہر تک جایا جاسکتا تھا۔
ہم دونوں نہر کے کنارے ایسی جگہ چھپ گئے جہاں ہم پانی کو چھو سکتے تھے اور کوئی ہمیں دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔جیسے ہی میں نے پانی ہاتھ ڈالنے لگی تو میری کہنی لگنے کے باعث عروہ نہر کے اندر گر پڑی۔اسکے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگی۔ساتھ میں وہ پانی میں ہاتھ پاؤں بھی مار رہی تھی۔پہلے مجھے گمان گزرا کہ وہ پانی میں بار بار ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑ رہی ہے۔مگر نہیں وہ ڈوب رہی تھی کیونکہ پانی زیادہ تھا۔اس احساس کے اترتے ہی میں نے زور زور سے مدد کے لیے چلانا شروع کردیا ،جلد ہی لوگ اکٹھا ہوگئے۔۔بے ہوش عروہ کو باہر نکالا اور جلد از جلد اسے نزدیکی ہسپتال پہنچایا۔
میرے والدین کو اطلاع دی وہ جلدی سے ہسپتال آئے۔نمونیا کی وجہ سے عروہ ایک ہفتے ہسپتال میں داخل رہی۔اور میری جو درگت بنی وہ الگ داستان ہے۔
رات کو ارمان نے جب یہ کہانی سنی تو وہ بے حد ہنسا تھا۔وہ میرے لیے ایک چھوٹا سا گلوب سائز کا ایکوریم لے آیا۔اسکا یہ رویہ مجھے اچھا لگا۔اسکی

غزل

دلِ ناخوش کو مناتے ہوئے رہ جاتے ہیں
ہم کہیں جائیں تو جاتے ہوئے رہ جاتے ہیں

روز اک شکل نظر آتی ہے دروازے میں
روز دیوار اٹھاتے ہوئے رہ جاتے ہیں

یاد آجاتا ہے اک دوست نما راز فروش
ہم نیا دوست بناتے ہوئے رہ جاتے ہیں

بیٹھ جاتی ہے گلِ تازہ پہ تھک کر تتلی
اور ہم ہاتھ بڑھاتے ہوئے رہ جاتے ہیں

زندگی خوب سفر ہے کہ مسافر سارے
نقشِ پا کی طرح جاتے ہوئے رہ جاتے ہیں

کوئی پرسانِ خدوخال اگر آجائے
اُس کو آئینہ بناتے ہوئے رہ جاتے ہیں

دیکھتا ہوں میں جنہیں خواب میں عاصم
کیا زمانے ہیں کہ آتے ہوئے رہ جاتے ہیں

لیاقت علی عاصم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

باتیں میرے دل و دماغ میں ٹھہر سی جاتیں تھیں۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ میں دلچسپی کیوں لینے لگی ہوں۔ کیا وہ بھی میرے بارے میں بھی اس طرح سے سوچتا ہے کہ نہیں

میری انہی سوچوں کے ساتھ وقت گزرنے لگا۔

عروہ کے نہر میں ڈوبنے والے واقعے کے بعد مجھے اس نہر سے مزید خوف آنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میرا خوف بھی دوچند ہو گیا۔ موسم سرما میں نہر کے اندر میں نے ایک لڑکی کی پھولی ہوئی لاش دیکھی۔ مجھے اتنا خوف آیا کہ میں کئی راتوں تک سو نہ سکی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ لاش کسی میٹرک کی طالبہ کی تھی، جس نے فیل ہونے کے باعث والدین کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔

پھر تو اتر سے چھ ماہ یا سال بعد کے وقفہ سے لاش نکلنا شروع ہو گئیں۔ اس نہر کے بارے میں یہ بات مشہور ہونے لگی کہ یہ جوان لڑکیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انکا خون پی کر امر ہونا چاہتی ہے۔ جب یہ باتیں میرے کان میں پڑی تو میں اس نہر کے قریب بھی نہیں جاتی تھی۔

☆......☆......☆

میں بابا کے ساتھ کالج سے واپس آ رہی تھی جب ہماری موٹر سائیکل پل کے پاس پہنچی تو وہاں بہت رش تھا۔ سب ہی لوگ نہر میں دیکھ رہے تھے اور آپس میں بازگشت کر رہے تھے۔

''سنیں بھائی صاحب! پانی میں کیا ہے؟'' ابو نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''پل کے نیچے جو جھاڑی ہے نا اس میں ایک نوجوان لڑکی کی ادھ جلی لاش اٹکی ہوئی ہے۔ شاید سسرال والوں نے پھینکا ہوگا یا پھر کسی نے اپنا گناہ چھپانے کے لیے۔''

''اچھا بہت بہت شکریہ۔'' ابو نے پوری بات بھی نہ سنی جلدی سے موٹر سائیکل دوڑائی اور چند میٹر دور چھوٹے پل سے گزر کر گھر کی طرف موڑ دی۔

جس وقت میں گھر میں داخل ہوئی تو اس وقت مجھے بے حد پسینہ آ رہا تھا اور خوف کے مارے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ میں نے کافی دیر تک ماما کو اپنے پاس سے ہلنے نہ دیا۔ تبھی ارمان آ گیا۔ ماما نے تو اسے دیکھتے ہی دہائی دی۔

''ارمان بیٹا میں تو پچھلے ایک گھنٹے سے اسے سمجھا رہی ہوں، مگر مجال ہے اس لڑکی پر کسی بات کا اثر ہو۔ میں تو تھک گئی ہوں۔ تم ہی اسکو سمجھاؤ۔'' ماما نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''خالہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اسے اس طرح سمجھاؤں گا کہ یہ ساری عمر کبھی بھی نہر سے نہیں ڈرے گی۔''

اسکے الفاظ پر غور کیے بغیر ہی ماما مطمئن ہو گئی۔

''میں زبیدہ کو لے کر ہسپتال جا رہی ہوں۔ تم اس کا خیال رکھنا۔'' ماما نے چادر لی اور باہر چل دیں۔

ارمان صوفے پر میرے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔ اور نرمی سے بولا۔

''سنو میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ارمان عزیز قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں عمر بھر اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھوں گا۔ میرے ہوتے ہوئے کسی قسم کا ڈر تمہارے پاس پھٹکے گا بھی نہیں۔'' بولتے ہوئے وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا رہا۔ اور چند لمحے رک گیا۔ میں بظاہر دم سادھے، بے قرار دھڑکنوں پہ قابو پانے میں مصروف تھی۔

''تمہیں تحفظ دینا میری ذمہ داری ہے مگر اس سے پہلے تمہیں میرا ایک کام کرنا پڑے گا۔'' ارمان نے رازدرانہ انداز میں کہا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کیا؟" میں بے ساختہ بولی۔

"پہلے بتاؤ کہ تم کروگی یا نہیں؟" وہ مزید تجسس میں ڈال رہا تھا۔

میں متذبذب سی ارمان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، کچھ کچھ سمجھ آرہا تھا میرے۔

"بتا رہے ہو یا میں جاؤں۔" میں اپنا ڈر اور رونا بھول کر بے حد زچ ہوئی۔

"جاؤ تم۔" ارمان نے معصومیت سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

میں آپ کے لیئے چائے لے کر آتی ہوں۔" میں بہانے سے اٹھی تا کہ وہ اپنی بات مکمل کیے بنا ہی چلا جائے۔

"مجھ سے شادی کرنی پڑے گی تمہیں بولو کروگی نا؟" ارمان کی مدھم آواز نے، میرے اٹھتے دم وہیں جما دیئے۔

"ک ک۔ کیا!" میں نے اچانک مڑ کر کہا اور اپنی بے ساختگی پر خود ہی شرما گئی، فوراً منہ دوسری جانب کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے نہ کرو۔" وہ جانتے بوجھتے منوانے پہ تلا ہوا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ میں شادی نہیں کروں گی۔"

"تو پھر جناب نے کیا کہا۔" تازہ گلاب سا ارمان چہکنے لگا۔

"کچھ نہیں۔"

"نہیں؟"

نہیں بابا! مطلب ہاں۔" یہ کہتے کے ساتھ ہی میں نے کچن کی جانب دوڑ لگا دی۔

"چائے اچھی سی بنانا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" پیچھے سے ارمان نے قہقہوں بھری صدا لگائی۔

یہ خوبصورت یادیں اس لمحے بھی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر رہی تھی۔ نہر کا کیا راز تھا یہ میں کبھی جان نہ سکی، البتہ اتنا جان گئی تھی کہ میرا اس نہر سے تعلق بہت گہرا تھا۔ اگر اس دن میں اس نہر کی وجہ سے نہ ڈرتی تو کبھی بھی ارمان کے تسلی بھرے جملوں کے ساتھ وہ انوکھا اظہارِ محبت نہ سن پاتی جو میں ہمیشہ سے سننا چاہتی تھی۔

"اے کڑی نوں ویکھ کے آپے ہنسی جاندی اے؟" یہ الفاظ مجھے یادوں کے محل سے واپس اسی پل پر لے آئے جہاں مجھے ڈر لگتا تھا۔ میرے سامنے ایک افیمی کھڑا تھا جو آنکھیں مل مل کر کہہ رہا تھا۔ سامنے سے ارمان چلا آیا۔

"لگدا اے آج بہتا سوٹا مار لیا اے، اوہ پاگل دے بچے، اے چڑیل ہونی۔ اے جیڑی عیبی چیز اں نال گلاں کردی پئی اے۔" پھر اپنے سر پر ہاتھ مارا۔

"کھوتے دے پتر پچ اتھوں ......چ......چڑ......چڑیل......" کپکپاتی آواز میں دبی سی سرگوشی کی اور ساتھ اُس نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

"یہ کون تھا؟" ارمان نے مجھے آئس کریم تھماتے ہوئے پوچھا۔

"شاید کوئی افیمی تھا، مجھے چڑیل سمجھ کر اتنی بُری طرح سے بدحواس ہوا کہ نہر میں چھلانگ لگا دی۔"

"تم اور چڑیل!" ارمان کھلکھلا کر ہنسا۔

میں نے ارمان کو گھورا۔

"میں اور جن۔" وہ ہنسی روک کر بولا۔

میں بھی مسکرانے لگی۔

ہمارے قہقہے اس سرد موسم کو مزید دلفریب بنا رہے تھے۔

ہم قرینہ محبت جو سیکھ گئے تھے

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دوشیزہ کا سفر

زندگی کا سفر یقیناً بہت اعصاب شکن عمل ہے کہ اس میں بے شمار لوگ بچھڑ جاتے ہیں، بگڑ جاتے ہیں بدل جاتے ہیں مگر بس یہ اطمینان ہوتا ہے آخری پڑاؤ منزل پر ہی ہوگا۔ تین نسلوں پر محیط سفر کی دلچسپ داستان جو آپ کو دوشیزہ اور دوشیزہ والوں سے جوڑے رکھے گی

دوشیزہ اور میں شاید ہمیشہ سے ساتھ ساتھ تھے ...بہت چھوٹی تھی جب ابو نے ایک دن کھانے کے

ایک بڑی بہن کے حصے میں آیا اور دوسرا چھوٹی بہن کے۔ پھر بیماری کے دنوں میں ابو نے پھر وہی سوال

سہام مرزا دوشیزہ کے ابتدائی دنوں کے دفتر میں جو طارق روڈ پر واقع تھا

دوران کہا کہ دوشیزہ منزہ کا ہے اس زمانے میں فانوس اور پندھوریں صدی بھی نکلا کرتے تھے

دہرایا جو وہ اکثر کیا کرتے تھے... کاروبار کون سی بیٹی سنبھالے گی دونوں بہنیں امریکہ پلٹ تھیں... بلکہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

امریکن نیشنل تھیں۔ انہیں کچھ خاص لگاؤ نہ تھا لہٰذا میں وشاعری کی نشستیں دیکھیں... ایک دن ابو کے ساتھ

دوشیزہ کی پہلی ایڈیٹر رعنا فاروقی

نے کہا ابو دوشیزہ میرا ہے سب سنبھال لوں گی... اور ایک سفید بالوں والی خاتون کو دیکھا سفید ساڑھی،

سہام مرزا صاحب' اقبال بانو صاحبہ بھارتی ادیبہ کے ساتھ

بس پھر ابو دنیا سے چلے گئے اور میں نے ان کی کرسی برجستہ جملے، کچھ غیر معمولی سی شخصیت اس وقت تو
سنبھال لی... آنکھ کھلتے ہی گھر میں ادبی محفلیں، شعر بس یہی پتہ تھا کہ یہ آنٹی انڈیا سے آئی ہیں کتنے دن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ساتھ گزرے، چوکنڈی کے قبرستان میں ان کی گود میں بیٹھ کر تصویریں کھنچوائیں یہ عقدہ تو کچھ عرصے بعد کھلا کہ وہ عصمت چغتائی تھیں اپنے وقت کی بہت بڑی مصنفہ... جیلانی بانو اور واجدہ تبسم دونوں بہنیں تھیں اس وقت کے بمبئی اور آج کے ممبئی میں واجدہ آنٹی کا گھر تھا جہاں وہ اپنے بیٹوں اور میاں کے ساتھ رہتی تھیں۔ 87 میں جب میں ابو امی کے ساتھ انڈیا گئی تب انہی کے گھر میں ٹھہری تھی... کیا لوگ تھے جو صرف خوش رہنا اور رکھنا جانتے تھے... مجھے یاد ہے میں امی کے ساتھ قرۃ العین حیدر مرحومہ کے گھر گئی تھی وہ بہت نفیس خاتون تھیں بچپن تھا رویوں اور حالات کا اندازہ نہیں ہوتا مگر جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی مجھے سمجھ آنے لگا کہ کتاب اور کتاب میں لکھنے والے غیر معمولی لوگ ہوتے ہیں... حیدر آباد دکن میں جیلانی بانو کا چھوٹا سا خوبصورت سا گھر تھا مجھے آج بھی یاد ہے کہ ان کا اکلوتا بیٹا فرحان جو مجھ سے کچھ بڑا ہوگا۔ بہت ذہین لڑکا تھا اور میں صرف شیطان۔ ابو جب فرحان کی تعریف کرتے تھے تب مجھے بہت برا لگتا تھا مگر اب سوچتی ہوں میں تو ہنسی آتی ہے کہ وہ واقعی میں بہت ذہین تھا تبھی سابق امریکی صدر کلنٹن جب دکن آئے تو اس سے خاص طور پر ملاقات کی تھی...

بیتا ہوا وقت مجھے الف لیلیٰ کی داستان لگتا ہے۔ والدین بہت قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں اور میں یہ بات پورے وثوق سے کہتی ہوں کہ جس کے پاس یہ دولت نہیں ہوتی وہ تہی داماں ہے۔ ابو کے تعلقات ہر شعبے میں موجود ان لوگوں سے ضرور تھے جو لکھنے پڑھنے سے شغف رکھتے تھے یا ایسے لوگوں کو بہت عزت و تکریم دیتے تھے ہمارے گھر کے سامنے سابق آرمی چیف اور صدر پاکستان ضیاالحق مرحوم کے بھائی امین الحق مرحوم اپنی زوجہ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ان کی اولاد نہیں تھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے صرف مجھے اجازت تھی کہ میں کسی وقت بھی ان کے گھر جا سکتی تھی لہذا جب کرکٹ کھیلتے

رخسانہ سہام مرزا اور مہمان خصوصی بیگم ثاقبہ رحیم الدین
پہلے دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کے موقع پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئے بڑے لڑکوں کی بال ان کے گھر جاتی تھی تو مجھے بھیجا جاتا تھا اور میں دیوار پھلانگ کر لان میں سے بال اٹھا لاتی۔ کچن سے آنٹی کی آوازیں آتی رہتیں "ٹھہر جا لڑکی" اور میں یہ جا وہ جا۔ برسوں ان کے لان میں مور کی طرح چہل قدمی کی۔ مزے مزے کی چیزیں کھائیں... ہر ماہ جب دوشیزہ شائع ہوتا تو میں دینے جاتی تھی تب چاکلیٹ ملنا لازمی تھی اور اسی لیے میں اب تک چاکلیٹ بہت کھاتی ہوں یہ لت مجھے دوشیزہ کی وجہ سے لگی۔ میرا یہ ماننا ہے...

کالج کے دنوں سے پڑھ رہی ہوں"... میں نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت خاتون نہیں دیکھیں گلابی رنگت، سرو قد اور خاندانی جاہ وجلال جواب مفقود ہے۔ سب نے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا... ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ کوئی کچھ بھی کہے میں جانتی ہوں کہ مرحوم ضیا الحق صاحب کی شخصیت بہت قدآور تھی۔ مجھے گود میں اٹھا کر اپنی کالی مرسڈیز کی ڈگی پر بٹھا کر میرے گالوں کو چوما تھا... شبنم سے بھیگی گاڑی کی ٹھنڈک اور ان کے پیار کی

سہام مرزا صاحب' عصمت چغتائی مرحومہ کے ساتھ اُن کی دفتر آمد پر

ایک بار ضیا الحق صاحب جو اس وقت صدر پاکستان تھے اپنے کنبے کے ساتھ بھائی سے ملنے آئے۔ ان کی بیٹی زین، بہو جو ثاقبہ رحیم الدین کی صاحبزادی تھیں اور ان کے شوہر اور ضیا صاحب کے صاحبزادے اعجاز الحق بھی ہمراہ تھے۔ میں اور امی بھی ملنے گئے۔ تب ضیا صاحب کی بہو کچن سے نکل آئیں ان کے ہاتھوں اور ماتھے پر آٹا لگا تھا وہ روٹیاں پکاتے پکاتے لاؤنج میں چلی آئی تھیں... آتے ہی امی کے گلے لگ کر کہنے لگیں "آنٹی مجھے بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا دوشیزہ تو میں اپنے

حدت میں شاید زندگی میں بھی نہ بھول پاؤں... ضیا الحق مرحوم کے انتقال کے بعد اعجاز الحق صاحب کو دوشیزہ بھیجا تو ان کا فون آیا کہ میں سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں۔ میں مفت میں کتاب نہیں پڑھ سکتا؟؟ کیا ایسے لوگ پھر سے ہو سکتے ہیں یا جنہوں نے ان کی تربیت کی وہ... خیر یہ لمبی بحث ہے... شہر کے حالات ملک کے حالات بہت اچھے تھے روز کی بنیادوں پر ادبی محفلیں ہوا کرتی تھیں... میں وہ والا بچہ تھی جسے بس ابو کی انگلی پکڑ کر چلنا ہوتا تھا... ہر جگہ ان کے ساتھ ایسی محفلوں میں جہاں بچے، بور ہوتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہیں میں بہت خوش ہوتی تھی' گھر پر دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کے حوالے سے عشایئے کا اہتمام کیا گیا تھا تب بشریٰ رحمان صاحبہ لاہور سے تشریف لائی تھیں ۔خوش لباس اور خوش اندام خاتون... اس رات میں نے اپنے والدین کو بہت مسرور دیکھا' ابو کی دوشیزہ میں جان تھی اور اس سے وابستہ ہر شخص کو وہ عزیز رکھتے تھے' قمر اجنالوی انکل مہینوں ہمارے گھر پر ٹھہرا کرتے تھے' ان کی مرغوب ڈش دم بخت گوشت تھا' جو وہ فرمائش کر کے امی سے بنواتے تھے۔

جنگ اخبار کے مشہور کالم نویس انعام درانی مرحوم
دوشیزہ کی اولین قلمکار عظمت عزمی مرحومہ کے ساتھ

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی ابتدا 1983 میں ہوئی جب پانچ ستاروں والے ہوٹل میں عام آدمی داخل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ابو کی سوچ تھی کہ دنیا کچھ بھی کہے لکھاری عام آدمی نہیں ہوتا... وہ قابل عزت و احترام ہے لہٰذا شہر کے معروف ترین ہوٹل جو اس وقت انٹرکونٹی نینٹل کہلاتا تھا اور اب پرل کونٹی نینٹل میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا... جنرل رحیم الدین کی بیگم ثاقبہ رحیم الدین، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، دوست محمد فیضی' ڈاکٹر جمیل جالبی، میر خلیل الرحمان' شوکت صدیقی، انور عنایت اللہ' سحر انصاری، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، بریگیڈیر صدیق سالک، ادریس دہلوی (مدیر شمع انڈیا)۔ اور بہت سے وہ نام جو اب میری یادداشت میں نہیں رہے اپنے وقت کے علم دوست لوگ ان کی موجودگی میں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور جو لوگ بہ بانگ دہل یہ کہتے تھے کہ ڈائجسٹ ادب کا حصہ نہیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ایوارڈز بھی دیئے۔ یہ سچ ہے کہ عزت وہی شخص دلوا سکتا ہے جو پور پور عشق میں ڈوبا ہو... اور عشق بھی کتابوں سے... کتابیں لکھنے والوں سے...

دوشیزہ کا اجراء 73ء میں ہوا پہلا دفتر طارق روڈ پر واقع تھا... پہلی ایڈیٹر رعنا فاروقی، آرٹسٹ مومن رحیم، منیجر اسلم صدیقی مرحوم اور فوٹو گرافر موسیٰ رضا ہمہ وقت وہاں موجود ہوتے... ابو آنے والے مہمانوں کو نیچے چائنیز لے جاتے تھے تقریباً روز کی یہی مصروفیت تھی... ایک وسیع حلقہ احباب تھا... موسیٰ بھائی اپنی بائیک پر جب گھر آتے تب نہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جانے کیوں مجھے بہت خوشی ہوتی ۔ وہ مجھے بہت
اچھے لگتے تھے شاید اس لیے کہ وہ ابو کو بہت پسند تھے

جیلانی بانو صاحبزادے فرحان ہمراہ نصف بہتر
ڈاکٹر انور معظم صاحب بطور ادارے دوشیزہ کے مہمان کراچی آمد پر

اور مجھے ہر وہ شخص ہمیشہ بہت اچھا لگا جو ابو کی گڈ بکس

مصنفہ شیریں خان، عظمت عزمی مرحومہ مومن رحیم (آرٹسٹ)
ایک شام مصنفہ کے ساتھ کے موقع پر

میں تھا . . . موسیٰ بھائی سے بڑی تصویریں

کھنچوائیں... بہت تنگ بھی کیا... دوشیزہ کا ذکر ہو
اور منورہ نوری آنٹی کا ذکر نہ ہوا ایسا تو ممکن ہی نہیں،

اقبال بانو جی، عظمت عظمی مرحومہ، مقبول جلیس، ظہیر

انکل، یہ وہ لوگ ہیں جو اوائل دنوں سے دوشیزہ فیملی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کا حصہ رہے۔ برسوں میں رعنا فاروقی جو دوشیزہ کی اولین ایڈیٹر تھیں ان کے ساتھ سویا کرتی تھی... ان کا تعلق DGK سے تھا وہ ہمارے ساتھ ہی رہتی تھیں اور میں ان کے ساتھ... ابو اور وہ رات کو کھانے کے بعد دوشیزہ میں کیا چھپنا ہے کس کو چھپنا ہے طے کرتے تھے اور میں وہیں رعنا خالہ کی گود میں سوتی رہتی... آج بھی ان کا پیار سے مونی کہنا یاد آتا ہے

پھینک دیتا تو میں اس سے باقاعدہ جھگڑا کرتی اور برسہا برس میرا یہی معمول رہا.. اپنی موجودگی میں پرچہ رکھوانا حالانکہ دفتر سے اسلم انکل آتے تھے مگر دوشیزہ تو میرا تھا لہذا خود ساختہ ذمہ داری بنالی...

تقریباً روز شام میں ابو کے ساتھ انعام درانی انکل جنہیں ڈیڈی کہتے تھے وہ اپنے وقت کے بہترین کالم نویس تھے حالانکہ ابو سے عمر میں بہت

ڈاکٹر جمیل جالبی سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی رخسانہ سہام کے ہمراہ تیسرے دوشیزہ ایوارڈ کے موقع پر

... ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا اور زندگی کتنی سبک خرامی سے آگے بڑھ جاتی ہے اور کتنے پیارے کتنی پیاری یادیں سب ماضی کا حصہ بن جاتی ہیں... ابو اسٹیٹ لائف میں جاب کرتے تھے اور رعنا خالہ اسٹیٹ بینک میں دونوں اپنی نوکریوں کے بعد دوشیزہ کے دفتر پہنچتے اور پوری پوری رات کام کرتے تھے... مجھے وہیں آفس میں سلا دیا جاتا... کمبل میں لپٹی چھوٹی سی بچی دوشیزہ کے آفس میں بہت خوش خوش سوتی... شاید یہی وجہ ہے کہ مجھے دوشیزہ سے عشق ہے... جن عمروں میں لڑکیاں گڑیوں سے کھیلتی ہیں میں دوشیزہ کی اماں بن گئی... بچا ہوا پرچہ جب گودام میں رکھا جاتا اور کوئی مزدور بنڈل زور سے

بڑے تھے اور اکثر ابو کے ملنے والے ان کے ہم عمر نہیں تھے مگر قلم سے رشتہ جڑا تو پھر ہر لکھنے والے سے جڑتا چلا گیا... ڈیڈی بالکل گھر کے فرد کی مانند تھے... جیسے مولانا کوثر نیازی اس وقت تو میں نہیں جانتی تھی مگر رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہوتا گیا کہ میرے والد کے سوشل سرکل میں ہر وہ شخص شامل ہے جو لکھنے پڑھنے والوں کی قدر کرتا ہے۔ گھر کا ماحول ہمیشہ بہت مختلف پایا جہاں بس کتابیں تھیں یا ان کے لکھنے والے... صبح کے ناشتے پر مہمان، دوپہر کے کھانے پر احباب، شام کی چائے اور رات کے کھانے پر تو خاص اہتمام ہوتا... اور محور صرف ادب... کہتے ہیں نا کہ انسان جس ماحول میں پرورش پاتا ہے ویسا ہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوجاتا ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہوگی کہ مجھے سونے جواہرات کبھی نہ بھائے... مجھے نئی نکور کتاب دنیا کی قیمتی ترین شے لگتی تھی میں اس کے صفحے کو کھول کر سونگھا کرتی... رات کو سرہانے رکھ کر سو جاتی... یہ اس وقت کی بات ہے جب الفاظ سے آشنائی نہ تھی... زندگی کے ابتدائی سات، آٹھ سال پوری زندگی پر حاوی ہوجاتے ہیں... اسی لیے اپنے بچوں کی تربیت پر تمام والدین کو خصوصی توجہ دینی چاہیے اور یہ سوچ کر درگذر نہیں کرنا چاہیے کہ ابھی عمر ہی کیا ہے... مجھے عظمت عزمی کی ہلکی سی شبیہہ بھی یاد ہے وہ بہت جلدی دنیا سے چلی گئیں۔ ان کی تحریر دوشیزہ کی جان ہوتی تھی اور دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال ایسے لکھتی تھیں کہ پڑھنے والے اپنے آپ کو پی سی کے بینکوئٹ ہال میں موجود پاتے تھے۔ اس زمانے میں وی سی آر کا رواج تھا فنکشن کی فلم بنتی تھی جو میں روزانہ کی بنیاد پر دیکھا کرتی تھی لہٰذا واقعات، شخصیات، سب مجھے ازبر ہیں... ہر سال کیونکہ فنکشن پرل کونٹی نینٹل میں ہوتا تھا لہٰذا مینجمنٹ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ بہت مجمع ہوگا وہ ابو کے پیچھے پیچھے گھومتے کہ ہم پارٹیشن بنا کر ہال کو مزید بڑا کردیتے ہیں مزید کرسیاں اور چائے کے لوازمات بڑھا دیتے ہیں مگر یہ اضافی خرچ آپ کو ہی برداشت کرنا ہے اور اس زمانے میں پانچ صفر لگی ہوٹل کی پیمنٹ جو ابو خوشی خوشی کرتے اس دور میں بھی اسپانسرز کا رواج تھا مگر وہ کہتے تھے کہ میرے رائٹرز میرے مہمان میرے لیے قابل عزت اور قابل فخر ہیں میں ان پر خرچ کرکے خوشی محسوس کرتا ہوں... لوگ پوچھتے تھے مرزا صاحب آپ کو اتنا خرچا کرکے کیا ملتا ہے اور وہ کہتے خوشی ملتی ہے... جتنا مان انہوں نے دوشیزہ کے لکھنے والوں کو دیا اتنا ہی مان دوشیزہ کو اس کے رائٹرز نے دیا... میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میرے رب نے مجھے ایسے گھرانے میں پیدا کیا جہاں قلم کی عزت تھی۔

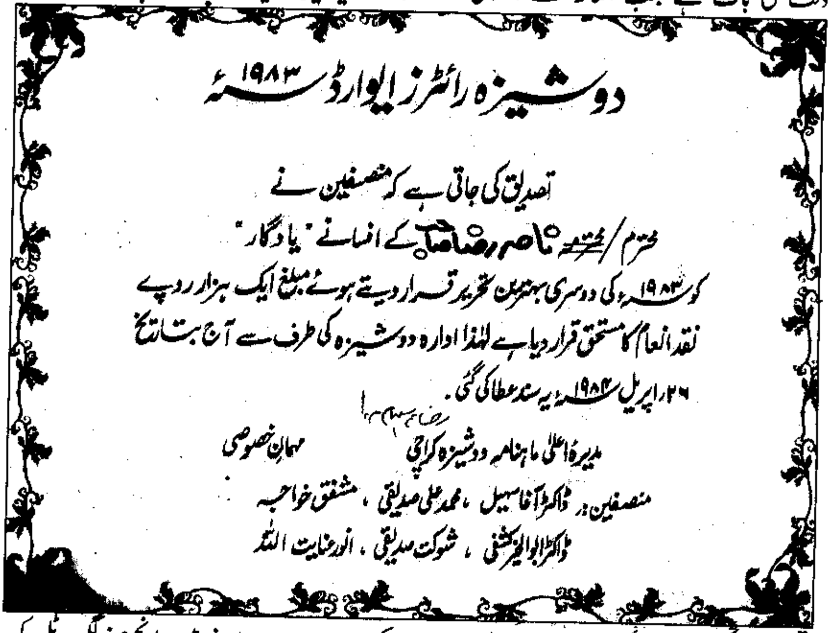
دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ ۱۹۸۳ء

تصدیق کی جاتی ہے کہ منصفین نے
محترم/محترمہ ناصر رضا صاحب کے افسانے "یادگار"
کو ۱۹۸۳ء کی دوسری بہترین تحریر قرار دیتے ہوئے مبلغ ایک ہزار روپے
نقد انعام کا مستحق قرار دیا ہے لہٰذا ادارہ دوشیزہ کی طرف سے آج بتاریخ
۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء یہ سند عطا کی گئی۔

مدیرۂ اعلیٰ ماہنامہ دوشیزہ کراچی　　　　مہمانِ خصوصی

منصفین: ڈاکٹر آغا سہیل، محمد علی صدیقی، مشفق خواجہ
ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، شوکت صدیقی، انور عنایت اللہ

(جاری ہے)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شمع عشق

عشق اگر کائنات کے مالک اور اُس کے محبوب سے ہو تو یہ بھٹکنے نہیں دیتا بلکہ بھٹکے ہوؤں کو بھی سنبھال لیتا ہے، ایسا ہی معجزہ پرتاب سنگھ کے ساتھ ہوا......

حنا بشریٰ

''عمیر صاحب! بہت دنوں سے آپ سے ملاقات کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ ایک دو مرتبہ آپ کے گھر آیا تو معلوم ہوا کہ آپ روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ سر آپ کی کتاب 'میرا پیمبر عظیم تر ہے' نے تو دھوم مچا دی ہے۔ میں تو آپ کی تحریروں کا پہلے ہی بہت مداح تھا اب تو آپ نے مجھے اپنا اور گرویدہ بنالیا ہے۔'' میں پُرجوش انداز میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''بہت شکریہ...... یہ اُس ذات کی کرم نوازی ہے جو اُس نے مجھے قلم پکڑنے کا ڈھنگ سکھایا ورنہ کہاں مجھ حقیر انسان میں اتنا سلیقہ کہ محبوب خدا ﷺ کی شان میں کچھ لکھ سکوں۔'' عمیر صاحب انتہائی عاجزی سے بولے۔

''سر اس کتاب کے آخر میں آپ نے ایک سکھ بھارتی فوجی کا قصہ بیان کیا ہے اس قصے میں آپ نے عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے...... سر یہ قصہ حقیقت پر مبنی ہے یا کوئی افسانہ؟'' میرے لہجے میں تجسس تھا۔

بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک نے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔ کھڑکی سے آنے والی سرد ہواؤں کو روکنے کے لیے اُس شخص نے کھڑکی کو زور سے بند کیا...... اور آتش دان کے قریب بیٹھ کر لوہے کی سلاخ سے کوئلوں کو اُلٹ پلٹ کرنے لگا۔

''سر آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' میں نے ایک مرتبہ پھر سے پوچھا۔

''وہ قصہ حقیقت پر مبنی ہے۔'' عمیر مصطفیٰ گہرے پُرسوچ انداز میں بولے۔

''سر کیسے آیا تھا اُس کی زندگی میں یہ انقلاب؟ کیا آپ اُس نوجوان سے ذاتی طور پر ملے ہیں۔ سر میں بہت دور سے آیا ہوں۔ پلیز مجھے یہ قصہ وضاحت سے بتائیں۔'' میں نے ایک سانس میں ہی کئی سوال کر ڈالے۔

''وہ نوجوان میں خود ہوں۔'' عمیر مصطفیٰ ایکدم بولے۔

www.urdusoftbooks.com

''سر آپ...... کیا آپ پہلے مسلمان نہیں تھے؟'' مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

''نہیں......!'' انہوں نے نفی میں گردن ہلائی۔

''سر شاید میڈیا کی وجہ سے آپ نے کتاب میں بہت سے پہلوؤں کو مخفی رکھا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں۔'' میں بولا۔

''عشق......'' وہ پھر سے بولے۔

''عشق...... میں سمجھا نہیں۔'' میں حیران ہوا۔

''ہاں سچ کہا...... عشق کو سمجھنا آسان تو نہیں۔'' عمیر صاحب کے چہرے پر کرب تھا۔

جگمگا دی ہے تیرے عشق نے دنیا میری

جیسے [illegible]

''میں امرتسر کا رہنے والا تھا۔ میرے باپ دادا بھی فوج میں تھے اس ناطے سے میرا فوجی بننے کا شوق موروثی تھا۔ فوجی بننے کے لیے دل لگا کر پڑھتا...... اتنی سخت محنت کرتا کہ پڑھنے کے دوران نیند کا غلبہ نہ ہو جائے اُس کی خاطر اپنے بال بند پنکھے سے باندھ لیتا۔ ویسے بھی سکھ بابا گرو نانک سے عقیدت کی وجہ سے بال بے انتہا لمبے رکھتے ہیں۔ کیونکہ سکھوں کے مطابق بال اللہ کی طرف سے دی گئی نعمت ہے اس لیے ان کا بے حد ادب و احترام کرنا چاہیے۔ میں بھی اِس نعمت کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا اور دیوانہ وار پڑھتا...... کیونکہ بس مجھے تو ہر صورت

www.urdusoftbooks.com
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فوج میں جانا تھا۔ اسی لیے مجھے کتابیں پڑھنے کا بھی شوق پیدا ہوگیا...... کتاب چاہے کسی بھی مذہب کی ہوتی میں اسے پڑھے بغیر نہ چھوڑتا...... جب بھی مسلم لٹریچر کی کوئی کتاب پڑھتا اور اُس میں رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا ذکر ہوتا تو دل میں عجیب سی ہلچل مچ جاتی...... بابا گرونانک کی شخصیت سے محبت تو فطری سی چیز تھی مگر دل رسول اللہ ﷺ کی ذات کی طرف کیوں جھکاؤ محسوس کرتا تھا یہ میری سمجھ سے باہر تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لگاؤ بڑھتا جارہا تھا۔ میرے دل میں مسلمانوں کے لیے بھی کسی قسم کی دشمنی نہ تھی۔

میں بیس سال کا ہوگیا تھا...... اونچا لمبا کڑیل جوان جو دیکھتا وہ کہتا۔

''پرتاب سنگھ تُو تو بنا بنایا فوجی ہے۔''

انتھک محنت کے بعد میں بھارتی فوج میں شامل ہوگیا۔ میری تو خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ خبر ملی کہ انتہائی چوکس اور بہادر نوجوانوں کا دستہ مقبوضہ کشمیر بھیجا جارہا ہے۔ اس دستے میں میرا بھی نام شامل کرلیا گیا۔ 'جنت نظیر وادی' کو دیکھنے کا بچپن کا میرا شوق پورا ہونے جارہا تھا۔ خوشی کے مارے تو مجھے نیند بھی نہیں آرہی تھی۔ ہمارا دستہ مقبوضہ کشمیر پہنچ گیا۔ میرے دستے کا افسر رام داس جو ہندو تھا انتہائی سخت مزاج کا مالک تھا۔ صبح سویرے اٹھا دیتا' ذرا سی غفلت پر گھنٹوں ٹھنڈے پانی سے نہانے کی سزا ملتی یا پھر تپتی دھوپ میں بھوکا پیاسا کھڑا کردیا جاتا...... ذرا سی بھی دیر ہوجاتی اٹھنے میں تو فوجیوں کے بیڈالٹ دیتا......

ویسے بھی ہماری تربیت جان بوجھ کر اس انداز میں کی جاتی کہ جتنی سختی ہمارے اندر ہوگی اتنی ہی ہم مسلمانوں پر نکالیں گے اور وہی ہوتا کئی دفعہ تو ہم اپنے دماغ کی گرمی اور غصہ مسلمانوں کو بلاوجہ مار کر نکالتے۔

ہمارے دستے میں زیادہ تر ہندو فوجی تھے۔ میرے علاوہ ایک اور سکھ فوجی تھا بلونگ سنگھ جو میرا بڑا جگری یار تھا۔ انتہائی بڑبولا اور مزاحیہ مزاج تھا۔ میری اُس سے خوب بنتی تھی۔

ہمارا دستہ مقبوضہ کشمیر کے شہر سری نگر کے راؤنڈ پر تھا۔ میں تو اِس وادی کا حسن دیکھ دیکھ کر دیوانہ سا ہورہا تھا۔ دل ونظر مانو سیراب ہورہے تھے۔ بلاشبہ کشمیر کی وادی قدرت کا حسین شاہکار ہے جو دیکھتا ہے بس کھوسا جاتا ہے۔ راؤنڈ کے دوران ہمارا گزر ایک درگاہ کے پاس سے ہوا فوجی پانی پینے اور مسلمانوں پر رعب ڈالنے کی خاطر اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔

جو فوجیوں کو دیکھتا انتہائی نفرت وحقارت اُن کے چہروں پر اتر جاتی۔ فوجی بھی بلاوجہ کسی نہ کسی سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔

یکا یک 'حق اللہ' کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک مستانہ دربار کے اِردگرد پھرتا نظر آیا...... وہ اپنے حال سے بے حال نا جانے کس کیفیت میں تھا اور فوجی اُسے ستانے میں مشغول تھے۔ بلونت سنگھ تو پیش پیش رہتا تھا ایسی شرارتوں میں...... کبھی اُس کے خالی کشکول میں جانور کی گندگی ڈال دیتا تو کبھی اُس کے سامنے بے ڈھنگے طریقے سے ناچنے لگتا۔ باقی سارے فوجی یہ تماشہ دیکھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہورہے تھے۔ بلونت سنگھ تو کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ مستانہ جلالی کیفیت میں ہم سب کو گھورے جارہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں عصا تھا۔

''تُو ان کافروں میں کیا کررہا ہے نکل ان ظالموں میں سے!'' اُس نے عصا میرے کندھے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پر مارتے ہوئے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ سب فوجی جو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے ایکدم ساکت ہو گئے۔

میں حیرت میں گھرا اُسے تکتا جا رہا تھا۔ اُس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا بلونت سنگھ اشاروں میں مجھ سے پوچھنے لگا مگر میں اُسے کیا بتاتا جو بات میرے پلے نہیں پڑی تھی۔

اللہ پاک جان دا اے مصطفیٰ دی شان نوں
جو تھوں نئیں میں کیہندا پڑھ لے ویکھ لے قرآن نوں
(اللہ تعالیٰ ہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان کو جانتا ہے میں جھوٹ نہیں کہتا دیکھنا چاہو تو قرآن پڑھ کر دیکھ لو)

وہ با آواز بلند کہتا ہوا جس طرف سے آیا تھا۔ اُسی طرف چلا گیا تھا۔ یہ واقعہ نا جانے کس طرح میرے دستے کے افسر رام داس تک پہنچ گیا۔ اُس کے بعد وہ میرے ساتھ انتہائی سخت سلوک کرتا...... چھوٹی چھوٹی بات پر بہت شدید انداز میں ڈانٹنے لگتا۔ کئی دفعہ مجھے تو لگتا تھا کہ اُس مستانے کی بات کا مفہوم میں تو نہیں سمجھ سکا لیکن رام داس ضرور سمجھ گیا تھا جو اس قدر ناروا سلوک میرے ساتھ روا رکھتا تھا۔

شہر میں مسلمانوں کا احتجاج زور پکڑ گیا تھا...... ہمیں ان پر سخ لاٹھی چارج کا حکم دیا گیا تھا۔ آزادی آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمان سینہ کوبی کرتے اور بھارتی فوجی اتنی ہی شدت سے اُن پر تشدد کرتے...... کچھ تو مسلمان اِس تشدد کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھو دیتے تو کچھ اپنے پیاروں کی میتوں کو کندھوں پر اٹھائے بھارتی فوج کے خلاف نعرے لگاتے یہ آگ اور خون کا کھیل سارا دن جاری رہتا...... جب کچھ دیر کے لیے فراغت ملتی تو میں فوراً کوئی نہ کوئی کتاب نکال کر مطالعے میں مصروف ہو جاتا۔

میں کتاب کے مطالعے میں بری طرح سے محو تھا کہ بلونت سنگھ بھاگا چلا آیا۔

”پرتاب پرتاب......!“ اُس کا سانس بری طرح سے پھول رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے خیر ہے۔“ میں ناسمجھی سے بولا۔

”اوئے چھڈ دے کتاب نوں رام داس Is Comming۔“ بلونت سنگھ بدحواسی میں اُلٹا سیدھا بولا۔

میں نے فوراً کتاب چھپائی اور چوکس ہو کر کھڑا ہو گیا۔

رام داس انتہائی غصے کی حالت میں ہمارے خیمے میں داخل ہوا۔

”پرتاب سنگھ...... آپ نے لائبریری سے کتاب ایشو کروائی ہے؟“ اُس نے مجھے کڑے تیوروں سے گھورا۔

”یس سر!“ میں نے جواب دیا۔

”کس لٹریچر کی کتاب ہے۔“ وہ غضبناک ہوا۔

”سر وہ...... اصل ...... میں ......!“ میں بولتے بولتے رُک سا گیا۔

”جو پوچھ رہا ہوں اُس کا سچ سچ جواب دو...... تم نے مسلم لٹریچر کی کتاب ایشو کروائی ہے۔“ وہ کسی خونخوار شیر کی طرح دھاڑا۔

”یس سر!“ میری آواز یکدم آہستہ ہو گئی تھی۔

وہ میرے اقرار پر چند لمحوں تک نفرت سے گھورتا رہا اور میں صرف مسلم ادب کی کتاب پڑھنے کی پاداش میں مجرموں کی طرح سر جھکائے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کھڑا رہا۔

"شرٹ اتارو!" وہ انتہائی غصے سے حکم صادر کرتے ہوئے چلایا۔

"سوری سر!" میں ملتجی انداز میں بولا۔

"نو ایکسکیوز...... میں کہتا ہوں شرٹ اتارو۔" وہ پھر سے چیخا۔

"سر آئندہ غلطی نہیں ہوگی۔" میں نے منت کرنے کی کوشش کی۔

"پرتاب سنگھ (I Say Out)۔" وہ گرجدار آواز میں بے رحمی سے بولا۔

میں سر جھکائے ہوئے خیمے سے باہر نکل آیا۔ شرٹ اتارتے ہوئے میں جانتا تھا کہ آگے مجھے کیا کرنا تھا...... میں نے بے بسی سے آسمان کی طرف دیکھا جہاں سورج آگ برسا رہا تھا۔

جون جولائی کے مہینے میں جب پرندے بھی اپنے گھونسلوں سے سر نکالتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ میں کوئلے کی طرح سلگتی زمین پر سینے کے بل لیٹ گیا۔

رام داس کے حکم پر میری کمر پر نا جانے کتنی اینٹیں رکھی گئیں۔ اوپر سے اینٹیں اور نیچے سے گرم تپتی زمین میرا سینہ جھلسانے لگی ایسا لگتا تھا کہ جب اٹھوں گا تو سینے کی کھال اُتر کر زمین سے چپک جائے گی...... کسی فوجی کو میری حمایت کرنے یا مدد کرنے کی اجازت نہ تھی۔

مجھے اسی حالت میں تین گھنٹے سزا کے طور پر گزارنے تھے۔ بھوکا پیاسا میں پڑا رہا۔ کبھی چہرے کو زمین پر رکھ لیتا تو کبھی زمین کی گرمی برداشت سے باہر ہو جاتی تو چہرہ اٹھا لیتا...... بے چینی سی بے چینی تھی۔

مسلم ادب کی کتاب پڑھنے کی پاداش میں مجھے بے رحمانہ سزا دی گئی تھی میں نہیں جانتا تھا کہ مسلم ادب سے مجھے کیوں لگاؤ تھا۔ میں اُن کی تعلیمات کو پڑھتا اور غور کرتا اسلام مجھے ایک مکمل دین لگتا جس میں کہیں بھی کوئی کمی نہیں تھی میں نا جانے کب تک یونہی خیالوں میں گم رہتا کہ ایک آواز میرے کانوں میں پڑی۔

"ارے یہ موا کیوں اتنی گرمی میں پڑا یہاں سو رہا ہے؟" آواز کسی بوڑھی عورت کی تھی۔

"شاباش واہ واہ کیا بات کی تھی یعنی ان محترمہ کو میں آرام کرتا ہوا لگ رہا تھا۔" میں دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔

"اری میری بھولی اماں...... یہ آرام نہیں کر رہا بلکہ اِس کو شاید کسی غلطی کی وجہ سے اس کے افسر نے سزا دی ہے۔" وہ جھرنے جیسی آواز کسی کم عمر دوشیزہ کی لگ رہی تھی۔

میں اُس کی آواز کے سحر میں کھو گیا لگتا تھا کہ جیسے ویرانے میں کوئل کوک رہی ہو۔

"اچھا ہے اماں اس بدبخت کو سزا ملی ہے...... ہمارے ساتھ اتنا برا سلوک کرتے ہیں...... اب اس کو مزہ آ رہا ہوگا کہ تکلیف کسے کہتے ہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی میں جو اُس کی آواز سے مسحور ہو رہا تھا اُس کی بات سن کر تن بدن میں آگ لگ گئی...... میں نے چہرہ اوپر اٹھا کر دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔

وہ اس قدر حسین تھی کہ اس دنیا کی تو لگ ہی نہیں رہی تھی لگتا تھا کہ جیسے آسمان سے کوئی اپسرا اُتری ہو...... اُس کا حسن دیکھ کر چند لمحوں کے لیے اپنی تکلیف بھول گیا...... دل چاہ رہا تھا کہ وہ گل بدن رشک چمن نظروں کے سامنے رہے۔

وہ دونوں لعن طعن کرتی ہوئی میرے پاس سے گزر گئیں...... رات کو جب آرام کی غرض سے لیٹا تو وہ کشمیری حور میرے خیالوں میں چلی آئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کتنا معصوم حسن تھا...... میں اُس کے خیالات میں کھویا تھا بند آنکھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"او کی گل اے بادشاہو بڑے خوش دکھائی دیندے او!" بلونت سنگھ کی شوخ آواز ابھری۔ (کیا بات ہے بادشاہو بہت خوش نظر آ رہے ہو)

"کچھ نہیں بس یونہی......!" میں نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے کہا اور کروٹ بدل لی۔

"سوں گرو دی کوئی تے چکر ضرور اے!" وہ کریدنے والے انداز میں بولا۔

(قسم ہے گرو کی کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے)

"ہاں یار آج ایک کشمیری حور دیکھی ہے...... بس دل و دماغ پر چھا گئی ہے ٹھاہ کر کے۔" میں ضبط نہ کر سکا تو بول اٹھا۔

"لے فیر تے تُو گیا۔" (لو پھر تو تم گئے)۔ وہ زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا اور میرے قریب آ کر لیٹ گیا۔

کچھ دیر بعد اُس کے بھیانک خراٹوں سے پورا خیمہ لرزنے لگا۔

"مجھے اُس کی یاد سونے نہیں دے رہی تھی۔ میں باہر آ گیا۔ چودھویں کا چاند پورے جوبن پر تھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو اُس ساحرہ کا چہرہ میری نظروں میں سمانے لگا۔

"کیا مجھے اُس سے محبت ہو گئی ہے؟" میں اپنے دل سے پوچھنے لگا۔

"پرتاب سنگھ...... تم ابھی تک سوئے نہیں۔" رام داس کی آواز پر میں چونکا۔

"جی سر...... بس سونے جا رہا ہوں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا اور واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے مگر نیند آنکھوں سے دور کھڑی مسکراتی رہی۔ محبت رت جگے پر مجبور نہ کر دے یہ بات مزاجِ محبت کے خلاف ہے۔

☆......☆......☆

بھارتی فوج کی طرف سے نمازِ جمعہ پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اس پابندی نے تو مسلمانوں کو پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ پورے مقبوضہ کشمیر میں شدید احتجاج ہو رہا تھا۔ فوجیوں کو مسلمانوں کے ساتھ انتہائی سختی کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔

جیسے جیسے نماز جمعہ کا وقت قریب آ رہا تھا۔ مسلمانوں کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہ پتھروں اور ڈنڈوں سے فوجیوں پر حملے کرنے لگے۔ ہمیں گولی چلانے کا حکم نہیں تھا اس کے علاوہ ہمیں ہر طرح سے اجازت تھی کہ ہم مسلمانوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔

ایک نوجوان اور بوڑھا شخص تو بھارتی حکومت اور فوج کے خلاف شدید نعرے بازی کر رہے تھے۔ میں اور دیگر فوجی ڈنڈوں سے اُن کی دھنائی کرنے لگے۔ وہ بوڑھا شخص تو زیادہ تشدد برداشت نہ کر سکا اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا...... جب اُس نوجوان کو اندازہ ہوا کہ وہ بوڑھا شخص مر چکا ہے تو وہ دیوانوں کی طرح نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کی صدائیں لگانے لگا۔

غلام ہیں غلام ہیں رسول ﷺ کے غلام ہیں
غلامئ رسول ﷺ میں موت بھی قبول ہے

میں جو اُس نوجوان پر شدت سے ڈنڈے برسا رہا تھا۔ اُس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر میرا دل کانپ اٹھا...... ڈنڈے پر میرے ہاتھوں کی گرفت کمزور پڑنے لگی۔ وہی نام جو میں لینے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ اتنی بڑی ہستی جن کا وجود باعثِ تخلیقِ کون و مکاں ہے۔ میں اُن کے نام لیوا پر کیسے ڈنڈے برساتا میرے دل میں عجیب سی ہلچل ہونے لگی اور میرے قدم پیچھے ہٹنے لگے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''نہیں پرتاب سنگھ تو رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا پر ڈنڈے پر نہیں برسا سکتا۔'' میرے دل نے دہائی دی۔

میں تو ہٹ گیا مگر بھارتی فوجیوں نے بے دردی سے ڈنڈے مار کر اُس نوجوان کو مار ڈالا احتجاج میں لاتعداد مسلمان مارے گئے اور اُن کے گھروں میں جو خواتین رہ گئیں اُن کی عزتوں کو برباد کر کے بھارتی فوجیوں نے باقی کا انتقام پورا کیا...... شہر میں سخت کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا...... اس قدر سختی تھی کہ مسلمانوں کو دریا سے پانی لینے کی بھی اجازت نہ تھی۔

میں سڑک پر کھڑا ڈیوٹی دے رہا تھا گرمی شدید تھی باقی فوجی تو دریا پر نہانے چلے گئے۔

''کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟'' ایک بوڑھی عورت اور اُس کے ساتھ ایک نقاب پوش دوشیزہ تھی۔

''نظر نہیں آ رہا کہ دریا پر پانی لینے جا رہے ہیں۔'' بوڑھی عورت انتہائی ناگواری سے بولی۔

''پتہ نہیں ہے کہ دریا سے پانی لینے پر پابندی ہے...... جاؤ یہاں سے کوئی پانی وانی نہیں ملے گا۔'' میں نے خواہ مخواہ کا رعب ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہمارے گھر پانی کا ایک قطرہ نہیں ہے پینے کے لیے...... تجھے پیاسا رہنا پڑے تو پھر تجھے احساس ہو کمینے۔'' وہ نوجوان لڑکی خونخوار انداز میں کہتی ہوئی مجھ پر جھپٹی اور میرا گریبان پکڑ لیا۔

کہاں کشمیری خواتین بھارتی فوجیوں کو دیکھ کر یوں غائب ہوتی ہیں جیسے ہرنیاں شیر کو دیکھ کر اپنا آپ چھپاتی ہیں۔

اُس کی ہمت و جرأت پر میرا دماغ جیسے پاگل ہونے لگا۔ میں نے تو اپنا گریبان چھڑانا چاہا مگر اُس کی گرفت مضبوط تھی اِسی کھینچا تانی میں میری قمیض پھٹ گئی۔ پیاس نے اُس لڑکی کو جیسے پاگل کر دیا تھا۔ میں نے غصے میں آ کر تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ماں جی کی بات یاد آ گئی...... میری ماں اکثر کہتی تھی۔

''پتر عورت کسی بھی دھرم کی ہو اس پر کبھی ہاتھ نہ اٹھانا۔'' میں نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے ہاتھ کو روک لیا۔

''ماں جی سنبھالو اپنی بیٹی کو ابھی میری جگہ کوئی اور فوجی ہوتا تو تیری بیٹی کا وہ حشر کرتا کہ اِس کی لاش پر تُو ماتم کر رہی ہوتی۔'' میں اُسے دیکھتے ہوئے انتہائی غصے سے چیخا۔

''ارے جا ٹوٹ گئے وہ ہاتھ جو میری عزت کی طرف بھی بڑھے۔'' وہ کہتی ہوئی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دوبارہ مجھ پر حملہ آور ہوئی اور مجھے سینے سے زور سے دھکا دیا کہ میں دور سڑک پر جا گرا۔

اب کے تو میں اُس دھان پان سی لڑکی کی بہادری پر دنگ رہ گیا۔ میں سنبھل کر کھڑا ہوا اور اُس کی طرف دیکھا تو اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس دھکم پیل میں اُس کا نقاب چہرے سے ہٹ گیا تھا۔ وہ تو وہی کشمیری حور تھی جو میرے خوابوں کی ملکہ تھی جو میرے دل و دماغ پر سوار ہو گئی تھی کہ جس کے میں جاگتی آنکھوں سے من موہنے خواب دیکھتا تھا۔ میں مبہوت سا اُسے دیکھے چلا جا رہا تھا کہ اُس نے بڑا سا پتھر اُٹھا کر میری طرف پھینکا۔ میں نے بچنے کی کوشش کی تھی لیکن بچ نہ سکا تھا۔

''زرقا بس کرو...... دفع کرو اللہ مالک ہے۔'' وہ بوڑھی عورت اُسے قابو کرتے ہوئے بولی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ دونوں پانی کے بغیر لوٹ گئیں...... رات کی سیاہی پھیلتے ہی اُس کی یاد میرے دل و دماغ کے ساتھ آ کر لپٹ گئی۔ میرے خیالوں کے تخت پر وہ ملکہ حسن شانِ بے نیازی سے براجمان تھی اور میں غلاموں کی طرح اُس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ اُس کو پہلی بار قریب سے دیکھا تھا۔ کس قدر معصوم حسن تھا اس کی ہر حرکت کو یاد کر کے مجھے ہنسی آنے لگی تھی۔ غصے میں بھی وہ پری چہرہ اس قدر حسین لگ رہی تھی۔

اُس کی یاد مجھے سونے نہیں دے رہی تھی۔ بے چینی سے ٹہلنے لگا کہ پیاس کا احساس ہوا۔ میں پانی پینے ہی لگا تھا کہ زرقا کی پیاس یاد آ گئی۔

''وہ بھی تو پیاسی تھی نا جانے کتنے دنوں سے پیاسی تھی وہ میں بھی کتنا ظالم ہوں اُسے پانی بھی نہیں لینے دیا۔'' میرا دل مجھے کوسنے لگا۔

محبوب کی پیاس کا خیال آتے ہی ہوش و خرد اُس کے کوچے کی طرف جانے کے لیے اُکسانے لگے...... میں نے پانی کا گلاس پیئے بغیر پھینک دیا اور دو گیلن بھرے اور اُس کے گھر کی طرف چل دیا۔

☆......☆......☆

''کون؟'' دستک دینے پر بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی۔

''ماں جی میں پرتاب سنگھ بھارتی فوجی...... دروازہ کھولیں۔'' میں سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''چلے جاؤ یہاں سے......'' وہ بارعب انداز میں بولی۔

''ماں جی ایک بار دروازہ کھول کر میری بات تو سن لیں۔'' میں نے آہستگی سے کہا اور گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

''اماں آپ ہٹیں...... یہ بدبخت ایسے نہیں ٹلے گا۔'' اندر سے رزقا کی آواز آئی۔ تڑاخ کر کے دروازہ کھلا...... کوئی موقع دیے بغیر ڈنڈے کے ساتھ میرے سر پر وار کر دیا۔

میں نے پانی کے گیلن زمین پر رکھ کر تکلیف کی شدت سے اپنا سر تھام لیا...... میرے سر سے خون بہنے لگا تھا۔

''ماں جی لگتا ہے آپ کی بیٹی کو زبان سے بات کرنا نہیں آتی ہے۔'' میں درد کی شدت کو ضبط کرتے ہوئے بمشکل بولا۔

''کیوں آئے ہو یہاں پر؟'' اب کے اُس بوڑھی عورت کے لہجے میں پہلے والی سختی نہیں تھی۔

زرقا میری طرف خونخوار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

''ماں جی میں کسی غلط ارادے سے نہیں ایا تھا جو فوجی غلط نیت سے آتے ہیں وہ یوں اجازت نہیں مانگتے...... بلکہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاتے ہیں اور اپنا مقصد پورا کر لیتے ہیں...... میں اپنے صبح والے سلوک پر بے حد شرمندہ تھا اور آپ لوگوں کو پانی دینے آیا تھا۔'' میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں چاہیے ہمیں تمہارا احسان...... دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ تمہارا حشر کر دوں گی۔'' زرقا نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر پانی گرا دیا اور نفرت سے دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

نا جانے کیا کشش تھی اُس کشمیری ساحرہ کی ذات میں وہ مجھے جتنا دھتکارتی دل اتنا ہی اُس کی چوکھٹ پر پڑا رہنے کے لیے ضد کرتا...... دبلی پتلی نازک سی نظر آنے والی لڑکی ہمت اور حوصلہ کس قدر آہنی رکھتی تھی۔ اُسے پیاسا جان دینا منظور تھا مگر دشمن سے ایک قطرہ بھی پانی پینا منظور نہیں تھا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جو مجھ سے پانی لینا منظور نہیں کر رہی تھی وہ میرا پیغام محبت کیسے قبول کرے گی...... محبت کی وادی میں خود کو تنہا پھرتا ہوا دیکھا تو دل خون کے آنسو رونے لگتا۔

''اوئے کنے کی تا ای میرے یار دا اے حال چھیتی دس!'' (کس نے کیا ہے میرے دوست کا یہ حال جلدی بتاؤ مجھے)۔

بلونت سنگھ شراب کا گلاس ہاتھ میں پکڑے ہوئے داخل ہوا۔ میرے ماتھے پر پٹی بندھی دیکھی تو غصے سے بولا۔

''بس ہے کوئی جو زخم بھی دیتی ہے تو اس پر اور پیار آتا ہے۔'' میں ماتھے پر بندھی پٹی پر محبت سے ہاتھ پھیرتا ہوا مسکرایا۔

''پرتاب سنگھ دس مینوں اودا ناں سوں گرو دی اک سیکنڈ وچ اونوں چک کر نالے آواں تے میرا ناں بدل دیں ویں۔'' (پرتاب سنگھ مجھے اُس کا نام بتاؤ قسم خدا کی ایک سیکنڈ میں اُسے اٹھا کر نہ لے آیا تو میرا نام بدل دینا)

بلونت سنگھ انتہائی جوش اور غصے سے بولا اور اپنا شراب کا خالی گلاس بغیر آگے پیچھے دیکھے پھینکا تو گلاس اُس کے سر سے اڑتا ہوا دور جا گرا اور کرچی کرچی ہو گیا۔

''بلونت سنگھ کیا ہو گیا ہے تم تو شراب کے نشے میں بالکل اندھے ہو جاتے ہو۔'' میں نے غصے سے سر جھٹکا۔

''کیڑا گلاس؟ اوئے میرے ہتھ چے کوئی گلاس سی؟ او میرا گلاس کتھے ہے چنگا پلا اک گٹ شراب دا اور دے وچ سی۔'' (کون سا گلاس...... او میرے ہاتھ میں کوئی گلاس تھا...... او میرا گلاس کہاں گیا۔ اچھا بھلا اُس میں ایک گھونٹ باقی تھا)۔ بلونت سنگھ منہ بسورتے ہوئے گلاس ڈھونڈنے لگا۔

''بلونت سنگھ تم تو سو ہی جاؤ...... جب صبح نشہ اترے گا تو دونوں مل کر گلاس ڈھونڈیں گے۔'' میں نے اُس کو منہ بسورتے ہوئے دیکھا تو ہنستے ہوئے کہا۔

میں رات کو کتاب پڑھے بغیر تو بلونت سنگھ شراب پیئے بغیر نہیں سو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

کچھ دنوں کے لیے کرفیو میں نرمی کی گئی تو مسلمان پاگلوں کی طرح گھروں میں پانی اور راشن ذخیرہ کرنے لگے کہ نا جانے کب دوبارہ پابندی لگ جائے۔

زرقا اپنی والدہ کے ساتھ اکثر آتی جاتی نظر آتی اُس کی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر نفرت جھلکنے لگتی میں دل مسوس کر رہ جاتا۔

مسلمان لڑکیاں فوجیوں کو دیکھ کر بھاگ اٹھیں کہ کہیں کسی فوجی کی نظر نہ پڑ جائے مگر زرقا اُس نے تو لگتا تھا کہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں سیکھا تھا۔ با آواز بلند فوجیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی

'' ہم کیوں بھاگیں یہاں سے یہ ہماری سرزمین ہے...... دفع تو یہ بدبخت یہاں سے ہوں گے۔'' میں اُس کی ہمت پر عش عش کر اٹھتا۔

☆......☆......☆

کشمیری مسلمان رات ہوتے ہی بھارتی فوجیوں پر پتھراؤ شروع کر دیتے...... اکثر فوجی تو بری طرح سے زخمی ہو جاتے کہ جان سے چلے جاتے کافی دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا تو بھارتی فوج نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے مسلمانوں کے گھروں میں بجلی کی بندش کر دی...... مجھے زرقا کی فکر ستانے لگی کہ وہ کیسے گزارہ کر رہی ہوگی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جب رات کو سارے فوجی سونے چلے گئے تو میں خاموشی سے اٹھا حالات کا جائزہ لیا اور بہت احتیاط کے باوجود میرا پاؤں بلونت کے پاؤں سے ٹکرا گیا وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"شاوش اے پرتاب سنگھ...... محبت تینوں تے سون دیندی نئی ساڈی نیندر کس چکر وچ خراب کی تی اے۔" (شاباش پرتاب سنگھ...... تمہیں محبت سونے نہیں دیتی لیکن میری نیند کس وجہ سے خراب کی ہے)۔

بلونت نیند میں بڑبڑایا تو میں نے گھبرا کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہولی بول بلونت کسی نے سن لیا تو قیامت آ جائے گی۔ میں بس تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں تم ذرا پیچھے خیال رکھنا میرے یار۔" میں نے ملتجی انداز میں کہا تو اُس نے آنکھیں بند کیے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے لالٹین پکڑی اور زرقا کے گھر کی جانب چل دیا...... تیز چلنے کی وجہ سے میرا سانس پھولنے لگا تھا اپنی سانسوں کی درست کرتا ہوا اُس کے گھر کے دروازے پر دستک دی دروازہ زرقا نے کھولا تھا اُس کا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

میں نے لالٹین تھوڑی سی اوپر اٹھائی تو روشنی میں اُس کی آنکھیں جگنوؤں کی طرح چمکتی ہوئی دکھائیں دیں۔ میں مبہوت سا رہ گیا۔ اُس کا حسن بے مثال تھا۔ اُس کی سبز آنکھیں دوسرے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھیں۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں...... کیوں دوبارہ آئے ہو یہاں؟" وہ میری محویت پر کھا جانیوالی نظروں سے دیکھتی ہوئی غرائی۔

"وہ اصل میں اگلے دس دن تک بجلی کی بندش...... کا حکم ہے۔ اس لیے میں آپ لوگوں کے لیے لالٹین لایا تھا۔" اُسے دیکھ کر میرے لہجے میں خود بخود نرمی سی آ جاتی تھی۔

"پورا شہر اندھیرے میں ڈوبا ہے کیا ہر مسلمان گھرانے میں ایسے ہی لالٹین بانٹ کر آئے ہو؟" وہ میری طرف دیکھ کر چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

اُس کی بات سن کر میں ایک لمحے کے لیے لاجواب سا ہو گیا۔

"وہ اصل...... میں......!" میں کچھ بولنا چاہتا تھا مگر اُس نے بولنے نہ دیا۔

"جب باقی گھروں میں بھی ایسی لالٹین بانٹ آؤ گے نا...... جب اُن کے گھر میں اندھیرے کا خیال تمہیں بے چین کرے گا تو میں بھی تمہارا یہ تحفہ قبول کر لوں گی۔ اور اب چلے جاؤ یہاں سے ورنہ اسی لالٹین کا تیل تمہارے اوپر چھڑک کر آگ لگا دوں گی۔" وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح دھاڑی اور دروازہ زور سے بند کر لیا۔

میں نے ایک دو بار دستک دی مگر خاموشی طاری رہی۔

نا جانے کس مٹی کی بنی تھی وہ ہر حال میں اُسے اپنے ہم وطن یاد رہتے تھے۔ حب الوطنی کا جذبہ اس کے خون میں گردش کر رہا تھا۔ وہ صرف خوبصورت ہی نہیں تھی بلکہ خوب سیرت بھی تھی جب اُس کے اس پہلو کے بارے میں سوچتا تو اپنی قسمت پر رشک آنے لگتا کہ پرتاب تجھے کتنی عظیم اور باکردار لڑکی سے محبت ہوئی ہے۔

☆......☆......☆

پرتاب سنگھ! کچھ فوجی جوانوں سے اطلاع ملی ہے کہ ایک کشمیری لڑکی نے ہاتھا پائی کی ہے تمہارے ساتھ اور جس میں اُس نے تمہیں زخمی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کر دیا تھا۔ رام داس مجھے کھوجتی ہوئی نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

رام داس کو نا جانے کیسے میرے پل پل کی خبر ہو جاتی تھی۔ مجھے حیرت سی ہوئی......

''یس سر...... تھی کوئی پاگل دیوانی سی لڑکی!'' میں نے مختصر جواب دیا کیونکہ میں رام داس کی عیاشیوں سے واقف تھا۔

''ہمیں بھی تو دیدار کراؤ اُس 'کشمیر کی کلی' کا جس سے ہمارا ہونہار فوجی پٹ کے آ گیا۔'' رام داس نے خباثت سے بھرپور قہقہہ لگایا۔

زرقا کے حوالے سے رام داس کا یوں دلچسپی لینا مجھے اُس کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ میرا خون کھول اٹھا...... ایک جھلک بھی دیکھنے نہیں دوں گا اس بدنیت کو میں زرقا کی میں نے دل ہی دل میں سوگند کھائی۔

☆......☆......☆

عیدِ قربان قریب تھی۔ حکومت اور بھارتی فوج کی جانب سے پورے مقبوضہ کشمیر میں اعلان کر دیا گیا کہ گائے کی قربانی پر پابندی ہوگی اور کوئی مسلمان اِس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا...... مسلمان مردوں پر خاص نظر رکھی جا رہی تھی کہ کوئی گائے تو نہیں خرید رہا......

عید کے دن ایک گھر سے باآواز بلند اللہ اکبر کی صدا سنائی دی۔ فوجیوں کی تو دوڑیں لگ گئیں دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہوئے تو اندر کا منظر حیران کر گیا...... اندر بے شمار کشمیری خواتین تھیں جنہوں نے فوجیوں کو دیکھتے ہی گائے ذبح کر دی تھی یعنی جو کام مرد نہ کر سکے وہ عورتوں نے کر دکھایا تھا۔ زرقا بھی اُن میں پیش پیش تھی۔ فوجیوں نے بری طرح سے لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ بہت سی بزرگ خواتین زخمی ہو گئیں۔ نوجوان لڑکیوں کو فوجی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے اُٹھا کر لے گئے۔

زرقا کو اُس ہجوم میں دیکھ کر تو میری جان پر بن گئی۔ میں فوجیوں سے نظر بچا کر اُسے بازو سے کھینچتا ہوا گھر سے باہر لے آیا۔ وہ کسی بلی کی طرح دانتوں سے میرے ہاتھوں کو کاٹنے لگی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا ابھی کوئی بھارتی فوجی اٹھا کر لے گیا تو ساری زندگی اپنی برباد عزت کا رونا روتی رہو گی چلو اپنے گھر......'' میں غصے سے بولا۔

''چھوڑو میرا ہاتھ نہیں جاؤں گی میں اور تمہیں کیوں ہمدردی کا بخار ہو رہا ہے۔''

''سیدھی طرح چلتی ہو یا اٹھا کر گھر چھوڑ آؤں۔'' میں غصے سے بھڑک کر بولا اور اُسے زبردستی اُس کے گھر چھوڑ آیا۔

☆......☆......☆

آخر کیوں وہ میری محبت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی اپنے ہاتھوں پر اُس کے دیے ہوئے زخم دیکھ کر سوچنے لگا...... عورتیں تو مردوں کی نظریں فوراً جان لیتی ہیں آخر وہ کیوں میری محبت سے بے خبر تھی کہ مجھے اُس سے ہمدردی نہیں محبت ہے...... دل ہمہ وقت اُس کو دیکھنے کے لیے مچلتا رہتا ہے۔

میں نے راستے سے راشن خریدا اور اُس کے گھر کی جانب چل دیا۔

''کون؟'' دستک پر اُس کی والدہ بولیں۔

''ماں جی...... میں پرتاب......!'' میں بولا۔

انہوں نے مزید کچھ کہے بغیر دروازہ کھول دیا میں اُن کے رویے پر حیران ہوا۔

''کیا بات ہے؟'' اُن کی آواز میں نرمی تھی۔

''ماں جی اگر اجازت ہو تو اندر آ سکتا ہوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

باہر کھڑے رہنا مناسب نہیں کہیں کسی فوجی کی نظر نہ پڑ جائے۔'' میں عاجزی سے بولا۔

''آ جاؤ اندر......'' وہ بولیں۔

''ماں جی اگلے کافی دنوں تک کرفیو رہے گا میں یہ راشن آپ لوگوں کے لیے لایا تھا اور آپ لوگوں سے بنتی کرتا ہوں کہ کرفیو کے دنوں میں آپ باہر نہ نکلیں عورتوں کے ساتھ بہت وحشیانہ سلوک ہو رہا ہے۔'' میں مخلصانہ انداز میں بولا تو انہوں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

''اماں اِس کو کیوں اندر آنے دیا ہے؟'' زرقا مجھے دیکھ کر غصے سے آگ بگولہ ہوگئی۔

''میں...... یہ راشن......'' میں ٹھہر ٹھہر کر بولا اُسے قائل کرنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا۔

''کیوں لائے ہو یہ راشن میرے بابا جان اور عمیر بھائی کو مار ڈالا تم ظالموں نے اب کیوں ہمدردی دکھا کر مہاتما بننے کی کوشش کر رہے ہو؟ اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کی کوئی لائی ہوئی چیز کھاؤں تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟'' وہ جنونی انداز میں میرا گریبان پکڑ کر بولی۔

''زرقا چھوڑ دو اِسے!'' اُس کی والدہ اُسے روکتے ہوئے بولیں۔

''اماں اِسے کہہ دو یہاں سے چلا جائے...... ورنہ میں اِس کا خون پی جاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے غصے سے چیخی۔

''میں نے نہیں مارا تمہارے باپ اور بھائی کو...... ہاں میں نے اُن پر تشدد کا آغاز ضرور کیا تھا مگر میں نے اُن کی جان نہیں لی...... میں رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا کی جان نہیں لے سکتا...... میرے ہاتھ اِس پاک ہستی کا نام سن کر رک گئے تھے۔'' میں صفائی دیتے ہوئے بولا جانے میرا لہجہ کیوں بھیگ گیا تھا۔

اُن دونوں کو شاید مجھ سے اِس بات کی توقع نہیں تھی وہ دونوں میری طرف دیکھتی رہ گئیں زرقا رونا بھول کر میری بات سن رہی تھی۔ میں ایک غیر مسلم تھا میرے منہ سے وہ نام محمد ﷺ کا اتنا ادب سن کر وہ ساکت تھیں میں آنسو روکتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

وہ مجھے اپنا مجرم سمجھتی تھی کہ میں نے اُس کے والد اور بھائی کی جان لی ہے...... میں ابھی تک دکھی تھا۔ وہ میری محبت کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ میں چاہتے ہوئے بھی اُس کے سامنے اظہارِ محبت نہ کر پا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت اور لاتعلقی دیکھتا تو دل جلنے لگتا۔

میں نے محبت کے پنچھی کو پنجرے میں قید کرنے کا فیصلہ کر لیا...... دل سے وعدہ لیا کہ زرقا کو اب دیکھنے کی ضد نہیں کرو گے......

چند ہی دنوں میں میری حالت صحرا میں بھٹکتے ہوئے دیوانے جیسی ہوگئی...... جو دیکھتا مجھے برسوں کا بیمار کہتا...... جیسے ہی تنہائی میسر آئی اُس کی یاد ناگ بن کر مجھے ڈسنے لگتی اور محبت کا پنچھی سلاخوں کے پیچھے اپنا سر ٹکرانے لگتا۔

''پرتاب محبت کے پنچھی کو آزاد کر دو۔'' دل دہائی دینے لگتا۔

میری ہمت جواب دے گئی تو...... محبت کی بھیک لینے کاسۂ دل لے کر اُس کے کوچے کی طرف چل پڑا۔

دروازہ اُسی نے کھولا...... گلابی رنگ کے کشمیری لباس میں وہ حسن و جمال کی دیوی میرے سامنے کھڑی تھی۔ آنکھیں جن میں دو سبز نگینے جڑے ہوں...... شانوں پر بکھری ریشمی زلفیں...... اُس کا قاتل حسن مجھے دیوانہ بنا رہا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کیا بات ہے آج کس بہانے سے آئے ہو؟'' وہ بولی مگر آج اُس کے لہجے اور آنکھوں میں پہلے والی نفرت نہیں تھی۔

''آج کوئی بہانہ نہیں ہے صاف بات کہنے آیا ہوں..... تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔'' میں نے ہمت کر کے محبت کا اظہار کر دیا۔

اُس کی آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے حیرت ابھری اور پھر حیا کے گہری بادل اُس کے چاند چہرے پر چھا گئے..... وہ میری وارفتگی سے گھبرا کر جانے کے لیے مڑی تو میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''زرقا کیوں میری محبت کو نظر انداز کر رہی ہو..... تم جتنی نفرت کرتی ہو جتنا مجھے دھتکارتی ہو میرا دل اتنا ہی تمہاری محبت میں ڈوبتا رہتا ہے۔'' میں سنجیدگی سے بولا۔

''ارے پرتاب بیٹا تم..... کب آئے اور باہر کیوں کھڑے ہو۔'' ماں جی کی آواز پر اُس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اندر چلی گئی۔

''بہت دن بعد آئے ہو بیٹا؟'' وہ بہت محبت سے بولیں میری اُس دن کی باتوں نے اُن کا دل میری طرف سے صاف کر دیا تھا۔

''ماں جی سیانے کہتے ہیں کہ روز روز آنے سے قدر کم ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہتے ہوئے شرارت سے زرقا کو دیکھا۔

''بیٹا کھانا کھا کر جانا..... ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی پکی ہے زرقا ساگ بہت اچھا بناتی ہے۔'' ماں جی بولیں۔

''اچھا واقعی اِسے کھانا بنانا آتا ہے..... میں تو سمجھا تھا کہ آپ کی بیٹی کو صرف ڈنڈا چلانا ہی آتا ہے۔'' میں نے اُسے چھیڑا۔

ماں جی میری بات پر ہنس پڑیں اور زرقا نے مجھے گھورا تھا۔ آج وہ میری طرف دیکھنے سے گھبرا رہی تھی شاید میری آنکھوں سے وہ حالِ دل جان گئی تھی ورنہ زرقا اور وہ بھی کسی سے گھبرائے ناممکن تھا۔

''بس بیٹا..... جن گھروں میں مرد نہ ہوں وہاں کی عورتوں کو خود ہی مرد بننا پڑتا ہے۔'' ماں جی کہتے ہوئے آبدیدہ سی ہو گئیں۔

میرے دل کو ندامت اور شرمندگی نے گھیرے میں لے لیا۔

''ارے کھاؤ نا بیٹا..... رک کیوں گئے؟'' وہ شاید میری کیفیت سمجھ کر بولیں۔

''زرقا پرتاب کو اور کھانا دو.....'' ماں جی نے اُسے پکارا۔

''اماں کیا ہے..... ذرا سا راشن لایا ہے اور تم ایسے کر رہی ہو جیسے بہت بڑا احسان کیا ہو جناب نے؟'' وہ چڑتے ہوئے بولی۔

''اچھا راشن تھوڑا تھا..... میں کل اور لے آؤں گا!'' میں مسکراتے ہوئے بولا۔

مگر وہ اپنے کام میں مگن رہی..... آج اُس کی زبان بھی نہیں چل رہی تھی۔

''اچھا بیٹا تم کھانا کھاؤ..... میں نماز پڑھ لوں اور ہاں کھانے کے بعد قہوہ پی کر جانا۔'' ماں جی کہہ کر چلی گئیں۔

زرقا کوئلوں کو اُلٹ پلٹ کرنے میں مگن تھی اُس کی ریشمی زلفیں اُس کے گلاب چہرے کو چھونے لگیں..... مجھے قریب بیٹھا دیکھا تو وہ گھبرا اٹھی۔

''تم..... یہاں کیوں بیٹھے ہو؟'' وہ مجھے قریب دیکھ کر خوفزدہ ہو کر سمٹ گئی۔ میں خاموشی سے مسکراتے ہوئے اُس کی گھبراہٹ کا مزہ لے رہا تھا۔ لگ رہا تھا یہ کوئی اور زرقا ہے گھبرائی ہوئی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شرمائی......شرمائی سی......
''سمجھ نہیں آ رہی تمہیں......اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو...... جب قہوہ تیار ہو جائے گا تو مل جائے گا۔'' وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے قہوے کو درمیان میں لے آئی۔

''چاند کو قریب سے دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا۔ اس لیے یہاں آ کر بیٹھ گیا۔'' میری بات پر اُس نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

''زرقا...... کیا محبت کی راہوں پر میرے سنگ نہیں چلوگی...... کہتے ہیں یہ راہیں بہت دشوار ہوتی ہیں مگر کوئی ہمدم ساتھی ساتھ چلے تو دشواریاں سہل ہو جاتی ہیں۔''

میں اُس کے بولنے کا منتظر تھا مگر ماں جی کی آمد پر بات ادھوری رہ گئی۔

''میں کل تمہارا جواب لینے آؤں گا۔'' میں نے اُس کے کان میں سرگوشی کی اور چلا آیا۔

آسمان کو سیاہ بادلوں نے گھیرے میں لے لیا......موسلادھار بارش ہونے لگی۔ اُس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دل بے قرار سا ہونے لگا۔ میں کسی طوفان و بارش کی پرواہ کیے بغیر اُس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دروازے پر دستک دی۔ تو اُس نے بغیر پوچھے ہی کھول دیا۔

''لگتا ہے آج میرے انتظار میں دروازے کے پاس ہی بیٹھی تھی۔'' میں شوخی سے بولا۔

''تمہیں بارش میں بھی چین نہیں ہے۔'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

''کیا کروں محبت چین ہی نہیں لینے دیتی...... جب تمہیں ہوگی تو پھر پوچھوں گا۔'' میں پھر سے اُسی موضوع کی طرف آ گیا تھا جس سے وہ کترا رہی تھی۔

''زرقا میں تم سے جواب لینے آیا ہوں۔'' میں اُس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

''پرتاب یہ خودغرضی ہے کہ میں اُس شخص سے محبت کروں جس کی آنکھوں میں میرے لیے تو محبت ہے مگر میری سرزمین کے باقی مسلمانوں کے لیے نفرت ہی نفرت ہے۔ وہ بے دردی سے اُن کے کمزور جسموں پر ڈنڈا چلاتا ہے اور اُن کا خون سڑکوں پر ایسے بہاتا ہو کہ جیسے وہ کوئی انسان نہ ہوں بلکہ جانور ہوں۔'' وہ اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اُس کی بات سن کر میں سکتے میں آ گیا۔

''پھر کیا کروں...... تمہیں پانے کے لیے......تم خود ہی کوئی حل بتاؤ...... میں تمہارے بغیر اب جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' میں اُس کو بازوؤں سے تھام کر دیوانگی سے بولا۔

''ایک ہی حل ہے......تم بھارتی فوج سے علیحدہ ہو جاؤ۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے ایکدم بولی۔

''کیا؟'' میرے اوپر سناٹا چھا گیا زبان پر گویا تالا لگ گیا۔

''پڑ گئے نا سوچ میں میری طرح؟'' وہ طنزیہ انداز میں کہتی ہوئی مدھم سا مسکرائی۔ میں کچھ بھی بولے بغیر چلا آیا......فوج میں جانا میرا جنون تھا۔ میرا خواب تھا مگر محبت نے قربانی مانگ لی تھی۔

☆......☆......☆

''کہاں سے آ رہے ہو پرتاب سنگھ؟'' رام داس کی آواز پر میں سوچوں کے بھنور سے باہر نکلا۔

''سر......وہ اصل میں نیند نہیں آ رہی تھی اسی لیے ٹہلنے کے لیے نکل گیا تھا۔'' میں نے بہانہ بنایا۔

''اتنی تیز طوفانی بارش میں پہلی بار کسی کو ٹہلتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئے دیکھا ہے۔'' وہ جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''سر جب نکلا تھا تب بارش نہیں ہو رہی تھی۔'' میں گھبرا کر بولا۔

''چلو مان لیا...... اب ذرا پتہ تو چلے کہ ہمارا ہونہار فوجی جوان کہاں تک ٹہلتے ٹہلتے چلا گیا تھا؟'' اُس نے پھر کریدا۔

''سر...... بس زیادہ دور نہیں۔'' میں نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔

''پرتاب سنگھ...... صبح ہوتے ہی مجھ سے آفس میں آ کر ملو۔'' وہ بارعب انداز میں کہتا ہوا چلا گیا۔

☆......☆......☆

''آج سے تمہاری ڈیوٹی رات کی ہوگی پرتاب سنگھ......'' رام داس دو ٹوک انداز میں بولا۔

''لیکن سر......'' میں پریشانی سے بولا۔

''کیا ہوا کوئی اعتراض ہے تمہیں...... تم نے خود ہی تو بتایا تھا کہ تمہیں رات کو نیند نہیں آتی تو رات کو سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے سے بہتر ہے کہ تم رات کو ڈیوٹی دو۔'' وہ مسلسل میری جاسوسی میں لگا تھا۔

میں مایوس لوٹ آیا...... میں زرقا سے کیسے ملوں گا...... اُسے دیکھے بغیر تو میرا گزارہ نہیں ہوتا...... ایک تو میں آگے ہی زرقا کی باتوں پر پریشان تھا کہ یہ نئی مصیبت آ گئی تھی۔ جیسے تیسے ڈیوٹی دینے لگا مگر دھیان زرقا کی طرف لگا رہتا...... چند ہی دنوں میں میری حالت ماہی بے آب جیسی ہو گئی۔

''چپ چپ رہندے او ضرور کوئی گل اے!'' بلونت سنگھ شراب کے نشے میں جھومتا ہوا بولا، (چپ چپ رہتے ہو ضرور کوئی بات ہے)۔

اُس کی بات پر میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''رات کی ڈیوٹی کی وجہ سے دس دن سے زرقا کو دیکھ نہیں سکا۔ موت ہی آ جائے مجھے کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤں تاکہ سکون ہی مل جائے گا۔'' میرا لہجہ بھیگنے لگا۔

''او مرے تیرے دشمن پرتاب سنگھ......!'' بلونت جوش سے بولا۔

جیب سے چاقو نکال کر میرے پاؤں کے تلوے میں کٹ لگا دیا۔

''یہ کیا کر دیا بلونت؟'' میں پاؤں پکڑ کر چلا اٹھا۔

''اج تے کل دی تیری ملاقات زرقا نال پکی، اگے دا بندوبست آپے ای کر لے ویں۔''

(آج اور کل کی تمہاری ملاقات زرقا کے ساتھ پکی...... آگے کا بندوبست خود ہی کر لینا) وہ جھومتا ہوا اطمینان سے بولا۔

رات کی ڈیوٹی سے چھٹی دلانے پر جہاں اُس کی ترکیب نے تکلیف دی تو وہاں مجھے ہنسی بھی آنے لگی۔

میں زخم کی پرواہ کیے بغیر اُس کے گھر کی جانب چل دیا...... کوئی بھی تکلیف میری دیوانگی کو روک نہیں پا رہی تھی۔

دروازہ زرقا نے کھولا...... محبوب کا دیدار کیا ہوا دل و جان شانت ہونے لگے۔

''بس یہی تھی تمہاری محبت؟'' وہ نم آنکھوں سے شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

میری محبت کی تپش نے اُسے موم کی طرح پگھلانا شروع کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اُس کی آنکھیں بھی میرے فراق میں آنسو بہا رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے اُسے نہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دیکھنے کی جو تکلیف اٹھائی تھی۔ وہ تکلیف اُس کے آنسو دیکھ کر بھول گئی تھی۔ میں خاموشی سے لنگڑاتا ہوا اندر آ گیا۔

''یہ زخم کیسا ہے؟'' وہ میرے پاؤں سے خون نکلتا دیکھ کر گھبرا اُٹھی۔

''تم سے ملنے کے لیے بہانہ چاہیے تھا جو خود کو زخمی کیے بغیر نہیں ملتا تھا۔'' میں محبت پاش نظروں سے اُسے دیکھتا ہوا بولا۔

اُس کی آنکھوں میں رم جھم ہونے لگی۔

''زرقا محبتیں دم توڑ جاتی ہیں مگر عشق نہیں...... عشق کرتا ہوں میں تم سے...... فوجی بننا میرا جنون تھا مگر اپنے عشق کی خاطر مجھے اپنے اس جنون کی قربانی دینا منظور ہے۔'' میں نے اُس کے آنسو صاف کیے۔

''لیکن پرتاب...... میں نے تو سن رکھا ہے عشق خونی ہوتا ہے قاتل ہوتا ہے جب تک دو چاہنے والوں کو برباد نہیں کر دیتا اُسے چین نہیں آتا۔'' اُس کی آواز رندھ گئی۔

''نہیں زرقا ہمارا عشق نامراد نہیں ہوگا...... تم دیکھنا ہم دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔'' میں نے اُسے تسلی دی۔

''زرقا......'' ماں جی کی تیز آواز پر ہم دونوں چونک اٹھے۔

زرقا گھبرا کر جانے لگی تو میں نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روک لیا...... کیونکہ نہ ہی میں چور تھا اور نہ ہی وقتی دل لگی کر رہا تھا جو یوں منہ چھپا کر بھاگ جاتا۔

''ماں جی...... مجھے غلط نہ سمجھیں...... میں زرقا سے محبت کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں...... میں آپ سے بات کرنا ہی چاہ رہا تھا۔'' میں نے دل کی بات اُن کے سامنے رکھ دی۔

''وہ مسلمان ہے اور تم غیر مسلم...... ہمارے مذہب میں غیر مسلم کے ساتھ شادی جائز نہیں ہے۔'' ماں جی ہنوز ناراضگی سے بولیں۔

''تو پھر آپ ہی بتائیں میں کیا کروں...... میں زرقا کو کھونا نہیں چاہتا۔'' میں نے کہتے ہوئے اُن کے پاؤں پکڑ لیے۔

''تو ٹھیک ہے پھر تم اپنا مذہب چھوڑ دو اور اسلام قبول کر لو۔'' ماں جی بے لچک انداز میں بولیں۔

عشق نے مجھ سے ایک اور قربانی مانگ لی تھی۔ میں حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ میں ایکدم اُلجھ سا گیا۔ مذہب بھی چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ میری نظر زرقا کے چہرے پر پڑی وہ بہت بے تابی سے میرے فیصلے کی منتظر تھی۔ پھر دل نے فیصلہ سنا دیا۔

میں زرقا کے لیے سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اپنے لمبے بال کاٹ ڈالے جو سکھوں کے مذہب کی خاص علامت ہوتے ہیں۔

کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

ماں جی نے فرطِ جذبات سے مجھے گلے لگا لیا......

''آج سے تمہارا نام 'عمیر مصطفیٰ' ہوگا...... یہ میرے شہید بیٹے کا نام تھا۔'' اُن کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

زرقا خوشی اور آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے مجھے تک رہی تھی اُسے بھی میرے عشق کے سچا ہونے کا کامل یقین ہو گیا تھا۔ میں اپنا اندر بہت ہلکا اور پاکیزہ محسوس کر رہا تھا۔

''اب ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں ہوگا......

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں دو دن کے لیے امرتسر جاؤں گا اور سارا انتظام کر کے تمہیں اور ماں جی کو یہاں سے ہمیشہ کے لیے لے جاؤں گا۔'' میں نے زرقا کو تسلی دی اور چلا آیا۔

☆......☆......☆

''کہاں سے آ رہے ہو پرتاب سنگھ؟'' رام داس میرے راستے میں کھڑا تھا۔

''سر وہ...... میں!'' میں بول نہ سکا۔

''زخمی پاؤں کے ساتھ بھی چہل قدمی کرنے نکل گئے تھے؟'' وہ شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ میں چپ رہا تھا۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم اکثر دکانوں سے راشن خریدتے ہو اور کہیں دینے جاتے ہو۔ کیا ماجرا ہے...... کسی کشمیری حسینہ کی زلفوں کے اسیر تو نہیں ہو گئے...... ہمدردی تو نہیں جاگ گئی مسلمانوں کے لیے دل میں۔'' وہ طنزیہ مسکرایا۔

''نہیں سر...... ایسا کچھ نہیں ہے۔'' میں نے راز چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

''پرتاب سنگھ کسی بھول میں نہ رہنا...... میں اپنے ہر فوجی کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہوں...... اُن کی ہر حرکت پر نظر رکھتا ہوں...... اس لیے بی کیئرفل......!'' وہ غصے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا سرد لہجے میں بولا۔

☆......☆......☆

رام داس کو شک ہو گیا تھا وہ ضرور زرقا کے بارے میں جان گیا تھا میرا دل خدشوں میں گھرا تھا۔

مجھے جو کرنا تھا جلدی کرنا تھا...... رام داس کے ارادے خطرناک لگ رہے تھے۔ میں جلد از جلد اس سرزمین کو چھوڑنا چاہتا تھا جہاں بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جاتا تھا۔ جہاں خواتین کی عزتوں کو پامال کیا جاتا تھا۔ جہاں معصوم بچوں کو کئی کئی دن بھوکا پیاسا رہنا پڑتا تھا۔

ویسے بھی قبول اسلام کے بعد اب میرے لیے ناجائز تھا کہ میں اپنے کسی مسلمان بہن بھائی پر ہاتھ اٹھاؤں...... میں نے دو دن کی چھٹی لی اور امرتسر آ گیا۔

☆......☆......☆

تمام انتظام کر کے میں سری نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام کا وقت تھا۔ آسمان پر پھیلی شفق کی لالی دیکھی تو زرقا کا گلاب چہرہ دھیان کے پردے پر جھلملاتے لگا۔

دل چاہ رہا تھا کہ پر لگے اور میں اُڑ کر زرقا کے پاس پہنچ جاؤں...... عالم دیوانگی میں کبھی تیز چلنے لگتا تو کبھی بھاگنے لگتا...... اپنی دیوانگی پر خود ہنسی آ رہی تھی۔

شہر میں عجیب سی کیفیت تھی۔ ہر طرف سوگواریت رچی بسی تھی۔ شاید کوئی ہنگامہ ہوا تھا۔ میں تیز تیز قدموں کے ساتھ زرقا کے گھر کی جانب رواں دواں تھا۔

اپنے چہرے کو چادر سے چھپا رکھا تھا کہ کوئی فوجی پہچان نہ لے۔

میں زرقا کے گھر قریب پہنچا تو بے پناہ رش تھا۔ لوگوں کی کثیر تعداد وہاں موجود تھی۔ میرے دل کو انجانے خوف نے گھیر لیا۔ دل بے ترتیب انداز میں دھڑکنے لگا۔ میں ہجوم کو چیرتا ہوا زرقا کے گھر کے قریب پہنچا تو گھر کے باہر دو جنازے دیکھ کر دل ڈوبنے لگا۔

''یہ کس کی میتیں تھیں زرقا کہاں تھی اور ماں جی بھی نظر نہیں آ رہیں تھیں۔'' میں پاگلوں کی طرح انہیں ڈھونڈنے لگا۔

''بھئی بڑی بہادر لڑکی تھی زرقا اپنی جان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دے دی مگر عزت پر آنچ نہ آنے دی۔'' الفاظ تھے یا سیسہ جو میرے کانوں میں انڈیلا گیا۔ میرے قدم پتھر کے ہو گئے۔

''رام داس ہے ہی بہت بدنیت آدمی...... نا جانے کب سے زرقا پر نظر رکھے ہوئے تھا۔'' ایک اور آواز کان میں پڑی۔ میرا دل پھٹنے لگا...... آنسو نکلنے کو بے تاب تھے۔

میں نے لرزتے ہاتھوں سے چادر ہٹا دی۔ ماں جی کا چہرہ میرے سامنے تھا۔ میرا جسم مردہ ہونے لگا۔

''نہیں نہیں زرقا کو کچھ نہیں ہو سکتا یہ ضرور کوئی بھیانک خواب ہے جو آنکھ کھلتے ہی ٹوٹ جائے گا۔'' میں نے دل کو حوصلہ دیا۔

ہمت کر کے دوسری میت کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی۔ میرا دل ماتم کرنے لگا تھا۔ صحرائے عشق میں زرقا زرقا پکارنے لگا مگر جواب میں گہری اور نہ ختم ہونے والی خاموشی تھی...... گہری دردناک خاموشی......

کھا گیا عشق میری زرقا کو...... آباد ہونے سے پہلے ہی دل کی دنیا برباد کر ڈالی۔ دلہن کے سرخ جوڑے کی جگہ سفید لبادہ اوڑھنے کا حکم سنا دیا۔ میں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُس پاکیزہ حور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر کب جنازہ اٹھا اور کب اُس کے پاکیزہ وجود کو مٹی کے حوالے کر دیا گیا۔

اُس نے مجھے چھوڑنا گوارا کر لیا مگر اپنی سرزمین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا...... میں اُس کی قبر سے لپٹ لپٹ کر روتا رہا۔ نا جانے کب تک خون اور آگ کا کھیل کھیلا جاتا رہے گا......

نا جانے کتنی زرقا اور کتنے ہی عمیر مصطفیٰ کشمیر کی سرزمین کو اپنا لہو دیتے رہیں گے نا جانے کب تک یہ ظلم کا کھیل بند ہوگا۔ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر رہ جانے والے انہیں پکارتے رہ جاتے ہیں...... بھلا جانے والے کبھی واپس بھی آئے ہیں۔

رات گہری ہونے لگی...... میرے اندر بدلے کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ میں رام داس کے آفس کی طرف چل پڑا...... ڈنڈے پر میرے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہونے لگی۔ میں اُس ذلیل کمینے کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا جس نے میری زرقا کو مجھ سے چھین لیا۔

رام داس اپنے آفس میں شراب کے نشے میں دھت پڑا تھا۔ میں نے نفرت سے اُس کے سر پر کئی وار کر ڈالے کہ اُس کا وجود زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

میں وہاں سے بھاگ نکلا...... بھوکا پیاسا نامعلوم منزل کی طرف بھاگتا جا رہا تھا اب جینے کی تمنا ہی نہیں رہی تھی۔ اندھیرے میں کسی گاڑی سے بری طرح سے ٹکرایا کہ پھر ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

جب آنکھ کھلی تو خود کو ایک شاندار گھر میں پایا۔ میں ابھی ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک ساٹھ سالہ شخص کمرے میں داخل ہوا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ شفقت بھرے انداز میں بولے۔ میں خاموش رہا تھا۔

'' تم بہت بری طرح سے زخمی ہو گئے تھے...... تمہاری زندگی تھی مولا کریم نے بڑا کرم کیا۔'' وہ بہت محبت سے بولے۔

''زندگی......'' یہ لفظ سن کر میں زرقا کو یاد کر کے رونے لگا۔

'' مرنے دیتے مجھے کیوں بچایا ہے آپ نے...... میں اب جی کر کیا کروں گا۔'' میں بے حد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نڈھال ہو گیا۔

''بیٹا آخر ایسا کیا ہو گیا تمہارے ساتھ جو تم زندگی جیسی خوبصورت چیز سے نفرت کر رہے ہو۔'' وہ میری مایوسی پر بے حد حیران ہوئے۔ میں نے انہیں تمام قصہ سنا ڈالا۔

''بیٹا جس اذیت اور دکھ سے تم گزر رہے ہو یہ تم ہی بہتر جان سکتے ہو...... اپنوں کو کھو دینے کا دکھ ہوتا ہی بہت تکلیف دہ ہے...... میں ادیب ہوں الفاظ کا ذخیرہ ہوتا ہے مگر میرے پاس تمہیں تسلی دینے کے لیے الفاظ ختم ہو گئے ہیں۔'' وہ شخص ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

وہ ہر دم میری دلجوئی کرتے رہتے مگر میرا دل صرف زرقا زرقا پکارتا رہتا...... میں عشق کے تپتے صحرا میں تنہا رہ گیا تھا راتوں کو نیند نہ آتی ایک پل کے لیے بھی قرار نصیب نہ تھا۔ ایک بار پھر میں نے اپنی جان لینے کوشش کی مگر میرا محسن پھر سے میرے سامنے دیوار بن گیا۔

''عمیر یہ کیا حماقت ہے یہ زندگی اُس ذاتِ پاک کی امانت ہے وہ تم سے اس کا حساب لے گا...... میں مانتا ہوں بے رحم دنیا نے تمہاری محبت کو برباد کر ڈالا۔

تم نے کبھی اندھیری طوفانی راتوں میں پرندوں کے آشیانوں کو برباد ہوتے دیکھا ہے۔ وہی پرندے صبح ہوتے ہی مالکِ کائنات کی حمد و ثناء کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ حیوان ہیں مگر اُن کا تعلق اپنے رب کے ساتھ کتنا مضبوط ہے اور تم انسان ہو اشرف المخلوقات ہو مگر تمہارا تعلق اپنے رب کے ساتھ کتنا کمزور ہے۔ عمیر پکڑو قلم اور لکھو اُن کی ذاتِ گرامی ﷺ کے بارے میں کہ لکھنے کا حق ادا ہو جائے ڈبو لو اپنے عشقِ مجازی کو عشقِ رسول ﷺ میں......'' وہ بولتے جا رہے تھے اور میں سنتا جا رہا تھا۔ میری زندگی کی ناؤ اندھیروں، مایوسی، ناامیدی کے گرداب میں ڈوبنے ہی والی تھی کہ عشقِ رسول ﷺ نے اُسے سنبھالا دے دیا۔

میری آنکھوں سے آنسو کا سمندری جاری تھا۔

اُن کی باتوں نے میری روح میں نہ بجھنے والی شمع جلا دی تھی۔ جس نے میری زندگی کے اندھیروں کو اجالے میں بدل دیا تھا شمعِ عشق مجھے رات کے اندھیروں میں بھی مایوس نہیں ہونے دیتی...... نامِ محمد ﷺ پر اکثر دل کے مچلنے کا راز سمجھ آ گیا تھا مجھے...... میرا ظاہر ضرور غیر مسلم تھا مگر دل ناجانے کب کا کلمہ حق پڑھ چکا تھا......'' عمیر مصطفیٰ کی آنکھیں بھیگی تھیں مگر لبوں پر ذکرِ مصطفیٰ ﷺ جاری تھا۔

سمجھا نہیں ہنوز میرا عشق بے ثبات
تو کائنات حسن ہے یا حسن کائنات
جو ذکرِ زندگی کے فسانے کی جان ہے
وہ میرا ذکر پاک ہے اے زینت حیات
اک خالق جہاں ہے تو اک مالک جہاں
اک جان کائنات ہے اک وجہ کائنات

عمیر مصطفیٰ کے گھر سے واپسی کے سفر میں مجھے اپنے تمام سوالوں کے جوابات مل گئے تھے۔ عشق کی ایک انوکھی داستان میرے حافظے میں محفوظ ہو گئی تھی۔

عشق اگر کامل ہو تو انسان کو بھٹکنے کی بجائے صحیح راستے پر ڈال دیتا ہے۔ میں نے آسمان پر چھائے گہرے بادلوں کو دیکھا...... بارش اب کم ہونے لگی تھی مگر میرے اندر یہ بھیگی بھیگی شام ہمیشہ تازہ رہے گی۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

حنا اصغر

دُھند کے اس پار چلو

(آخری قسط)

نفرت اور محبت میں اُلجھے نوجوان
کا قصہ جو آپ کو اپنی گرفت میں لے لے گا......

میں کرسکتی ہوں۔ وہ جیسے ہی آگے بڑھی وہاں بیٹھے افراد کو سانپ سونگھ گیا۔ جے ڈی اس کی آمد پر حواس باختہ سا نظر آنے لگا یقیناً وہ نہیں چاہتا تھا کہ زرتاشہ اس میٹنگ میں شامل ہو پھر اس کو بلایا کس نے ...... یہ کون ہے...... کون ہے یہ۔ چہ می گوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

سب ایک دوسرے کے کان میں سر گوشیاں کرنے لگے۔

السلام علیکم معزز اراکین۔ میں زرتاشہ فہد شاہ ہوں۔ فہد شاہ کی بیٹی۔ اس نے اپنا مختصر تعارف کروایا اور چیرمین کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہاں بیٹھے سب افراد نے اس کو غصے اور برہمی سے گھورا کیونکہ اب تک یہ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ اس کرسی پر بیٹھنے کا اصل حق دار کون ہے۔

آپ سب حیران ہوں گے کہ اس کرسی پر میں کیسے بیٹھ گئی۔ آپ سب کی اجازت کے بغیر تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرے پاپا چیئرمین ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی سیٹ میں سنبھالوں گی اس کے الفاظ کی ادائیگی کے بعد جنرل منیجر زہر خند لہجے میں بولا۔ مس زرتاشہ آپ نے بجا فرمایا کہ آپ اپنے والد کی کرسی سنبھالیں گی لیکن بات یہاں اس کرسی کو سنبھالنے یا چیئرمین بننے کی نہیں اس ہوٹل اور آفس کی ساکھ کی ہے اور بورڈ کے ممبران میں سب سے زیادہ قابل اور تجربہ کار جہانگیر ڈار صاحب ہیں، وہ کمپنی کے پچاس فیصد شیئرز کے مالک ہیں۔

سلطان کی بات پر سب کے چہروں سے اطمینان چھلکتا ہوا محسوس ہوا وہاں بیٹھے افراد آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

میں ایسا نہیں سمجھتی اگر زرتاشہ چیئرمین کی سیٹ سنبھالنا چاہتی ہیں تو ان کو ایک موقع دینا چاہیے خواہ تین ماہ کا ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک چیئرمین فہد شاہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے اور رہی بات جہانگیر ڈار کے شیئرز کی تو 48 فیصد شیئرز کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مالک ہیں جہانگیر ڈار جبکہ باقی سات فیصد جنرل منیجر کے نام ہیں۔ مسز طاہر کی بات کے اختتام پر ہوٹل چیئر مین عباس شاہ نے توصیفی انداز میں ان کی بات کی تائید کی اور عباس شاہ کے ساتھ ہی تین اور ارکان نے ہامی بھر کر تین ماہ کے لیے چیئر مین بنا دیا۔

کانفرنس روم سے سب سے پہلے جے ڈی اور جنرل منیجر باہر نکلے جے ڈی اور جنرل منیجر آپس میں بات کر رہے تھے کہ سامنے سے آتی مسز طاہرہ کو دیکھ کر خاموش ہوگئے جے ڈی نے سلطان کو وہیں رکھنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر غضبناک لہجے میں بولے۔ مجھ سے غداری کر کے کیا ملا ہے تمہیں۔ برباد تو تم ویسے بھی ہو چکی ہو۔ اب اس طرح کی حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ میں جو ثابت کرنا چاہتی ہوں وہ وقت بتائے گا اور رہی بات غداری کی تو میں اس کمپنی کے ساتھ مخلص ہوں جہانگیر ڈار وہ کہہ کر رکی نہیں۔ جہانگیر ڈار کا غصے سے برا حال ہوگیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جادو کی چھڑی سے اس عورت کو غائب کر دیں۔

ایک منٹ رکیں جنرل منیجر صاحب ۔زرتاشہ پیچھے تیزی سے آئی۔ سلطان پاشا نے خود کو کمپوز کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں چاہتی ہوں ہر کام میں آپ میری رہنمائی کریں ویسے بھی آپ یہ کام بہت اچھے طریقے سے کر لیتے ہیں۔ بالکل نہیں محترمہ! زرتاشہ کے طنز کو وہ نظر انداز کرتے ہوئے اطمینان سے بولا۔ اس کے اندر ایک جوار بھاٹا پھٹنے کو تیار تھا۔ جنرل منیجر اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ زرتاشہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

☆......☆

زرش میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

زرش سلطان پاشا سے ملنے اس کے اپارٹمنٹ میں آئی۔ دونوں ٹیرس پر بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہورہے تھے تبھی اچانک سلطان پاشا نے کہا۔ زرش نے انتہائی حیرت سے اس کی جانب ایسے دیکھا جیسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہ آیا ہو۔ کہیں میں نے کچھ غلط تو نہیں سنا تم نے کیا کہا ہے سلطان پاشا۔ زرش میں خود کو اپنی یادوں سے' برے حالات اور تجربات سے رہائی دلانا چاہتا ہوں۔ ایک ہی طرح کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں جن کو کھو چکا ہوں وہ واپس نہیں مل سکتے اور یوں تنہا جینے کا مقصد کوئی نہیں ہے میرے پاس کیا تم اس کٹھنائیوں بھرے سفر میں میرا ساتھ دو گی۔ سلطان نے اپنے کوٹ کی جیب سے انگوٹھی نکالی۔ یہ انگوٹھی اس نے دو دن پہلے ہی خریدی تھی۔ اس نے انگوٹھی اس کی جانب بڑھائی۔ زرش بار بار آنکھیں ایسے جھپکا رہی تھی جیسے ابھی تک بے یقین ہو۔

سلطان نے اثبات میں سر ہلایا۔ زرش نے ہاتھ اس کی جانب بڑھایا اسی وقت آندھی طوفان کی طرح زرتاشہ وہاں پہنچ گئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل سلطان پاشا کے منہ پر دے ماری۔ تو یہ سب کچھ تم نے کیا ہے میرے باپ کو جان سے مارنے کی کوشش کی ہے تم نے۔ اس اچانک افتاد پر سلطان پاشا بوکھلا ہی گیا۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ سے زمین پر جا گری۔ سلطان پاشا کے ساتھ زرش بھی اٹھ کھڑی ہوئی...... کیا کہہ رہی ہیں آپ مس زرتاشہ ہوش میں تو ہیں آپ؟ میں ہوش میں ہوں۔ یہ فائل، یہ گھڑی، یہ پوائزن کی تھیلی یہ سب کیا ہے؟ سلطان پاشا۔ ان کی خودکشی سے پہلے ہی تم ان کے آفس میں گئے تھے۔ زرتاشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا خون پی جائے۔ وہ ڈھٹائی اور سفاکی سے بازو باندھے یوں کھڑا تھا جیسے کسی اور کے متعلق معلومات فراہم کی جارہی ہوں۔ مس زرتاشہ یہ سچ ہے کہ میں ان کے کمرے میں گیا تھا میں نے ان کو دھمکی بھی دی۔ یہ گھڑی مجھے سوئمنگ پول میں پڑی ہوئی ملی تھی جب وہ نیچے گرے اور جس فائل کو آپ نے میرے منہ پر مارا ہے اس میں کچھ نکات پر میرے اور چیئرمین صاحب کا اختلاف تھا اور اگر ان باتوں کی وجہ سے آپ مجھے مجرم گردانتی ہیں تو کورٹ جائیں کورٹ کے دروازے کھلے ہیں آپ یہاں سے جا سکتی ہیں لیکن آئندہ اس طرح اخلاقیات سے گری ہوئی کوئی حرکت برداشت نہیں کروں گا سمجھیں تم۔ سلطان پاشا دانت پیس کر بولا۔ زرتاشہ شپٹا گئی جبکہ وہ اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں۔

☆......☆

وہ اپنے آپ سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی کہ آخر اس نے یہ حرکت کیوں کی؟

کیوں اس منظر کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی جلنے لگیں جب سلطان پاشا زرش کو انگوٹھی پہنانے ہی والا تھا کیوں وہ دونوں کے درمیان مداخلت کرنے گئی۔ آخر کیوں......؟ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور سوالات منہ پھاڑے کھڑے تھے شاید اس کی لاتعلقی اور بے نیازی اس کا اکھڑ ااور مغرور رویہ اس کا مسلسل نظر انداز کرتا انداز زرتاشہ کے دل میں گھر کرنے لگا تھا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے متعلق سوچنے لگی اگر وہ مجرم ہوتا تو اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی تو آتی۔ اس نے گلاس وال کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرٹن سرکائے نیچے جھانکا۔ سامنے ہی پول کے قریب سلطان پاشا کھڑا ہوا نظر آیا۔ زرتاشہ کے پاس یہی موقع تھا کہ جب وہ اس سے بات کر پاتی۔

پورا دن خود کو ملامت میں گزر گیا وہ ایک بار بھی اس کو نظر نہیں آیا اور وہ دل ہی دل میں اس کے قدموں کی چاپ کی منتظر رہی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے اپارٹمنٹ سے نکلی۔ وہ سلطان پاشا کو دور سے ہی دیکھ چکی تھی وہ کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔ اس کے قدموں میں سستی سی آ گئی۔ آدمی بات کر کے چلا گیا وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

سلطان پاشا میں بہت شرمندہ ہوں تم جانتے ہو میں کس طرح کے حالات سے گزری ہوں۔ میں نے انجانے میں تمہارا دل دکھایا۔

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن سلطان پاشا نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ مس زرتاشہ بہت بہت شکریہ یہ آپ کا اس مہربانی کے لیے میں اس کمپنی کا ملازم ہوں آپ کا نہیں آپ کن حالات سے گزری ہیں یا گزر رہی ہیں نہ مجھے یہ جاننے میں دلچسپی ہے اور نہ میں جاننا چاہوں گا پھر کہوں گا کہ آئندہ جب ہمارا آمنا سامنا آپ مجھ سے صرف کام کی بات کیجیے، وہ یہ کہہ کر رکا نہیں اس کے ہتک آمیز رویے سے دل برداشتہ ہو گئی تھی تبھی کافی دیر تک پول کے پانی پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔

آخر کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی وہ ملازم ہے اور دھونس ایسے جما کر گیا ہے جیسے یہ کمپنی اس کے باپ کی ہو اور میں مالکن ہوں لیکن اس طرح کی چیپ حرکتوں سے مالکن نہیں لگتی۔ تبھی کسی نے اچانک اس کے گرد اپنے بازو حمائل کیے۔ وہ ہڑبڑا کر پیچھے مڑنا ہی چاہتی تھی کہ مقابل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کو آگے کی جانب دھکیلا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پول میں جا گری۔ مضبوط گرفت اس کے منہ پر جوں کی توں برقرار تھی۔ پول میں گرنے کے بعد اس نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا اور پورے زور سے اس کا سر پول میں دھکیلا پانی میں اس کا سانس گھٹنے لگا۔ وہ پانی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ باہر نکلنے کی کوششوں میں مسلسل برسرپیکار اس کے ہاتھ پاؤں سے جان نکلنے لگی اس کے اندر خود کو بچانے کی تمام کوششیں دم توڑ رہی تھیں۔ کون ہے...... کون ہے...... وہاں کوئی چلایا تھا تبھی اس نے گرفت ڈھیلی کی اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ زرتاشہ کا بے دم وجود پانی پر تیرنے لگا۔

☆......☆

کسی نے مس زرتاشہ کو جان سے مارنے کی کوشش کی ہے۔ افتخار کی آواز بہت قریب سے آئی۔ اس نے کسلمندی سے آنکھیں کھولیں سامنے ہی افتخار مسز طاہر کے ساتھ کھڑا ہوا نظر آیا۔ کون ہوسکتا ہے افتخار......؟ مسز طاہر نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔ آخری بار پول کے قریب جنرل منیجر کھڑے تھے میں ان کے کہنے پر اندر فائل لینے گیا واپس آیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھے۔

افتخار کی آواز اس کے اعصاب پر کوڑے برسا رہی تھی۔ سلطان پاشا اس سے نفرت کرتا ہے اس کو مارنا چاہتا ہے لیکن کیوں؟ وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔ سلطان پاشا کی گرفت کی مضبوطی سے ہی اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ زرتاشہ زندہ بچے۔ اس کا ذہن ایک ہی سوئی میں اٹک گیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جے ڈی ملنے آئے ہیں۔ افتخار کی آواز پر اس نے آنکھیں بند کرلیں اب کیسی طبیعت ہے چیئر پرسن کی ۔ جے ڈی کی آواز اس کے بہت قریب ابھی اس نے بمشکل خود کو کمپوز کیا جنرل منیجر اور جے ڈی کا سارا ڈرامہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ خود کو پاپا کی طرح بے بس ہی محسوس کررہی تھی۔ اب یہ خطرے سے باہر ہیں نرس کے جواب پر انہوں نے۔ بہت اچھی بات ہے کہا، اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر چلے گئے ان کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک خود سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی کہ آخر سلطان پاشا اس کو کیوں مارنا چاہتا ہے۔ دو دن کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ میں آ گئی۔ سب لوگ اس سے ملنے آئے سوائے سلطان پاشا کے۔ وہ کیوں نہیں آیا اس کا جواب وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

☆......☆

میں جواب چاہتی ہوں جنرل منیجر سلطان پاشا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ کیوں مارنا چا ہتے ہو مجھے۔ بہت اچانک سے زرتاشہ سلطان پاشا کے سامنے آ گئی وہ فوڈ ڈپارٹمنٹ میں موجود تھا جب وہ دندناتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔ سلطان پاشا نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ مجھے آپ کو مار کر کیا ملے گا زرتاشہ یہ کمپنی، ہوٹل کچھ بھی نہیں بہرحال ثبوت میرے پاس ہیں میں تھوڑی دیر تک فراہم کردوں گا وہ عام سے لہجے میں بولا اور دوسرے روم کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے لپکی۔ تت...... تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔ میں چیئر دومن ہوں اور تم مجھے اگنور کررہے ہو۔ بہت اچانک سے الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔ سلطان پاشا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور پھر قریب کھڑے ورکرز سے بولا کیبنٹ کی صفائی کرائیں اور پیپر یہ برگر چیک کریں گیس کی بو آرہی ہے۔ وہ اس کو نظرانداز کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ زرتاشہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ آپ کیا کررہے ہیں۔ دیکھیں ان فروکس کو اچھے طریقے سے نہیں دھویا گیا۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچ کے مصداق وہ وہاں کھڑے سوئپر پر الٹ پڑی۔

میم...... میں تو سوئیپر ہوں۔ وہ منمنایا اور تبھی کسی نے انتہائی آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔ بند کھڑکی کے نیچے ایک سوراخ تھا جو خاص طور پر بنایا گیا تھا اس میں سے گیس کا پائپ اندر دھکیلا گیا۔ زرتاشہ سر جھٹک کر آگے بڑھنے کو ہی تھی کہ گیس کی بو کو سونگھنے کے ساتھ ہی اس نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی کمرے میں چاروں طرف آگ پھیل گئی۔ زرتاشہ اور سوئپر کی آوازیں باہر گئیں سوئپر دروازہ توڑنے کی کوشش کررہا تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب کمروں کی صفائی کی جاتی تھی اور تمام عملہ اس وقت کینٹن میں کھانا کھا رہا ہوتا تھا۔ آگ چھت کو چھونے لگی۔ زرتاشہ کا سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ اس کے دوپٹے کا کون آگ کی لپیٹ میں تھا اور اس کا حلق چیخ چیخ کر خشک ہوگیا اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے کچھ فاصلے پر کھڑے سوئیپر کو دیکھا جس کا جسم آدھا آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھا اور وہ اس کمرے میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا اس کے حواس جواب دے گئے اور وہ چکرا کر وہیں ڈھیر ہو گئی

☆......☆

شکر ہے مس زرتاشہ آپ کو بروقت بچالیا گیا ورنہ تو شاید آپ نہ بچ پاتیں۔ اس کے آگے افتخار سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اس نے ادھر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادھر دیکھا اور اس کے مزید قریب ہو کر بولا مس زرتاشہ پلیز آپ یہاں سے چلی جائیں یہ لوگ آپ کو زندہ نہیں رہنے دیں گے اور کب تک جنرل منیجر آپ کو بچاتے رہیں گے۔ افتخار کے آخری الفاظ پر اس نے حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھا جیسے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہو۔ فوڈ ڈیپارٹمنٹ کا دروازہ کسی جان بوجھ کر باہر سے بند کر دیا تھا یہ لاک سسٹم بہت مشکل سے کھلتا ہے لیکن جنرل منیجر صاحب نے پمپ سے اس کو توڑا گیس پمپ کو دروازے پر مارنے کے بعد گیس اور آگ سے ان کا جسم بھی متاثر ہوا لیکن انہوں نے آپ دونوں کو بچایا۔

زرتاشہ نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں۔ پتہ نہیں کیوں وہ دل ہی دل میں ایمان لے آئی تھی کہ جنرل منیجر خواہ کتنا ہی کٹھور کیوں نہ ہو اسکی جان نہیں لینا چاہتا۔ زرتاشہ یہ سی ڈی مجھے جنرل منیجر نے دی ہے کہ آپ کو دے دوں۔ اس میں اس پول والے دن کی سی سی ٹی وی فوٹیج ہے جب کسی نے آپ کو پول میں مارنے کی کوشش کی تھی اس کو دیکھ کے ایک لمحے کو ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب جنرل منیجر کر رہے ہیں لیکن بہت قریب سے دیکھنے پر احساس ہوتا ہے کہ آپ کو مارنے کی کوشش کرنے والا کوئی اور ہے۔ جے ڈی کی اچانک آمد پر افتخار خاموش ہو گیا۔ جے ڈی نے بھنویں اچکا کر افتخار کو دیکھا وہ ٹرے لے کے باہر چلا گیا۔

اب کیسی طبیعت ہے میری بیٹی۔ جے ڈی کا شہد آگیں لہجہ زرتاشہ کے زخموں پر نمک پاشی کر گیا اس نے محض اثبات میں سر ہلایا اور سی ڈی کو اپنے اوپر پڑی ہوئی چادر کے اندر کر لیا۔

تین ماہ کا ٹائم ایسے گزرے گا کہ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہوگا اور آخر تمہیں چیئر پرسن کی سیٹ سے ہٹا دیا جائے گا ویسے بھی ایک ماہ ہونے کو آرہا ہے کچھ بھی تو نہیں بدلا زرتاشہ۔

آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ زرتاشہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا وہ اس کے بیڈ کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں زرتاشہ کہ اگر تم اس کرسی پر ہمیشہ کے لیے بیٹھنا چاہتی ہو تو بہرام سے شادی کر لو۔ میں تمہیں اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اس لیے بیٹی بنانا چاہتا ہوں انہوں نے ایک لمحے کو رک کر اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کی جبکہ زرتاشہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی وہ جانتی تھی سلطان پاشا جو کچھ کرتا ہے وہ جے ڈی کی ایما پر ہی ہوتا ہے اور پاکستان آنے کے ساتھ ہی اس کے ساتھ جو واقعات رونما ہوئے ان میں کہیں نہ کہیں جے ڈی کا ہاتھ تھا۔

جواب دو زرتاشہ کیا سوچ رہی ہو' بلکہ ایسا کرو کہ اچھی طرح سوچو اور مجھے سوچ کر جواب دو ٹھیک ہے۔ وہ اس کا سر تھپتھپا کر نکل گئے اور زرتاشہ خود کو ان دیکھی زنجیروں میں جکڑتا محسوس کرنے لگی۔

☆......☆

میں زرتاشہ سے شادی کر رہا ہوں۔ بہرام سلطان پاشا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ سلطان پاشا نے اس کے چہرے کو دیکھا اور ہولے سے بولا۔

اچھی بات ہے یہ تو...... سلطان پاشا نے فائل پر نگاہیں مرکوز کیں لیکن اب کی بار وہ خود کو عیاں ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کی بوجھل پلکوں کے ساتھ دھڑکتے دل نے بغاوت کر دی۔ اس کو وہ سہانی شام یاد آنے لگی جب وہ اس کمپنی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں آئی۔اس کا انداز اتنا انوکھا اور روٹھا روٹھا سا تھا کہ سلطان پاشا مبہوت رہ گیا تھا اس کا دل اس کو دیکھ کر دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا وہ خود کو دی ہوئی شکست سے بہت ڈرتا تھا اس لیے جان بوجھ کر کھڑا رہا جب اس نے اس کو پکارا تو وہ یوں چونکا جیسے ایک حسین خواب سے جاگا ہو۔اس سے کنی کترا کر گزر جانے میں اس کو اپنی بقا نظر آنے لگی۔

ٹیرس پر زرش کے ساتھ واک کرتے ہوئے بھی وہ ناراض ناراض سی اس کو نظر آئی لیکن سلطان اگنور کر گیا۔پول میں بے جان بنے اس کے وجود کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس کا جسم سوکھے پتے کی طرح دھڑکنے لگا تھا اور جب اس کو آگ لگانے کی سازش کی گئی تو سلطان کا دل چاہ رہا تھا اس کمپنی کو ہی آگ لگا دے وہ باہر کھڑے ورکرز پر چلا رہا تھا۔پپ کو گلاس ڈور پر مارتے ہوئے اس کا رواں رواں اس کے لیے دعا گو تھا اس کے نیم جان وجود کو اٹھا کر پارکنگ تک لے جاتے ہوئے اسے ایسا لگا جیسے وہ زرتاشہ سے ہار گیا ہو۔اس ایک لڑکی کی زندگی سے ہی سلطان پاشا کی زندگی اور اس کی خوشیاں بند ہو گئی تھیں

......لیکن میں زرتاشہ کو پسند نہیں کرتا سلطان......
بہرام کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا اور تبھی اس کی نگاہ دور سے آتی ہوئی زرتاشہ پر پڑی۔اس کو زرتاشہ پر بہت غصہ آیا۔وہ ابھی ٹھیک ہو کر اٹھی ہی تھی اس کو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔وہ دل ہی دل میں اس سے خفا ہوا۔اس نے حیرانی سے بہرام کی طرف دیکھا جو عجیب کشمکش میں گرفتار نظر آ رہا تھا۔وہ تو سمجھ رہا تھا کہ جے ڈی کا بیٹا انہی کی سوچ کا حامل ہو گا لیکن درحقیقت وہ جے ڈی کے بالکل برعکس تھا۔

اچھا تو پھر تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔سلطان پاشا نے کن اکھیوں سے کرٹن کی اوٹ میں کھڑے وجود کو دیکھا کرٹن کے علاوہ گلاس وال بھی درمیان میں حائل تھی۔میں زرش کو پسند کرتا ہوں بہت پہلے سے۔وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔سلطان کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آ ٹھہری۔وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا گلاس وال کے قریب ٹھہرتے ہوئے بولا۔بہرام تو یہ جانتے ہو میں زرش کو پرپوز کر چکا ہوں اور بہت جلد اس سے شادی کروں گا......
سلطان پاشا کی بھاری آواز نے گلاس وال سے ٹیک لگائے کھڑی زرتاشہ کے دل پر آرے چلا دیے وہ سلطان پاشا سے ملنا چاہتی تھی کہ جے ڈی اس کی شادی بہرام سے کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ جان کر سلطان پاشا کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ زرتاشہ کی شادی کس سے ہو۔اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی اور واپس مڑ گئی۔اس نے کن اکھیوں سے زرتاشہ کو دیکھا حالانکہ منگنی کی انگوٹھی اس کی جیب میں جوں کی توں موجود تھی لیکن زرتاشہ سے محبت کرنے کے باوجود بھی وہ اقرار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس کو چاہنے لگا ہے شاید اس کو خود اذیتی میں سکون ملتا تھا۔

جے ڈی انکل میں شادی کے لیے تیار ہوں اور شادی اسی ہفتے ہو گی اپنے روم کی طرف بڑھتے ہوئے زرتاشہ گلوگیر آواز میں بولی۔اس نے ان کا جواب سنے بغیر موبائل بند کر دیا۔
سلطان پاشا میں تمہیں اپنی خود ساختہ محبت سے آزاد کرتی ہوں۔وہ ہچکیاں لیتی ہوئی سلطان پاشا کے تصور سے مخاطب ہوئی۔

☆......☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس نے جلدی جلدی کار پارکنگ میں روکی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ یہاں رنگ و بو کا طوفان سا اُمڈا ہوا تھا۔ مختلف لوگوں کے درمیان جگہ بناتا ہو وہ کسی سے بری طرح ٹکرایا۔ اب پتہ نہیں اس کی چال میں غفلت تھی یا مقابل خاتون ہی لاپرواہ تھیں جو اس سے نہ صرف بری طرح ٹکرائیں بلکہ خاتون کے ہاتھ میں پکڑا ہوا جوس بھی چھلک کر اس کے کوٹ پر بکھر گیا۔ اوہ آئی ایم سوری۔ وہ اپنا کوٹ جھاڑتا ہوا بولا۔ خاتون نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی اور دوسری نگاہ اپنے بلیک کلچ پر جو اس ٹکراؤ کے بعد زمین بوس ہوگیا تھا۔ نگاہوں کے تصادم کے ساتھ ہی دونوں کی آنکھوں میں شناسائی کی قندیلیں جل اٹھیں۔ اوہ مسز ظاہر کیا آپ ٹھیک ہیں۔ وہ مسکرا کر جھکا ان کا کلچ اٹھایا اور قریب سے گزرتے ویٹر سے ٹشو لے کر صاف کر کے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ اس کی مسکراہٹ مسلسل گہری ہورہی تھی۔ انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا اور کلچ اس کے ہاتھ سے لے کر آگے بڑھ گئیں۔

اتنی دیر لگادی تم نے کہاں تھے تم...... جے ڈی کی آواز پر وہ ایک لمحے کو چونکا۔ پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔ سائٹ ایریا چلا گیا تھا وہاں کام تسلی بخش نہیں ہورہا تھا دو انجینئروں کی شکایات موصول ہوئی ہیں میرا خیال ہے آپ بھی ایک راؤنڈ لے آئیں۔ اس نے ان کے قریب ہو کر کہا۔ اس کی بات کے اختتام پر انہوں نے محض اثبات میں سر ہلایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے کبھی تو کام سے جان چھڑالیا کرو۔ ہر وقت کام...... زندگی کو انجوائے بھی کیا کرو۔ سلطان مجھے دیکھو خوش رہنے اور زندگی جینے کا وقت نکال ہی لیتا ہوں ایک تم ہو ہر وقت روبوٹ کی طرح کام میں لگے رہتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے سلطان آج میں بہت خوش ہوں آج میرے دل کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے جارہی ہے۔ میرے بیٹے کی شادی ہے۔ اس پل کو میں نے خواب میں ہزار بار جیا ہے۔ فہد شاہ کو زیر بار کرنے کا' اس کو انگاروں پر لوٹانے کا یہ وقت میری مٹھی میں قید ہے۔ انہوں نے پاس گزرتے ویٹر کو روکا کولڈ ڈرنک کے دو گلاس اٹھائے ایک سلطان پاشا کی جانب بڑھادیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ جے ڈی کو انوار صاحب نے دیکھ لیا اور وہ ادھر ادھر مہمانوں کو دیکھنے لگا تبھی ہجوم سے جگہ بناتی زرش اس کے پاس پہنچی اسی وقت جے ڈی کی بیٹی عافیہ بھی ان کے قریب آکر رکی عافیہ جے ڈی کی اکلوتی بیٹی تھی جو بہرام سے ایک سال بڑی تی اس کی منگنی کچھ دن پہلے ہی انڈسٹریل ملک جاوید کے بیٹے ابراہیم ملک سے ہوئی۔ کہنے کو یہ کاروباری نوعیت کی منگنی تھی لیکن عافیہ اور ابراہیم نہ صرف کلاس فیلو تھے بلکہ ایک دوسرے کو چاہتے بھی تھے۔ جب عافیہ نے گھر میں ابراہیم کا تذکرہ کیا تو جے ڈی کو یقین ہی نہیں آیا کہ بیٹے کی نسبت ان کی بیٹی اتنی ذہین اور دوراندیش ہوگی وہ کہاں اس کے لیے ہیرا تلاش کرتے اس نے تو ہیروں کی کان ہی اپنے باپ کے حوالے کردی تھی۔

کیسے ہیں جنرل منیجر سلطان صاحب۔ عافیہ مسکرا کر بولی جبکہ زرش اپنے قریب کھڑے لڑکیوں کے گروپ میں شامل ہوگئی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو...... آپ کے سامنے ہوں خوش باش۔ وہ اٹھلا کر بولی اور آگے بڑھ گئی۔ سلطان نے کوفت بھرے انداز میں گھڑی کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جانب دیکھا۔ ہیلو ینگ مین ...... اس کے پیچھے سے ایک کھنکتی ہوئی آواز ابھری اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ زرش اس کے مقابل تھی۔ کہاں تھیں تم ...... کب سے تمہیں دیکھ رہا ہوں وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے وہیں آگئے جہاں بے شمار لڑکے اور لڑکیاں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ان میں سینئر آف اسٹاف اور ہوٹل ورکرز شامل تھے۔

ٹریفک بہت تھی اوپر سے بی جان کی طبیعت خراب ہوگئی جس کی وجہ سے مجھے رکنا پڑا۔

اگر ایسا کوئی مسئلہ تھا تو نہ آتیں تمہیں بی بی جان کے پاس رکنا چاہیے تھا۔ سلطان نے ٹوکتے ہوئے کہا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔ میں عفت جان کو ان کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں اور میں زیادہ دیر تک نہیں رکوں گی کچھ ہی دیر کے بعد چلی جاؤں گی۔

یہ کیا ابھی تک نکاح نہیں ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا جہاں ہر کوئی بے چینی اور بیقراری سے دلہن کا انتظار کر رہا تھا۔ نکاح خواں اور دلہا جس کے منہ پر بارہ بجے ہوئے تھے اسٹیج پر براجمان تھے۔ پتہ نہیں۔ اب تک تو آ جانا چاہیے تھا دلہن کو سلطان نے سرسری انداز میں کہہ کر کندھے اچکائے۔ چیئرمین کو ہوش آیا کیا......؟ زرش کی آواز انتہائی دھیمی تھی۔ اس نے چونک کر زرش کی جانب دیکھا اور اپنے جوتے کی ٹو سے سفید ماربل کے فرش پر ان دیکھی لکیریں بنانے لگا پھر کچھ سوچ کر نفی میں سر ہلایا۔ میری تم سے گزارش ہے کہ بچالو اس کو۔ وہ معصوم ہے اس کا قصور نہیں ہے۔ بچالو میری بیٹی کو درد میں ڈوبی ہوئی ایک فریاد اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ سلطان بے چین ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف شور و غل کی جگہ سناٹے نے لے لی اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہونے لگیں اس نے ایک سانس میں سوفٹ ڈرنک کا گلاس خالی کر دیا جیب سے رومال نکالا اور پسینہ صاف کیا۔ زرش اس کو کیا بتا رہی تھی وہ صرف غائب دماغی سے اس کے ہلتے لبوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ آر یو او کے سلطان؟ زرش کی پرتشویش آواز پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آئی ایم او کے۔ ڈونٹ وری۔

سر ایک بری خبر ہے۔ ہوٹل منیجر آصف اس کے قریب آ کر بولا۔

خبر...... کیا ہوا ہے؟ اس نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

مس زرتاشہ غائب ہوگئی ہیں' آئی مین وہ سیلون سے چلی گئی ہیں' کہاں گئی ہیں کسی کو کچھ نہیں پتہ...... کیا لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ سلطان نے ایک نگاہ زرش کے فق چہرے پر ڈھالی اور تیز تیز قدم اٹھاتا لابی سے ہال کی جانب بڑھنے لگا۔ اسٹیج خالی تھا بہرام جے ڈی اور دو تین افراد اسٹیج کے دائیں جانب کھڑے نظر آئے۔ جے ڈی نے ہجوم کو چیرتے ہوئے سلطان کو اپنی جانب آتے دیکھا تو تیزی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔ سلطان ایک بری خبر ہے۔ زرتاشہ بھاگ گئی ہے۔ وہ ایسا کرے گی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں اس کے پیچھے آدمی لگا دیتا۔ وہ اس کے قریب آ کر دھیمی آواز میں بولے۔ ان کے لہجے میں سانپ کی پھنکار تھی اور چہرہ شکنوں سے پر تھا۔ وہ خود کو بے وقوف بنائے جانے پر بل کھا رہے تھے۔ سلطان اس کا پتہ کراؤ کہ وہ کہاں گئی ہے اور یہ سیرمنی ختم کرو۔ مہمانوں کو رخصت کر دو۔ یہ شادی اب نہیں ہوگی۔ میں گھر جا رہا ہوں۔ وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور اونچی آواز میں بولے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہیلو! معزز خواتین و حضرات آپ سے التماس ہے کہ یہ سیرمنی ختم ہو گئی ہے کیونکہ مس زرتاشہ کے والد کی کنڈیشن بہت خراب ہے۔ اس لیے کچھ عرصے کے لیے یہ نکاح ملتوی کر دیا گیا ہے۔ جے ڈی نے کڑوے گھونٹ بھر کر اناؤنسمنٹ کیا۔ ان کے اناؤنسمنٹ کے فوراً بعد بہرام دھیرے سے چلتا ہوا جے ڈی کے قریب آیا اور تقریباً چلاتے ہوئے بولا...... پاپا بہت تماشہ بنالیا ہے آپ نے میرا اب میں مر کر بھی زرتاشہ سے شادی نہیں کروں گا۔ میں زرش سے شادی کروں گا سن لیں آپ...... وہ یہ کہہ کر رکا نہیں اور جے ڈی حیرانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ان کا فرماں بردار بیٹا ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور یہ سب ان کے غلط فیصلے کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان کے جانے کے بعد کافی دیر تک سلطان کی پرسوچ نگاہوں نے ان کا تعاقب کیا۔

☆......☆

وہ راکنگ چیئر پر نیم آرام دہ حالت میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ چیئر دائیں بائیں مسلسل ہل رہی تھی اس کے ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ راکھ بننے لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لیں لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ تبھی اس کا موبائل بجا۔ اس نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل کر موبائل آن کیا۔ ہیلو...... ہیلو سر ان کو ہوش آ گیا ہے۔

اچھا پھر تم نے انجکشن دیا ہے اس کو...... وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ اس کی ساری سستی پل بھر میں ہوا ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اچانک فکر اور تشویش کی پرچھائیاں رقص کرنے لگیں۔

نہیں سر...... انجکشن دینا تھا کیا؟ دوسری جانب سے انتہائی معصومیت سے سوال کیا گیا۔

سلطان کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور غصے میں دہاڑتے ہوئے بولا۔ اسٹوپڈ لڑکی سامنے کیبنٹ کی دراز میں پڑا ہے جلدی سے اسے اٹھاؤ اور لگا دو اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا۔ سلطان نے بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے کہا۔ اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ رات کے دو بج رہے تھے اس نے نمبر پریس کیا کال ریسیو کر لی گئی۔ انجکشن لگا یا نہیں۔ وہ غیض وغضب سے بولا۔ جی سر لگ گیا ہے۔ لڑکی نے جلدی سے کہا۔ اوہ شٹ اپ۔ میں نے بھی کس بے وقوف کو کام سونپ دیا ہے۔ سلطان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے ماتھے کو رگڑا اور تبھی اس کی نگاہ دائیں جانب گلاس وال پر پڑتے سائے پر پڑی۔ باہر کوئی ہیولا سا کھڑا تھا اس نے سرعت سے موبائل آف کیا اور باہر کا دروازہ کھولا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کے دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی بھاگنا شروع ہو گیا۔ سلطان بہت تیز رفتاری سے بھاگتے ہوئے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ سلطان کے اپارٹمنٹ کے سامنے کمپنی ایریا شروع ہوتا تھا۔ کمپنی ایریا کے درمیان میں سوئمنگ پول تھا اور بائیں جانب دوسرے اپارٹمنٹ کی رو شروع تھی جہاں کمپنی منیجرز اور اسٹاف ممبرز رہائش پذیر تھے۔ سوئمنگ پول کے انتہائی قریب پہنچ کر اس شخص کا پیر کسی پتھر سے رپٹا وہ منہ کے بل گر پڑا سلطان نے ایک ہی جست میں اس کو دبوچا اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن سلطان کی گرفت انتہائی مضبوط تھی اس نے کئی مکے اس کے منہ دے مارے جس کی وجہ سے اس کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ بتاؤ یہاں کیا کر رہے تھے کس نے بھیجا ہے تمہیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سلطان نے اس کو گھسیٹ کر کھڑا کیا۔ بتاؤ کون ہو تم...... سلطان نے ایک مکہ اور اس کے منہ پر دے مارا۔ سر میں فائر الارم سسٹم میں کام کرتا ہوں۔ وہ سلطان کے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ سلطان ابھی بھی اس کی شرٹ دبوچے ہوئے تھا۔ ہماری کمپنی میں کام کرتے ہو؟ جی سر!......

یہاں کیا کر رہے تھے یہ بتاؤ ورنہ خود کو جاب سے فارغ سمجھو اور تمھیں میں ایسی جگہ پہنچاؤں گا جہاں سے سو سال سے پہلے نہیں نکل سکو گے۔ سر مجھے معاف کر دیں۔ مجھے نوکری سے نہ نکالیں سر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ سر مجھے بہرام صاحب نے بھیجا تھا کہ آپ کی حرکات پر نظر رکھوں۔ آپ کہاں آتے ہیں، کہاں جاتے ہیں کس سے ملتے ہیں ان کو آپ کی پل پل کی رپورٹ دوں۔

یہ بتاؤ کب سے کام کر رہے ہو بہرام کے لیے۔ سلطان اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر بولا

-

ان کو شک ہے کہ آپ نے زرتاشہ بی بی کو غائب کیا۔ اس کی بات سن کر سلطان قہقہہ بار ہوا۔ ٹھیک ہے اپنا نمبر بتاؤ۔ سلطان نے جیب سے سیل نکالا اور اس کا نمبر نوٹ کرتے ہوئے بولا۔ اب جو میں تمھیں کہوں گا تم بہرام کو وہی بتاؤ گے اور آج سے تم میرے لیے کام کرو گے۔ سلطان نے جیب سے پیسے نکال کر اس کے حوالے کیے۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور چلا گیا۔ وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہیں چہل قدمی کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں کل شام کا منظر گھومنے لگا۔ اس نے بیوٹی سیلون کے سامنے کار روکی اور زرتاشہ کو فون کیا تیسری بیل پر اس کا فون ریسیو کر لیا گیا۔ ہیلو مس زرتاشہ میں سلطان بول رہا ہوں۔...... جی جنرل منیجر صاحب خیریت آپ نے مجھے فون کیسے کر لیا آج...... دوسری جانب حیرت سے استفسار کیا گیا۔ زرتاشہ آپ فوراً باہر آ جاؤ آپ کے ڈیڈ کو ہوش آ گیا ہے لیکن آپ اس بات کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گی آپ کے ساتھ جے ڈی کی بھیجی ہوئی دو خواتین بیٹھی ہیں آپ کو واش روم کا بہانہ کر کے سیلون کے دوسرے دروازے سے باہر آ جائیں مین گیٹ کے سامنے دو کاریں کھڑی ہیں جن میں جے ڈی کے گارڈ میں میں نہیں چاہتا کسی کو بھی کانوں کان خبر ہو۔ زرتاشہ وائٹ کلر کی کار میں ایک لڑکی موجود ہے آپ کار میں بیٹھنے کے ساتھ ہی اس کو کہنا چیئر مین کے پاس لے جائے پلیز یہ کام آپ کو بہت ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔ غلطی کی گنجائش نہیں ہے آپ کے پاس۔ کیا آپ سن رہی ہیں؟ دوسری جانب مکمل خاموشی پر سلطان پکارا۔ میں سن رہی ہوں او کے مسٹر منیجر میں آتی ہوں اس نے کال بند کر دی اس کے فوراً بعد ہی سلطان نے مسز طاہر کو میسج دیا اور سرعت سے کار میں بیٹھ گیا جیسے ہی وہ اپارٹمنٹ میں پہنچا کچھ دیر بعد لڑکی ہانپتی ہوئی آئی...... سر وہ گاڑی میں ہیں۔ میں ان کو اندر لے آؤں۔...... نہیں، سلطان پاشا سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔ لڑکی بھی اس کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگی کسی نے دیکھا تو نہیں...... نو سر...... اچھی بات ہے۔ سلطان نے تیزی سے کار کا پچھلا دروازہ کھولا پچھلی سیٹ پر وہ دلہن کا لباس پہنے ہوش سے بیگانہ پڑی تھی۔ سلطان نے جونہی اس کے بازو کو اپنی جانب کھینچا وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح اس پر آ گری۔ اس کا سر سلطان کے سینے سے ٹکرایا اور اس لمحے سلطان کو ایسا لگا جیسے اس کا دل باہر نکلنے کے درپے ہو۔ سلطان کو ایک نئے اور عجیب سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

احساسات نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی کافی لڑکیوں سے دوستی رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ آدم بیزار شخص تھا بس صنف مخالف کی طرف ہاتھ بڑھانا اس کو کبھی پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا مغرورانہ اور لیے دیا انداز صنف نازک کے لیے لیڈی کلر کا کام کرتا تھا۔ لڑکیاں دیوانہ وار اس کی طرف لپکتی تھیں لیکن زرتاشہ کے لیے اس کا دل کسی ضدی بچے کی طرح مچلتا اور جبکہ وہ خود سے اپنے جذبوں سے فرار چاہتا تھا قدرت دونوں کو بار بار ایک دوسرے کے قریب لے آتی۔ زرتاشہ کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو سلطان کے حواسوں پر چھانے لگی۔ اس کے حصار سے اس کی خوشبو سے راہ فرار مشکل تھا۔ سلطان نے بے بسی سے کار کے قریب کھڑے دونوں مردوں کی جانب دیکھا ان میں سے کوئی بھی زرتاشہ کو چھوتا سلطان یہ برداشت نہیں کر پاتا اس نے زرتاشہ کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اس ہوا جیسی ہلکی پھلکی لڑکی کو اپارٹمنٹ تک لے جانا سلطان کے لیے سب سے مشکل کام تھا۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس کو اٹھائے ہوئے دوسرے روم میں لے آیا بیڈ پر لٹا کر جونہی وہ اوپر ہونے لگا زرتاشہ کے ماتھے پر جھولتا ٹیکا سلطان کے کوٹ کے بٹن میں اٹک گیا اس کے اوپر ہونے پر اس کے بال کھینچے وہ اس کے قریب اور جھکا اور آہستگی سے اپنے کوٹ کے بٹن سے اس ٹیکے کو آزاد کر دیا اور زرتاشہ کا سر تکیے پر رکھا اس کے بعد اس نے کمبل اس کے اوپر ڈالا اور اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے کھڑا رہا۔ اس کی بند آنکھیں کھلے کھلے ہونٹ صبیح پیشانی اور دائیں رخسار پر تل سب اس کی توجہ اپنی جانب مرکوز کر چکے تھے۔ سلطان کو اس لمحے ایسا لگا جیسے وہ اس کو پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

کوئی دیوار رہنے دو\
فقط اظہار رہنے دو\
سفر میں ساتھ چل کر بھی\
ہمیں اس پار رہنے دو\
نہ آنکھوں میں سماؤ تم\
نہ ہم کو خاک ہونے دو\
نہ ترسیں تیری قربت کو\
ہمیں بے باک رہنے دو\
ہمیں اشعار میں لکھو\
مگر نہ گنگناؤ تم\
کتابوں میں کہیں رکھ کر\
ہمیں پھر بھول جاؤ تم\
سنو تم سے یہ کہنا ہے\
سفر میں دھول ہونے تک\
کوئی بھی بھول ہونے تک\
مجھے تم مانگ لینا بس\
دعا مقبول ہونے تک

سلطان پاشا نے ٹھٹکا کر اس کی جانب دیکھا اور کمرے میں واحد کھڑکی کی طرف بڑھ گیا اس کو خود اپنے جذبوں سے خوف آنے لگا تھا۔ محبت اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال چکی تھی۔ اس کا دل زرتاشہ کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا کچھ بھی تو نہیں۔

ہیلو ینگ مین کیسے ہو؟ مسز طاہر چائے کا کپ لیے دروازے میں کھڑی تھیں۔ یہ فلیٹ ان کی کزن کا تھا وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا آپ کو اس کی حفاظت کرنی ہے مسز طاہر یہ بہت بڑی ذمے داری ہے آپ کے کاندھوں پر۔

جانتی ہوں تم ٹینشن نہ لو۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس نے اثبات میں

www.urdusoftbooks.com

سر ہلایا اور وہاں سے آ گیا۔ اب ٹہلتے ہوئے اس کی نگاہوں کے سامنے اس کا دلنواز سراپا آ جاتا اس کو پانے کی تمنا سر اٹھانے لگتی تھی اور اس کو کھو دینے کا خیال روح تڑپا دیا تھا۔ اس کو سوچتے رہنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تو دیر تک جاری رہا۔

☆......☆

زرتاشہ کو ہوش آ گیا اس نے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولا ادھر اُدھر دیکھا۔ یہ قطعی طور پر ایک انجان جگہ تھی لیکن اس اپارٹمنٹ کی ڈیکوریشن اس طرح سے تھی کہ جیسے یہاں پہلے سے کوئی رہائش پذیر ہو۔ م...... میں...... میں کہاں ہوں اس نے اپنے بھاری سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے خود کلامی کی اس وقت دروازہ کھول کر ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں کھانے پینے کے لوازمات تھے اس کے اندر داخل ہونے کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ تت...... تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے چیخ کر بولی لیکن لڑکی نے میز پر ٹرے رکھا اور واپس چلی گئی۔

او...... سنو...... زرتاشہ دھاڑی لیکن وہ جا چکی تھی۔ زرتاشہ کافی دیر تک چکراتے دماغ اور منتشر سوچوں کے درمیان بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

کوئی ہے...... پلیز مجھے یہاں سے نکالو۔ اس نے دروازہ بجایا اور تواتر سے بجاتی رہی لیکن جواب ندارد...... اس نے اپنے ذہن پر زور دیا اور آخری بار جنرل منیجر کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے جب سلطان نے جھانسا دے کر اسے سیلون سے باہر آنے کو کہا۔ یہاں ایک لڑکی سفید کار کے باہر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی ا

کے قریب آنے پر لڑکی نے مسکراتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا اور کہاں آپ کے والد آپ کا انتظار کر رہے ہیں مس زرتاشہ۔ لڑکی کے کہنے پر وہ حیرت اور خوشی کے جذبات سے پُر کار میں بیٹھی۔ کار میں ایک اور آدمی بیٹھا جس نے زرتاشہ کے بیٹھنے کے ساتھ ہی اس کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر رومال اس کے منہ کے قریب کیا وہ جو بدک کر دور ہٹنا چاہتی تھی اس کے اچانک حملے سے بے بس ہو کر وہیں ڈھیر ہو گئی۔ اس کام کے پیچھے سارا کیا دھرا سلطان پاشا کا ہے۔ وہ ادھر ادھر گھومتے ہوئے بولی۔ وہ نہیں چاہتا کہ میں بہرام سے شادی کروں آخر کیوں؟ وہ ادھر ادھر چکر لگاتے ہوئے تھک کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی کہیں وہ مجھ سے شادی...... نہیں وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں کسی سے بھی شادی کروں ...... اسی وقت دروازہ کھلا اور سلطان پاشا اندر داخل ہوا اسے اندر آتا دیکھ کر وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹی۔

کیا چاہتے ہو تم سلطان پاشا میرے باپ کو کوے میں پہنچا کر بھی تمہیں سکون نہیں ملا اب میری جان کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ کیوں ہر بار میری راہ میں آ کر کھڑے ہو جاتے ہو وہ اس کا گریبان پکڑ جھنجوڑتے ہوئے بولی سلطان پاشا ساکت و جامد اس کے الفاظ پر یک ٹک اس کو دیکھنے لگا۔ سلطان پاشا کے ہاتھ اس کی کلائی تھامے ہوئے تھے اور زرتاشہ کے ہاتھوں میں اس کا گریبان تھا جبکہ سلطان پاشا اور اس کا دل بیک وقت ایک ہی لے میں دھڑک رہا تھا۔

اک ستم اور ابھی میری جاں ابھی جاں باقی ہے
دل میں اب تک تیری الفت کا نشاں باقی ہے
اک ستم اور ابھی میری جاں ابھی جاں باقی ہے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جرم تو ہین محبت کی سزا دے مجھ کو
کچھ تو محرومیٔ الفت کا صلہ دے مجھ کو
جسم سے روح کا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے ابھی
ہاتھ سے صبر کا دامن نہیں چھوٹا ہے ابھی
ابھی جلتے ہوئے خوابوں کا دھواں باقی ہے
اک ستم اور ابھی میری جاں ابھی جاں باقی ہے
اپنی نفرت سے میرے پیار کا دامن بھر دے
دل گستاخ کو محروم محبت کر دے
دیکھ ٹوٹا نہیں چاہت کا حسیں تاج محل
آ کہ بکھرے نہیں مہکی ہوئی یادوں کے کنول
ابھی دید کے گلشن میں خزاں باقی ہے
اک ستم اور ابھی میری جاں ابھی جاں باقی ہے

سلطان پاشا نے انتہائی آہستگی سے اس کے ہاتھ پیچھے ہٹائے اور رخ موڑ کر کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا اپنے بکھرے جذبات اور محبت کی طغیانی نے اس کی آنکھوں سے سارے راز افشا کرنے شروع کر دیئے تھے۔ مس زرتاشہ پلیز بی ہیو یور سلیف۔ سلطان بادشاہ میں خود کو کنٹرول کروں تم اپنی نیچ حرکتیں کب چھوڑو گے۔ وہ اس پر الٹ پڑی زرتاشہ اگر آپ نے خود پر کنٹرول نہ کیا تو میں اخلاق اور مروت کو بالائے طاق رکھ کر کوئی ایسی حرکت کر جاؤں گا جو آپ کے اور میرے لیے پشیمانی اور ندامت کا باعث ہوگی مہربانی فرما کر مجھ سے دور رہیے۔ اپنی پشت پر اس کی موجودگی سے ہراساں ہو کر وہ بولا اسی وقت وہ پیچھے مڑا۔ زرتاشہ جو کہ اس سے محض دو قدم کے فاصلے پر تھی اس افتاد پر جھٹکا کھا کر گرنے کو تھی لیکن سلطان پاشا نے بروقت اس کا بازو تھاما اور جھنجلاتا ہوا اس سے دور ہوا زرتاشہ کا سانچے میں ڈھلا سراپا اپنی تمام کشش اور رعنائی سمیت سلطان پاشا کو خیرہ کرنے لگا اسے خود پر اور اپنے ڈولتے جذبات پر بمشکل قابو پایا اور دوسری جانب دیکھنے لگا زرتاشہ نے مروت بھاری کا مدار دوپٹہ ہٹایا اور اپنے کندھے پر پھیلایا میں جانتا ہوں میں نے آپ کو اغوا کیا ہے آپ کو یہاں رکھا لیکن کسی غلط ارادے سے اور نہ ہی غلط ارادے سے ہے۔

یہ مسز طاہر کی کزن کا اپارٹمنٹ ہے مجھے ان کی مدد لینا پڑی تاکہ میں آپ کو ایک بڑی مصیبت سے بچاسکوں اور یہ کام میں نے آپ کے والد کے کہنے پر کیا ہے۔ سلطان پاشا نے سامنے سے نظر ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔ ڈیڈی نے ..... کب ڈیڈی تو کومے میں ہیں۔ وہ بڑبڑا کر خود سے ہمکلام ہوئی سلطان پاشا نے جیب سے سیل نکالا اس پر کچھ ٹائپ کیا اور ٹھیک ایک منٹ بعد اس نے سیل اس کی جانب بڑھایا زرتاشہ نے آنکھیں پھیلائیں ایک نگاہ سلطان پر ڈالی اور دوسری اسکرین پر۔ وڈیو آن تھی۔ میں جانتا ہوں تم مجھ سے نفرت کرتے ہو لیکن خدا کے لیے میری بیٹی کو بچا لو وہ بے قصور ہے معصوم ہے۔ اس کو بہرام خان سے شادی مت کرنے دو وہ نہیں جانتی وہ کس عذاب مسلسل میں گرفتار ہونے جارہی ہے جے ڈی۔ وہ سانپ ہے جس نے پہلے مجھے ڈسا اور اب میری بیٹی کو ڈسے گا۔ سلطان احسان کر دو مجھ پر۔ سلطان پاشا اب بھی سر جھکائے ہوئے تھا جبکہ زرتاشہ کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔ کب...... کب ہوش آیا پاپا کو؟ وہ سلطان کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ دو دن پہلے میں ان سے ملنے ہاسپٹل گیا ان کو ہوش میں دیکھ کر حیران میں رہ گیا لیکن اس رکارڈنگ کے بعد وہ دوبارہ کومے میں چلے گئے تھے۔ میری بات کا یقین وہاں موجود ڈاکٹرز نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھی نہیں کیا کہ ان کو ہوش آیا تھا میں انہیں یہ وڈیو نہیں دکھا سکتا تھا اس لیے صرف اتنا کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو وہ رک رک بول رہا تھا اور زرتاشہ کی نگاہیں ابھی بھی اس پل پل بدلتے شخص کے قریب بھٹک رہی تھیں اس موبائل بول اٹھا، اس نے موبائل آن کیا اور آن ہی آن میں اس کا چہرہ متغیر ہوگیا......کیا؟ کب انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے منہ سے نکلنے والے کلمات نے زرتاشہ کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجانا شروع کردیں وہ اس کے اور قریب آ کھڑی ہوئی ۔زرتاشہ...... وہ...... چیئرمین صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ زرتاشہ کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر بم گرادیا ہو اس کے حواس معطل ہوگئے وہ وہیں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوکر ڈھے گئی ۔ سلطان نے حواس باختہ ہوکر اس کو بانہوں میں بھر لیا۔

☆......☆

سلطان پاشا نے زرتاشہ کو مسز طاہر کے حوالے کیا اور خود اپنے اپارٹمنٹ پہنچا وہاں کچھ کام نبٹانے کے بعد وہ ہوٹل گیا۔ وہاں لوگوں کی بڑی تعداد میں آمد نے جے ڈی پر یہ بات واضح کردی تھی کہ فہد شاہ کو لوگ کتنا چاہتے ہیں۔ ان کی تدفین جلد از جلد جے ڈی کے ایما پر کردی گئی ۔ سلطان پاشا نے نارمل انداز میں جے ڈی سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کو بری طرح جھڑک دیا۔ تدفین کے بعد سب لوگ کمپنی ہال کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ بہرام سے اس کی سرسری بات ہوئی البتہ جے ڈی کی غصیلی اور کچھ جتاتی نگاہوں سلطان کو اندر ہی اندر ہراساں کردیا تھا وہ ان باپ بیٹی کی مدد میں اتنا آگے نکل گیا تھا کہ اس نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اگر جے ڈی کو پتہ چل گیا تو وہ اس کا کیا حال کرے گا اور اب اس بارے میں سوچ سوچ کر ہی اس کا سانس لینا دشوار ہورہا تھا۔ دوسری جانب زرتاشہ کی واپسی کا شور بچ گیا جس کو جے ڈی نے اونہہ کرکے سر سے اتارا۔

سلطان تم کہاں بزی تھے میں نے بار بار فون کیا تم نے میری کال اٹینڈ نہیں کی ۔ ان کی آواز ہر قسم کے جذبے سے عاری تھی وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ جے ڈی آپ بہتر جانتے ہیں کہ ان دنوں کہاں بزی تھا لیکن اس نے محض اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ سائیٹ پر تھا اس کے جواب کے بعد انہوں نے اثبات میں سرہلایا اور آگے بڑھ گئے ۔ سلطان پاشا محض کندھے اچکا کر رہ گیا ۔ اپنے اپارٹمنٹ میں آنے کے بعد وہ سو نہیں سکا بلکہ کچھ عرصے سے اس کی رہی سہی نیند بھی اس سے روٹھ گئی تھی ۔ بار بار آنکھوں کے سامنے زرتاشہ کا چہرہ آجاتا ۔ وہ جو نفرت کی آگ میں بھل بھل جلتا رہا تھا اب زرتاشہ کی محبت نے اس آگ پر پانی کا سا کام کیا اس کی ساری نفرت ساری کدورت کو زرتاشہ کی محبت نے دھوڈالا۔ زرتاشہ سے دور رہنے کی ہر کوشش اس کو دیکھ کر دم توڑ دیتی اور اب وہ یہاں بے سکون ہوکر اس بات کو سوچ سوچ کر پریشان ہورہا تھا کہ زرتاشہ کس حال میں ہوگی اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں ۔

☆......☆

آپ نے مس زرتاشہ کی زندگی بچائی ہے آپ جانتے ہیں یہ بات ۔ مسز طاہر نے ایک مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی ان کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ سلطان کو بہت اچھی لگی میں خود بھی نہیں سمجھ پایا مسز طاہر میں نے ایسا کیوں کیا ہے بھی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں دہکنے والا لاوے جیسا میرا دل ایک باپ کی التجا پر کیسے پانی ہوا میں جان بھی نہیں پایا......

سلطان پاشا نے تھکے ہارے مسافر کی طرح اپنا صوفے کی پشت سے ٹکایا۔ میں جانتی ہوں سلطان پاشا سرفہد کو ہوش آ گیا تھا تمہارے جانے کے بعد کافی دیر انہوں نے مجھ سے بات کی تھی لیکن ان کا ہوش میں آنا بہت سے لوگوں کو کھلنے لگا اور انہوں نے ان کو ہمیشہ کے لیے ہی بے ہوش کر دیا۔ مسز طاہر کی آواز پر سلطان نے اچھنبے سے ان کی جانب دیکھا۔ سلطان میں پچھلے چالیس سال سے یہاں ہوں۔ انسانوں کو اندر تک پرکھنے اور پڑھ لینے کے فن میں طاق ہو گئی ہوں، سر فہد انتہائی شریف النفس اور عاجز انسان تھے بہت چھوٹی عمر میں ان کے والد نے ان کی شادی اپنی بھتیجی سے کر دی تھی لیکن یہ شادی چار سالوں میں ختم ہو گئی وجہ جانتے ہو کیا تھی؟ مسز طاہر نے ایک لمحے رک کر سلطان پاشا کو دیکھا سلطان پاشا نے استفہامیہ انداز میں ان کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلایا جیسے پوچھنا چاہ رہا ہو آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔ سر فہد کبھی باپ نہیں بن سکتے تھے......

کیا...... حیرت کی زیادتی نے سلطان پاشا کا دماغ گھما دیا وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے جیسے اس کو مسز طاہر کی ساری باتیں لغو اور لفاظی پر مبنی لگی ہوں یہ سچ ہے سلطان اگر تم ان کے قریبی ساتھیوں سے بھی پوچھو گے تو ان کا جواب بھی یہی ہوگا اسی لیے تو انہوں نے مسز عائشہ سے شادی کی تھی جو طلاق یافتہ تھیں زرتاشہ محض دو ماہ کی ہی تھی جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ سر فہد نے زرتاشاہ کی پرورش ایسے کی جیسے زرتاشہ ان کی سگی اولاد ہو۔

''تت...... تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو سلطان میں تو غیروں کے بچوں کو دل سے لگاتا ہوں پر اپنے بچے کو کیوں نہیں اپناؤں گا۔'' فہد شاہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھو اپنی آنکھوں سے پرکھو سلطان خود سے دیکھا کبھی جھوٹ نہیں ہوتا اوروں کی نگاہوں سے دنیا کو دیکھو گے تو زندگی یونہی بدگمانیوں میں گزارو گے وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر بولیں اور وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح ان کے کیبن سے باہر نکل گیا۔ اس کا دماغ شل اعصاب منتشر آنکھوں کے کنارے بھیگ چکے تھے لابی سے آفس کالونی تک کا راستہ کانٹوں پر چل کے طے ہوا ہر طرف آوازوں کا شور برپا تھا بے یقینی ہی بے یقینی چار سو گردش کرنے لگی سامنے سے آتی زرش کو دیکھ کر اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

ارے سلطان کہاں تھے تم میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں...... میں ٹھیک ہوں۔ وہ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی سعی کرنے لگا۔ نظر تو نہیں آ رہے ہو۔ سلطان خیریت تو ہے ناں؟ ہاں بالکل خیریت ہے تم سناؤ اس وقت یہاں کیسے۔ وہ زرش کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگا۔ سلطان میں پاپا کے پاس جا رہی ہوں...... اتنے اچانک فیصلہ کر لیا ہے تم نے۔ سلطان نے پھیکے لہجے میں پوچھا۔ حقیقت تو یہی تھی وہ زرش سے نگاہیں ملانے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ منگنی کی انگوٹھی اپنی الماری میں رکھ کر وہ بھول گیا تھا اس سلسلے میں نہ اس نے دوبارہ زرش سے بات کی اور نہ ہی زرش نے اس کو کچھ جتایا۔ حالانکہ بارہا سلطان نے چاہا کہ وہ زرش کو انگوٹھی پہنا کر زرتاشہ کے سامنے سے ہٹ جائے لیکن اس کا دل ہٹ دھرمی پر ایسا اترا کہ اس نے اس کو پسپائی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔

ہاں سلطان بالکل اچانک سے۔ اس کی وجہ صرف پاپا کے پاس جانا نہیں بلکہ کوئی اور بھی ہے ...... اس نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اچانک رک کر کہا۔ سلطان نے اس کی جانب دیکھا۔ بہرام نے مجھے پرپوز کیا ہے۔ سلطان وہ تو زرتاشہ کے وقت بھی اسٹینڈ لینا چاہتا تھا لیکن میں یہ سمجھتی رہی کہ تم مجھ سے شادی کرو گے۔ سلطان ہر بار محبت کرنے والوں کو ٹھکرانا کفران نعمت ہوتا ہے میں بہرام کے متعلق سیریس ہوں۔ سلطان وہ بہت اچھا انسان ہے۔ زرش نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں ہنوز خاموشی تھی۔ زرش کو ایک لحظہ کو اس گلیشیر جیسے شخص پر بہت غصہ آیا اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس کو زرش اور اس کی محبت نظر نہیں آئی تھی۔ زرش نے اس کا جواب سنے بغیر واپسی کی جانب قدم بڑھا دیے۔ سلطان پاشا نے تحیر سے زرش کی جانب دیکھا جو لحہ بہ لحہ اس سے دور ہوتی جا رہی تھی

آج بھی تپتی دھوپ کا صحرا
تیرے نرم لبوں کی شبنم
تیری بکھری بکھری زلف کے سائے سے
محروم رہا
آج بھی پتھر ہجر کا لمحہ
صدیوں سے بے خواب رُتوں کی
آنکھوں کا مقسوم رہا
آج بھی اپنے وصل کا تارا
راکھ اڑاتی شوخ شفق کی
منزل سے معدوم رہا
آج بھی شہر میں پاگل دل کو
تیری دید کی آس رہی
مدت کی گم صم تنہائی
آج بھی میرے پاس رہی
آج بھی شام اداس رہی
شام کے مسلسل گہرے ہوتے سایوں میں

زرش کا دور جاتا وجود سلطان پاشا کو گہرے کرب میں مبتلا کر گیا وہ چاہتے ہوئے بھی اس کو روک نہیں سکتا تھا۔

☆......☆

سلطان پاشا زرتاشہ سے ملنے اس کے اپارٹمنٹ میں آیا کافی دنوں بعد سلطان اس کو دیکھ رہا تھا روئی روئی آنکھیں متورم چہرہ۔ زرتاشہ جانتی ہو فہد شاہ کی خودکشی سے پہلے میں ان کے کیبن میں گیا پتہ نہیں اس لیے مجھے کیا ہو گیا تھا میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے دنیا کے سامنے اپنا بیٹا تسلیم کرلیں سب سے کہہ دیں کہ انہوں نے میری ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد پتہ چلا کہ میں تو ان کا بیٹا ہی نہیں ہوں بلکہ میں تو کیا ان کا تو کوئی بیٹا یا بیٹی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ میرے پاپا نے خودکشی نہیں کی سلطان۔ نہ تو وہ خودکشی کر سکتے تھے ان کی زندگی میں کئی ایسے کٹھن موڑ آئے کہ شکست کھا کر بھی وہ ڈٹے رہے ان کو مارا گیا ہے۔ وہ انتہائی پرسکون لہجے میں بولی۔

سلطان نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا جیسے اس کی بات پر یقین ہی نہیں آرہا ہو۔ سلطان ان کو آخری بار ہوش آ گیا تھا لیکن اگلے دن وہ کیسے مر گئے۔ نہیں سلطان وہ مرے نہیں بلکہ ان کو مار دیا گیا ہے۔ وہ رو رو کر بولی سلطان نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا اس کے آنسو سلطان کے دل پر گر رہے تھے۔ سلطان ان احالات نے مجھے یہاں سخت بددل کر دیا ہے پاپا کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ میں یہاں زیادہ عرصے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

Survuive کرسکوں گی میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر۔ سلطان کو اس لمحے ایسا لگا کہ اس کا دل کٹ رہا ہو ٹکڑوں میں بکھرے اس لہولہو دل نے اس کا سکون غارت کردیا تھا۔ سلطان اٹھ کھڑا ہوا۔ زرتاشہ نے اس کو روکنا چاہا لیکن اب وہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا جیسے ہی وہ باہر آیا ایک سایہ گلاس وال سے ٹیک لگائے کھڑا تھا ایک سایہ گلاس وال سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اس کے پکارنے پر اس نے ہڑبڑا کر سلطان کی جانب دیکھا اور دوسری جانب دوڑ لگادی سلطان اس کے پیچھے بھاگا آفس کالونی طے کرنے کے بعد وہ اب سڑک پر دوڑنے لگا، سلطان بھی اس کے پیچھے تھا اس نے اپنی رفتار تیز کی اور اس کے گریبان سے پکڑ لیا، پکڑنے کے بعد اس نے کتنے ہی مکے اور تھپڑ اس کے منہ پر دے مارے۔ کس کی جاسوسی کررہے تھے۔ یقیناً میری یہ بتاؤ کس نے بھیجا ہے تمہیں۔ سلطان پاشا دھاڑا اس کی آنکھوں میں اس وقت خون اترا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس آدمی کو مار ڈالے۔ سر سر...... کسی نے نہیں بھیجا...... اس کے نفی میں سر ہلانے کے ساتھ ہی سلطان نے اس کو اندھا دھند مارنا شروع کردیا۔ بتاؤ سچ ورنہ میں یہیں مار کر تمہیں دفن کردوں گا......

سر مجھے بہرام سر نے بھیجا تھا۔ سلطان کی گرفت کمزور پڑ گئی اس نے اس آدمی کو چھوڑ دیا اور غصے میں دندناتا ہوا بہرام کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھنے لگا آج تمام لحاظ مروت بالائے طاق رکھ کر وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے...... لیکن اندر سے آتی آوازوں نے اس کو دروازے پر ہی روک دیا...... بہرام چلا رہا تھا۔ ڈیڈ بس کردیں یہ ڈرامہ میں جانتا ہوں آپ نے فہد شاہ کو قتل کروایا ہے آپ نے ہی انصرام کو بھیجا تھا کہ وہ ان کو بے ہوشی کا ٹیکا لگا کر اوپر سے گرائے اور اس کے بعد آپ نے زرتاشہ کو مارنے کی کوشش کی لیکن ہر بار سلطان نے اس کو بچایا۔ آپ نے اس کے بعد میری شادی کا ناٹک رچایا تاکہ زرتاشہ سے کمپنی حاصل کرلیں وہاں بھی آپ کا پالتو سلطان پاشا بیچ میں آ گیا اور اس کے بعد آپ نے فہد شاہ کو ہی مروادیا۔ اس کمپنی کی خاطر کس کس کا خون بہائیں گے آپ بولیں۔ وہ دھاڑا۔

یہ سچ نہیں ہے۔ میں نے نہیں مروایا فہد کو۔

ڈیڈ بس کردیں یہ ڈرامے بازیاں فہد شاہ کے ڈاکٹر سے خود ملا ہوں میں۔ آپ کی ایما پر اس نے رپورٹ تبدیل کی ہے۔ ڈیڈ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں زرش سے شادی کرکے جارہا ہوں اور پلیز آپ میری جان چھوڑ دیں اب۔ بہرام کی جھنجھلائی ہوئی آواز سلطان کے قدموں میں بندھی زنجیریں ہٹانے کو کافی تھی۔ جب وہ بیٹا ہوکر وفا نہیں کرپایا تو سلطان پاشا کس طرح وفاداری کا بوجھ اٹھا سکتا تھا حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تھک چکا تھا فہد شاہ کی موت کے بعد وہ خود بھی اس جگہ سے' جے ڈی سے بددل ہو گیا تھا وہ ان سے فرار چاہتا تھا اب۔

☆......☆

سلطان پاشا دو دن اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نہیں نکلا نہ کسی نے اس کو فون کیا اور نہ ہی جے ڈی نے اس سے رابطہ کیا اب بھی وہ ٹیرس پر کھڑے ہو کر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ آفس کالونی کے سامنے والی خالی پلاٹ پر اس کی نگاہ اٹھی اور واپس پلٹنا بھول گئی۔ دو آمنے سامنے کھڑے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سائے میں سے ایک یقیناً جے ڈی تھے ان کے ہاتھ میں پکڑی چھری وہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا البتہ ان کے سامنے کوئی عورت کھڑی تھی۔ کون ہو سکتی تھی...... وہ سرعت سے ٹیرس سے باہر کی جانب نکلنے والے راستے پر چلتے ہوئے سوچنے لگا۔ تین منٹ کے فاصلے کو اس نے برق رفتاری سے ایک ہی منٹ میں طے کیا وہ پلاٹ کے دائیں جانب ستون کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اب وہ یہاں کھڑے ہو کر جے ڈی اور مسز طاہر کو نہ صرف دیکھ سکتا تھا بلکہ ان کی باتیں بھی سن سکتا تھا۔ تم ہوتے کون ہو یہ بکواس کرنے والے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میرا بچہ کہاں ہے؟ مسز طاہر کی آواز میں سرد مہری کے ساتھ نفرت کی آمیزش کو وہاں کھڑا سلطان بھی محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے اب غور کیا یہ نفرت تو ہمیشہ ان کے لہجے میں بدستور رہی جب بھی وہ جے ڈی سے ہمکلام ہوتیں۔ بچہ...... ہا ہا...... تمہارا بچہ اس جگہ ہے فہمیدہ بیگم جہاں تم چاہ کر بھی اس کو نہیں پاسکتیں اور یہ کیا ہر وقت میرا بچہ، میرا بچہ کرتی ہو یوں کہو نا کہ تمہارا اور میرا بچہ...... ہمارا ناجائز بچہ وہی بچہ ناں جس کو مارنے تم ہاسپٹل بھاگ بھاگ کر جاتی تھیں شکر کرو تمہیں وہ گدھا مل گیا ورنہ ایک آبرو فاختہ عورت کتنی ہلکی ہوتی ہے یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔

اپنی غلیظ اور ناپاک زبان سے میرے شوہر کا نام نہ لینا میں اس وقت لڑکی تھی۔ کمسن تھی یہ نہ جان سکی کہ تم مجھ پر گندی نظر رکھتے ہو ورنہ خود کو سمیٹ لیتی ایک دن تمہیں مجھے بے آبرو کرنے کا موقع مل ہی گیا اس کے بعد میں نے لاکھ چاہا کہ خود کو مار لوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکی اور تمہیں اس لیے نہیں مار سکی کہ تم جانتے ہو کہ میرا بچہ کہاں ہے...... مجھے بتاؤ میرے بچے کا پتہ۔ تم نے کہا میں اپنا منہ بند رکھوں، ابھی میں گیا اور اب کسی کو نہ بتاؤں میں نے ایسا ہی کیا ہے اب تو بتا دو۔

بتا دوں گا...... بتا دوں گا کچھ ٹائم اور دے دو اس کے بعد تمہارا بچہ تمہیں مل جائے گا بلکہ جوان پلا پلایا بچہ ہا ہا ہا...... جے ڈی کی ہنسی نے سلطان پاشا کا سانس لینا دوبھر کر دیا وہ گورکھ دھندوں کے سارے راز سارے کالے راستوں تک پہنچ چکا تھا کہاں کہاں نقب لگائے گئے اور کہاں راستوں کو دھندلا دیا گیا تھا سب سے آشنائی حاصل ہو گئی تھی۔ یہ راز تو آج شاید افشا ہوا کہ وہ عورت اس کی ماں تھی اور جے ڈی جس نے اس کو بیٹوں کی طرح پالا لیکن سلوک ایک آقا اور غلام کا سا برتا اس کا باپ تھا اس کو وہ تاریک راتیں یاد آنے لگیں جب چھوٹی چھوٹی غلطی پر جے ڈی اس پر اپنی بیلٹ کا استعمال کرتا اس کو کتا اور نہ جانے کیا کیا کہہ کر بلاتا درحقیقت وہ سلطان کو نہیں بلکہ اس کی ماں فہمیدہ بیگم کو گالی دیتا تھا۔ وہ دونوں وہاں سے جا چکے تھے جبکہ ٹوٹو پھوٹا سلطان وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ دنیا کا مقابلہ کیسے کرے گا اس کی زندگی کی جنگ تو جاری و ساری تھی وہ اب بھی اپنی پہچان کے لیے لڑ رہا تھا۔

☆......☆

میں آپ کا بیٹا ہوں مسز طاہر...... اس نے سر جھکا کر کہا مسز طاہر نے انتہائی اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا ان کے پیچھے کھڑا افتخار بھی مسکرا دیا مسز طاہر آگے بڑھیں اور اس کا ہاتھ تھام کر بولیں بے شک سلطان میں نے تم میں اور افتخار میں کبھی فرق محسوس نہیں کیا تم میرے بیٹے ہو ان کے پر شفقت انداز اور لب و لہجے پر سلطان پاشا نے نفی میں سر ہلایا اس نے دائیں ہاتھ سے گریبان کھولا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور شرٹ کے اندر سے تعویذ باہر نکالا۔ مسز طاہر جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹیں یہ تعویذ انہوں نے پیدائش کے وقت اپنے بیٹے کے گلے میں ڈالا تھا اور چار سال تک یہ تعویذ اس کے گلے میں رہا۔ ایک دن جے ڈی نے ان کے بیٹے کو اغوا کروا دیا اور اس کے بعد وہ ان کو کبھی نہیں ملا...... کک...... کون...... کون ہو تم؟ وہ دھاڑیں۔ ان کی آواز میں بے یقینی سے زیادہ خوف تھا۔ میں آپ کا بیٹا ہوں فہمیدہ بیگم۔ سلطان پاشا نے آنکھیں بند کر کے کہا اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

وہ یوں بول رہا تھا جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو۔

ایک عرصہ خود ترسی میں گزارنے کے بعد خود کو یہ یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ تت...... تم...... کون ہو...... بولو...... مسز طاہر نے ایک زور دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا سلطان کے لیے یہ ردعمل انتہائی غیر متوقع تھا وہ دل میں خواہشات کا ایک جہاں آباد کر کے ان کے پاس آیا تھا وہ خوش فہمی کا شکار ہو گیا تھا کہ ایک ناجائز اولاد کو تو دنیا کے سامنے اپنانے سے وہ انکاری تھیں ہاں البتہ اکیلے میں پتہ چلا جاتا تو ضرور بیٹا مان لیتیں اس نے بھیگی آنکھوں سے اس روتی بلکتی عورت کو دیکھا جس نے سلطان شاہ کو اپنی محبت سے عاق کر دیا تھا...... سلطان یہاں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے بلکہ کہیں بھی تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے نہ کسی کے دل میں اور نہ ہی کسی کے گھر میں۔ وہ خود کو سمجھانے لگا اور سلطان کا یہ ماننا تھا کہ اس کو اپنا پڑھایا ہوا سبق بہت جلدی سمجھ میں آ جاتا ہے وہ سر جھٹک کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ امی...... امی...... یہ سلطان ہمارا بھائی ہے...... وہی بھائی ہے ناں جو بچپن میں کھو گیا تھا...... افتخار کی آواز نے سلطان کے بڑھتے ہوئے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں اس نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا وہ روتی بلکتی عورت اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ سلطان نے آنکھوں کو مسلا وہ بانہیں کھولے اس کو بلا رہی تھی۔ وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح دوڑتا ہوا اپنی ماں کی آغوش میں چھپ گیا اس دن پہلی بار سلطان نے ماں کے لمس۔ اس کی خوشبو کو محسوس کیا۔

☆......☆

آؤ سلطان پاشا آ جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی جے ڈی نے اس کو ایس ایم ایس کر کے آفیسر کی سب سے بڑی بلڈنگ میں بلایا سلطان جانتا تھا احتساب کا وقت آ گیا ہے تو تمہیں پتہ چل گیا کہ فہمیدہ تمہاری ماں ہے۔

جی...... اس نے مختصر جواب دیا۔ سلطان بہرام مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

میں جانتا ہوں...... اس وقت جبکہ میں اکیلا ہو گیا ہوں مجھے کسی سہارے کی ضرورت ہے تم بھی مجھے چھوڑ گئے ہو...... نہیں میں ایسا نہیں کر سکا چاہ کر بھی نہیں۔ جے ڈی...... اس نے ان کی جانب دیکھا

یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب میں نے کیا ہے۔

ہاں جے ڈی یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب کچھ آپ نے کیا ہے۔

لیکن میں یہ سب نہیں بھول سکتی انہوں نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ ایک دم سے زرتاشہ کی ابھرتی آواز پر دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اس کے ساتھ ہی آفیسر کالونی میں داخل ہوتی پولیس کی گاڑیوں کو بھی وہ دونوں دیکھ چکے تھے۔ میں نے آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میرے باپ کو قتل کیا ہے آپ نے اور مجھے بھی بہت بار قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جے ڈی پلیز آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں میں آپ کو بچالوں گا۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ مسلسل پیچھے ہوتے ہوئے جے ڈی کو دیکھ کر سلطان گھبرا کر بولا۔ میں ایک بات جانتا ہوں سلطان میں ہار نہیں سکا مجھے کوئی نہیں ہرا سکتا نہ تم اور نہ ہی یہ لڑکی۔ میں جانتا ہوں۔ جے ڈی پلیز میری بات کا یقین کریں آپ کو کچھ نہیں ہوگا پلیز پیچھے مت جائیں آپ نیچے گر جائیں گے۔ سلطان تیزی سے ان کی جانب بڑھا لیکن وہ نیچے چھلانگ لگا چکے تھے۔ آٹھ منزلہ عمارت سے نیچے گرتا جے ڈی کا وجود سلطان کی بلند ہوتی چیخوں کے شور میں گم سا ہو گیا تھا۔

☆......☆

ہوٹل کی اوپننگ سیرمنی شروع ہونے کے قریب تھی۔ سلطان صبح سے ہی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے بہرام کو میسج کیا۔ اس کا جواب فوراً آ گیا کہ وہ اور زرش گھر سے نکل چکے ہیں اس نے ایک نگاہ کام میں مسلسل لگے ورکرز پر ڈالی اور دوسری نگاہ گھڑی پر ڈالی اس کی نگاہیں اب داخلی دروازے پر لگی ہوئی تھیں اس کو جس کا انتظار تھا وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی اس نے ایس ایم ایس کیا...... کہاں ہو جان......؟

جواب فوراً آیا۔ تیار ہو رہی ہوں۔

وہ تو چار گھنٹے سے ہو رہی ہو...... اس نے دوبارہ ایس ایم ایس کیا۔ اس کے ساتھ دو پکس سینڈ کی گئیں۔ یہ دو تصاویر دراصل دو ڈریسیز کی تھیں ان کے نیچے لکھا ہوا تھا آج میں کون سا سوٹ پہنوں بلیک یا ریڈ والا۔ اس کے ایس ایم ایس کو دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ دونوں اس نے شرارت سے میسج سینڈ کیا۔

کچھ دیر تک سلطان نے اس کے ایس ایم ایس کا انتظار کیا اور جواب نہ پا کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھنے لگا۔ راستے میں ہی اس کو مسز طاہر مل گئیں اس کو گھر کی جانب آتا دیکھ کر وہ اچنبھے سے بولیں تم کہاں جا رہے ہو تمہیں تو اس وقت ہال میں ہونا چاہیے۔...... آپ چلیں میں بس آ رہا ہوں۔ وہ سر کھجا کر بولا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئیں۔ سلطان نے اپنے اپارٹمنٹ کے ناب پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ کسی نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا، سامنے ہی بلیک سوٹ میں ملبوس زرتاشہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت موجود تھی۔ وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھا۔ میں آج بہت خوش ہوں زرتاشہ یقین ہی نہیں آتا کہ میری زندگی کو تم یوں مکمل کر دو گی۔

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ شرمائی لجائی سی زرتاشہ اس کے بکھرے ہوئے جذبات کو مزید ہوا دے رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی پیش قدمی کرتا پیچھے سے زرش کی شوخ و شنگ آواز آئی۔ ڈائیلاگ بعد میں بول لیجیے گا محترم آپ کو ہال میں بلایا جا رہا ہے۔ وہ دونوں ٹپٹا کر پیچھے مڑے اس نے زرش کو تیکھی نظروں سے گھورا جس کی بے وقت انٹری نے سارے رومانس کا ستیاناس کر دیا تھا۔ وہ منہ میں بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔ زرتاشہ اور زرش بے اختیار ہنس دیں۔ زرتاشہ نے ایک محبت بھری نگاہ اپنے آگے چلتے سلطان پر ڈالی جس کو وقت نے بدل کر رکھ دیا تھا وہ ایک اکھڑ مزاج سلطان سے ایک نرم خو سلطان کب بنا زرتاشہ کو پتہ ہی نہیں چلا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سلسلے وار ناول

ایک نہایت ہی منفرد دلچسپ پُراسرار سلسلہ جسے آپ عرصہ دراز تک یاد رکھیں گے

املتاس

علامہ سید اجتبیٰ حسین رضوی کا خیال

اس دل کا تحیر تھا آئینہ' اس سر کا تصور تھا موقلم
تمثال پہ نقطے لگا کیے' تصویر بدلتی چلی گئی

(قسط نمبر 6)

شازلی سعید مغل

اس کا لمبا قد' گہرا سانولا رنگ ترشے ہوئے کھڑے کھڑے نقوش ایسے تھے لگتا تھا جیسے مہاگنی سے تراش کر بنائے گئے ہوں وہ ایک پُرغرور انداز میں اُن کی جانب بڑھا۔

''السلام علیکم جناب چلیے ...... آگے کا راستہ میری ہمراہی میں طے کرنا ہوگا۔ مجھے سید صاحب نے بھیجا ہے......''

وہ انتہائی رعب دار بھاری گونجدار آواز میں گویا ہوا۔ اس کی آواز اس کی شخصیت سے تال میل کھا رہی تھی پہاڑوں جیسی سنگین اور ان سے ٹکرانے والے دریاؤں جیسی گھمبیر ...... وہ اس گھنے جنگل جیسا پُراسرار تھا اس کی پوری شخصیت جیسے غلافوں میں لپٹی ہوئی تھی ...... وہ دونوں میاں بیوی اس کے پیچھے چل پڑے اس گھنے جنگل میں جیسے راستہ بنتا جا رہا تھا یا جنگل راستہ دے رہا تھا...... ابھی تک وہ دونوں جھاڑیاں ہٹاتے اِدھر اُدھر بچتے بچاتے بڑی مشکل سے اندر آ رہے تھے۔

مگر اس بھیجے گئے راہ نما کی پیروی میں بڑی آسانی سے راستہ طے ہو رہا تھا کچھ دور ہی چلے تھے سامنے سید صاحب کا مکان نظر آ گیا۔ شاہ بلوط کے حصار میں جنگلی پھولوں کی بیلوں سے ڈھکی نیلی کھڑکیوں سے مزین' اس وقت دوپہر دو سے تین کا وقت ہو رہا تھا سورج کی نرم گرم شعاعوں میں جنگلی پھولوں سے ڈھکی نیلی کھڑکیاں سحر انگیز منظر پیش کر رہی تھیں......

صدر دروازہ اندر سے کھلا وہ اندر داخل ہو گئے ...... سید صاحب وہیں اپنی بیٹھک میں بیٹھے ان کے منتظر تھے...... انہیں دیکھ کر پُرتپاک انداز میں استقبال کو خود آگے بڑھے دونوں میاں بیوی نے عقیدت سے سلام کیا۔

''آؤ بھئی حسن آؤ بہت اچھے وقت پر آئے ...... چلو پہلے میرے ساتھ کھانا کھاؤ' میں تم لوگوں کا ہی منتظر تھا......'' کہتے ہوئے سید صاحب دسترخوان پر بیٹھ گئے جو چنا ہوا تھا......

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''بڑے ابا ایسی کوئی خاص بھوک نہیں لگ رہی آپ نے بڑا اہتمام کروا ڈالا......'' حسن شیرازی شرمندگی سے بولے۔

''ارے میاں چھوڑو سارے تکلفات چلو شروع ہو جاؤ وقت نہیں ہے ابھی زیادہ......''

وہ مسکرا رہے تھے۔ حسن شیرازی اور صولت جہاں نے سوچا دو چار لقمے کھا کر اٹھ جائیں مگر انتہائی لذیز فرائی مچھلی پنیر اور سبزیوں کا سلاد اور ماش کی دال سب حسن شیرازی کی پسند کا کھانا تھا اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔

سید صاحب کو حسن شیرازی کی یہ بے تکلفی بہت پسند تھی چاہے کتنے عرصے بعد ملتے مگر فاصلے کا شائبہ نہیں ملتا تھا تعلقات میں...... بڑے ابا بھی اپنے خاندان کے اتنے بچوں میں حسن شیرازی سے خاص قلبی لگاؤ رکھتے تھے اور کئی ایسے مواقع بھی آئے جب لگاؤ محسوس کیا بھی اور کروایا بھی کھانے کے بعد سید صاحب دونوں سے چند منٹ کی اجازت لے کر گھر کے اندرونی حصے کی طرف چلے گئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ پورے گھر میں خوشبودار قہوے کی مہک پھیل گئی۔

صولت جہاں اور حسن شیرازی سمجھ گئے۔

سید صاحب کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ اپنے مہمانوں کے لیے قہوے کا انتظام خود کرتے تھے اُن کے ہاتھ کا قہوہ اپنی لذت آپ ہی رکھتا تھا کچھ دیر بعد کچن کی جانب سے سید صاحب آتے نظر آئے۔

اُن کے پیچھے قہوے کی پیالیوں سے سجی ٹرے اٹھائے وہی تراشیدہ کھڑے نقوش والا گہرا پُر اسرار راہ نما تھا...... خاموشی سے اندر آیا اور سینٹر ٹیبل پر پیالیوں کی ٹرے رکھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سید صاحب نے قہوے کی پیالی اٹھا کر قہوہ پینے کا اشارہ کیا قہوہ انتہائی خوشبودار تھا شاید یہ کسی جنگلی جڑی بوٹی بلکہ بہت ساری جڑی بوٹیوں کا مکسچر معلوم دیتا تھا......

''حسن میاں کاروبار کیسا چل رہا ہے تمہارا؟'' انہوں نے قہوہ ختم کر کے پیالی ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بڑے ابا اللہ کا بڑا احسان ہے۔'' حسن شیرازی نے موقع غنیمت جانا بڑے ابا اب بات کرنے کے موڈ میں آ رہے تھے وہ فوراً بولے

''بڑے ابا مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔''

''مجھے بھی تم سے بات کرنی تھی بلکہ بہت پہلے ہو جاتی یہ بات اگر میں یہاں موجود ہوتا......لیکن اب بھی کچھ خاص نہیں بگڑا...... تم یہاں آتے نہیں اس لیے تمہیں بلوایا گیا ہے......'' سید صاحب نے حسن صاحب کی مشکل آسان کی۔

''ابھی کچھ وقت باقی ہے صولت......''

وہ ایک دم بات کرتے کرتے صولت جہاں سے گویا ہوئے۔

''شام اترنے لگی ہے آج رات تو یہیں رکنا پڑے گا......''

''جیسے آپ چاہئیں بڑے ابا......'' صولت جہاں مودبانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''چلو تو پھر تم لوگ جنگل کی شام سے لطف اندوز ہو...... میں ذرا اپنے معمولات سے فارغ ہو لوں...... رات میں بات کرتے ہیں۔'' کہتے وہ بیٹھک سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ صولت جہاں اور حسن شیرازی کو کمرہ بتا دیا گیا تھا کہ وہ آرام کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں پورے گھر میں وہی پُراسرار راہ نما اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ جنگل کی رات شروع ہو چکی تھی۔ آسماں پر چاندی کے بڑے سے تھال جیسا چاند نکل آیا تھا جس کی چاندنی میں تا حد نگاہ درختوں کی اونچی اونچی شاخیں چوٹیوں کی طرح چمک رہی تھیں کوئی شوخ پرندہ رات کا میٹھا گیت الاپ رہا تھا ہوا میں تیز خنکی اور خوشبو تھی۔ حسن شیرازی کھڑکی میں کھڑے رات کی پُراسرار مہکتی خاموشی اور پرندے کی شیریں آواز کا لطف لے رہے تھے اس وقت وہ اپنے تمام مسائل بھول چکے تھے رات جنگل کا درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے...... کمرے کے اندر آتش دان روشن تھا۔ صولت جہاں آتش دان کے پاس بیٹھی چھوٹی خشک لکڑیوں کو توڑ کر آتش دان میں ڈال رہی تھیں۔ خشک لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز اور آگ کی نارنجی اور پیلی روشنی سے بننے والے سایوں سے ماحول کی پُراسراریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

صولت جہاں سوچوں میں گم تھیں کسی پرندے کی بے چینی پھڑ پھڑاہٹ نے ان کا دھیان توڑا پھڑ پھڑاہٹ انتہائی قریب اور واضح تھی۔ حسن شیرازی بھی اپنی جگہ چونک گئے آواز کا تعین کیا تو وہ اندر سے آ رہی تھی صولت جہاں کی نظریں اوپری منزل سے نیچے آتے زینے پر ٹک چکی تھیں حسن شیرازی سیڑھیوں کی جانب بڑھنا چاہتے تھے صولت جہاں نے اُن کی پیش قدمی روک دی اب سیڑھیوں سے اترنے کی واضح آواز میں آ رہی تھیں۔

دونوں میاں بیوی جہاں تھے وہیں رک گئے۔ سیڑھیوں پر ہلکی ہلکی روشنی پڑنے لگی تھی ایک انتہائی گہری

سچی کہانیاں میں شائع ہونے والا لازوال ناول 'تاشون' کتابی شکل میں دستیاب ہے

قدیم علوم کا سائنٹیفک نظریہ
ان کے ذاتی تجربات اور اصل حقائق و اثرات
سعادت و نحوست کا حساب، حیرت و تجسس پر مبنی ناول

تاشون

تحریر: شازلی سعید مغل

۴۵۰ صفحات

Postage Rs. 50

برصغیر میں علمِ تسخیر کے بانی حضرت کاش البرنیؒ کی
عاملیت و کاملیت، روحانیت، محبت، تصوف اور دوسری دنیا
کے تجربات و مشاہدات پُراسراریت کے نت نئے راز کھولتا ایک
سحر انگیز ناول جس کے مرکزی کردار حضرت کاش البرنیؒ ''بنام''
''تاشون'' ہیں

ابھی رابطہ کر کے اپنی کاپی بک کراوئیں یا اپنے قریبی بکسٹال پر اپنا آڈر بک کروائیں۔
Auraq Publishers, Ibrahim market, PIB Colony, Karachi 74800

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سیاہ آنکھوں اور بالوں والا ایک نوعمر لڑکا ہاتھ میں لیمپ تھامے سیڑھیاں اتر رہا تھا اس کا رنگ بھی انتہائی سانولا تھا جو لیمپ کی سنہری روشنی میں چمک رہا تھا۔

اُس کا رخ سید صاحب کے کمرے کی جانب تھا۔ لگتا تھا جیسے اُسے بلوایا گیا ہے اس نے نا ہی کمرے کے دروازے پر دستک دی اور نہ ہی انتظار کیا اس کے دروازے پر رُکتے ہی دروازہ وا ہوا اور وہ اندر چلا گیا۔ چند سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے دروازہ دوبارہ کھلا اور سید صاحب چہرے پر مخصوص مسکراہٹ سجائے باہر نکلے۔

انہیں دیکھ کر حسن اور صولت جہاں کو ایک طمانیت کا احساس ہوا انہیں لگا ان کا انتظار اب ختم ہوا ہی چاہتا ہے ان کو جس مقصد کے لیے یہاں اس طرح بلوایا گیا ہے وہ پورا ہونے والا ہے' تم لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔ جس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔

سید صاحب کی آواز اطراف پھیلی پُر اسرار خاموشی کو توڑتی آتی ہوئی سماعتوں سے ٹکرائی اس سے پہلے دونوں میں سے کوئی جواب دیتا۔

گھر کے اندرونی حصے سے روشنی کا ایک متحرک نقطہ برآمد ہوا تیزی سے فضا میں غوطہ مارتا ہوا نشست گاہ کی کھلی کھڑکی سے باہر جنگل کی جانب کود گیا۔

''ارے...... حسن یہ کھلی کھڑکی تھوڑی سی بند تو کر دو...... پردے بھی برابر کر دو۔ جنگل ہے بھائی کیا خبر پھر کوئی سر پھرا مداخلت کرتا اندر گھس آئے۔''

''بہتر سید صاحب......'' حسن شیرازی نے کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے شروع کر دیے۔

''ارے...... ارے بھائی تم یہاں کہاں چھپ گئے ہو......'' یکا یک سید صاحب کی آواز گونجی صولت جہاں بھی آتش دان کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ سید صاحب کی آواز کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ روشنی کا ایک نقطہ سید صاحب کی نشست کے پیچھے سے نکل کر ہوا میں اڑتا تیرتا تیزی سے گھر کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔

''اچھا بھئی اب آپ سب لوگ بھی جائیے۔ اب ہم ذرا کام کی بات کر لیں۔ پھر ملتے ہیں آپ سے۔'' سید صاحب نے ذرا قدرے کڑک دار لہجے میں کہا۔

''سید صاحب کی بات سن کر نشست گاہ میں ایک نادیدہ سی ہل چل مچ گئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آگے پیچھے بہت سارے لوگ کمرے میں سے نکل کر جا رہے ہیں کچھ سرسراہٹیں گھر کے اندرونی حصے میں گم ہو رہی تھیں اور کچھ باہر کی جانب...... حسن شیرازی اور صولت جہاں نے پہلے تو بڑی حیرت سے انہیں پھر ان کے سامنے اور پھر چاروں طرف دیکھا مگر انہیں وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔

نادیدہ ہل چل اور ایک مبہم سا شور ضرور برپا تھا۔ چند لمحے سید صاحب نے جیسے ان نادیدہ ہستیوں کے جانے کا انتظار کیا پھر دونوں میاں بیوی کی طرف اشارہ کر کے دھیمے لہجے میں بولے۔

''ہاں بھائی اب آؤ بیٹھو تم سے کام کی بات کرنی ہے' بہت ہوا اب...... اتنی بات بگڑی نہیں صولت جتنی تمہاری اس حرکت نے بگاڑی ہے۔'' سید صاحب نے اچانک صولت جہاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ لہجہ قدرے خشک تھا صولت جہاں اُن کی بات سن کر ہی اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کیا ضرورت تھی تمہیں یوں کسی نوٹنکی کے پاس جانے کی......''

''میں شرمندہ ہوں سید صاحب......'' صولت جہاں کا لہجہ رقت آمیز ہونے لگا تھا۔

''اچھا چلو سب ٹھیک ہے اتنا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سید صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں نے بھی بہت واضح انداز میں انہیں منع کیا مگر یہ باز نہیں آئیں اپنی بات پر قائم ہی رہیں۔''

حسن شیرازی کے اس طرح کہنے پر صولت جہاں نے شوہر کی جانب نظر اٹھائی شرمندگی اور بے بسی کی ملی جلی کیفیات کا غماز تھی اُن کی نظر......

''کیا تم باز آئے حسن؟'' سید صاحب نے حسن شیرازی سے سوال کیا۔ اب شرمندہ ہونے کی باری اُن کی تھی۔

''تمہیں یہاں بلوانا ہی پڑا ہمیں......'' سید صاحب نے بات جاری رکھی۔

''مجھے اس بات کا ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ واقعی کوئی مسئلہ درپیش ہے تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا سید صاحب...... یہ جو بتاتی رہیں مجھے' میں اِن کا وہم ہی سمجھتا رہا اور آپ کو تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا مگر میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھ سے بڑی کوتاہی ہو چکی ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔''

حسن شیرازی کو جب سے یہاں بلوایا گیا تھا تب سے اب تک اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

''یہ تمہارے ساتھ ہی نہیں ہے بھائی......''

سید صاحب نے حسن کی بات سن کر کہا۔

''جو چیز نگاہ کے سامنے ہو...... یہ جنگل' پہاڑ' پیڑ پودے تمہارا گھر' بادل برسات' تم اور میں......بس یہی ہے دنیا؟ یہی سمجھا جاتا ہے میرے بھائی...... جو سامنے ہے وہ' ہے' جو نظر نہیں آ رہا......مگر وجود وہ بھی رکھتا ہے یہ کائنات بنانے والے نے اتنی مختصر نہیں بنائی حسن...... کم نگاہی انسان کا اپنا خاصہ ہے انسان خود اپنے بارے میں بڑی غلط فہمی کا شکار رہتا ہے وہ اس کی اپنی ذات کے پردے اس مختصر سی زندگی اس پر پورے نہیں کھلتے۔ وہ خود کو پہچان نہیں پاتا...... اس کائنات کے رموز و اسرار کیسے جان سکتا ہے غور و فکر کی عادت جو نہیں ہے جلد باز ہے انسان بہت...... بس وہی تم نے کیا...... صولت کچھ کہتی رہیں تم نے سختی سے انکار کر کے اُن کا اعتماد ہی ختم کر دیا...... پھر غلطی تو ہونی ہی تھی۔''

''سید صاحب......'' حسن شیرازی نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں نے تمہیں یہاں شرمندہ ہونے نہیں بلوایا حسن......'' سید صاحب کا لہجہ محبت آمیز تھا۔

''نہ ہی میں داروغہ شہر ہوں جس کے آگے تم مجرموں کی طرح سر کو جھکائے ہو......'' اب وہ مسکرا رہے تھے۔ ان کے انداز کو دیکھ کر صولت جہاں اور حسن شیرازی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ کھیل گئی۔

''بھائی کبھی کبھی انسان بہت مجبور ہو جاتا ہے...... سمجھ لو میں بھی مجبور سا ہو گیا ہوں۔''

''آپ سید صاحب......'' صولت جہاں کو ان کی بات سن کر حیرت سی ہوئی۔

''ہاں صولت...... میں بھی ایک عام انسان ہوں بھائی یہاں جنگل میں پڑا ہوں بستیوں سے دور مگر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

یہاں جنگل والے...... یہاں بھی بستیاں ہیں اور بستیوں والوں کے دکھ درد بھی ......اور جب آپ ساتھ رہتے ہیں تو کچھ آپ سے امید رکھتے ہیں اور کچھ سے آپ......" سید صاحب جو کہہ رہے تھے دونوں میاں بیوی کے لیے کافی مبہم تھا...... صولت جہاں کے ساتھ تو اب تک جتنے واقعات گزرے تھے اُن کی روشنی میں وہ کچھ سمجھ رہی تھیں مگر حسن شیرازی ان سے ہٹ کر سوچ رکھتے تھے۔

وہ ایسی تمام باتوں کو عورتوں کا وہم سمجھتے تھے مگر کل سے اب تک انہیں جس طرح یہاں بلوایا گیا اور بڑے ابا کی باتیں اُن کی سوچ کو کافی حد تک بدل رہی تھیں کیونکہ ایسا بھی ہرگز نہیں تھا کہ وہ ان باتوں کو بالکل ہی نہ مانتے ہوں۔

"جنگل میں بستیاں بڑے ابا......" حسن شیرازی کے لہجے میں حیرت پنہاں تھی۔

"ہاں حسن بستیاں ہیں' رہن سہن دکھ درد سب ہے اپنے قوانین اپنی روایات' اپنے موسم کیا نہیں ہے ہاں البتہ عام انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ہم اللہ کو مانتے ہیں تم اللہ کو مانتے ہو اپنے خالق پر کامل یقین رکھتے ہیں حالانکہ ہم نے اُسے نہیں دیکھا۔"

"بالکل بڑے ابا بے شک ایسا ہی ہے۔" حسن شیرازی نے کہا۔

"بس تو جس مالک و خالق پر بغیر دیکھے یقین رکھتے ہو اس نے کیا سمجھتے ہو بس یہی دنیا بنا ڈالی ہے؟" بڑے ابا نے سوال اٹھایا۔

"نہیں ہماری دنیا کے علاوہ بہت کچھ ہے کائنات میں چاند' سورج' ستارے' سیارے ہمارا ایک نظام شمسی ہے چاند پر پہنچ چکے ہیں مریخ پر زندگی کے آثار تلاش کر چکے ہیں ہمارے سائنسدان تحقیقات میں لگے ہیں۔"

"ہاں......" بڑے ابا نے کہا۔

"مگر یہ سب بنا کے ایسے نہیں چھوڑ دیے اس نے کیا سمجھتے ہو جب وہ کچھ بناتا ہے تو اسے دیکھنے والا بھی بناتا ہے غور و فکر کرنے والا بھی کائنات تخلیق کی تو اس میں رہنے والے دیکھنے والے بھی بنائے اس نے انسانوں کی شکل میں' جنات کی صورت اور بھی اس کی مخلوق ہیں ان سب کے لیے بنائی ہے یہ کائنات جو تم دیکھ سکتے ہو وہ بھی اور جو نگاہوں سے اوجھل مخلوق ہے وہ بھی سب بستے ہیں ہمارے اردگرد سب کی بستیاں ہیں انسانی نظر محدود ہے غور و فکر نہیں کرتا سوچتا نہیں ہے اور جب آدمی سوچتا ہے تو چیزیں وجود میں آنے لگتیں ہیں۔" خالق کائنات نے وہ وجود پہلے سے ہی 'موجود' رکھا ہوتا ہے' مگر غور و فکر کرنے والے ذہن کے لیے۔ 'موجود' تفکر کے ذریعے ہمارے خیال کی گرفت میں آجاتا ہے اس کائنات میں جتنی بھی مخلوق ہے اس کے دماغ ایک دوسرے سے خیال کی لہروں سے جڑے ہوئے ہیں اَن دیکھا کنکشن ہے یہ مگر یہ رابطہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انسان اپنے دماغ کا دس فیصد بھی استعمال نہیں کرتا...... مگر جو شخص تفکر کرتا ہے اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے۔ وہ اس کائنات میں بسی مخلوقات سے رابطہ کر لیتا ہے ایک تربیت یافتہ ذہن ہی رابطہ کر پاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اگر ہمارے ساتھ اردگرد بستی کوئی مخلوق خود چاہے تو اپنی موجودگی کا پتہ دے سکتی ہے۔ مخصوص حالتوں میں ہوتا ہے ایسا اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے مگر ہوتا ہے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''اور یہی تمہارے ساتھ تمہارے گھر میں ہوا ہے......'' سید صاحب نے صولت جہاں کی طرف دیکھا۔

''کائنات میں بستی ایک مخلوق نے تم سے رابطہ کرنا چاہا کر بھی لیا...... جو خواب تم نے دیکھا تھا صولت وہ سچ ہے۔ بڑے ابا نے ان کے خواب کا ذکر کیا۔

''بڑے ابا آپ میرے خواب کے متعلق......'' صولت جہاں کی بات ادھوری رہ گئی سید صاحب نے زیرلب تبسم کے ساتھ کہا۔

''جانتے ہیں تمہارے خواب کے متعلق...... تمہیں اپنا پورا خواب یاد ہے صولت......'' بڑے ابا نے سوال کیا۔

''جی بڑے ابا......''

''یقیناً حسن میاں کو تو نہیں سنایا ہوگا...... اُن کے سامنے ذرا اپنا خواب سناؤ......'' بڑے ابا نے صولت جہاں سے کہا۔

تو وہ اپنا خواب سنانے لگیں، کہیں کہیں رک بھی گئیں۔ جہاں وہ رکتیں بڑے ابا...... اُن کا جملہ مکمل کر دیتے۔ جب وہ پری پر رکیں تو ایسا لگا جیسے ہر شے ساکت ہوگئی ہو...... وقت تھم گیا ہو جیسے 'پری ہیں آپ' یہ ہی کہا تھا میں نے...... پھر آنکھ کھل گئی۔

حسن شیرازی نے پہلی بار صولت جہاں کی بات اتنی تفصیل اور آرام سے سنی تھی۔ اُن کے گھر میں اتنا سب کچھ ہو رہا تھا اور انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ صولت اکیلے ان تمام واقعات و حالات کا سامنا کر رہی تھیں......

''بس صولت...... اب بھائی آپ لوگ میری بات دھیان سے سنیں۔'' سید صاحب نے صولت جہاں کو وہیں روک دیا اور اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''اللہ کی ایک مخلوق نے آپ سے رابطہ کیا ہے رابطہ کی نوعیت بہت انوکھی ہے۔ مخلوق بہت معصوم ہے ہرگز آپ کو یا املتاس کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اس کا کوئی قصور بھی نہیں ہے وہ خود اپنی دنیا کے قوانین اور روایات کی پاسدار ہے۔ یہ قسمت کا ایک چکر ہے جو آپ پر آ کر رُکا ہے۔'' یہ کہہ کر سید صاحب نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک قدیم سی کتاب کے درمیان نفاست سے تہہ کیا سنہری کاغذ نکالا...... اور صولت جہاں کی طرف بڑھایا۔

''یہ گھر لے جا کر پڑھنا...... کچھ باتیں اور ہدایات اس میں درج کی ہیں ہم نے...... کچھ ہم یہاں بتائیں گے۔ بات املتاس کے درخت سے شروع ہوتی ہے۔ حسن وہ درخت تمہارے پلاٹ پر موجود تھا؟''

''جی بڑے ابا......'' حسن شیرازی نے کہا۔

''تم نے ایک بات بہت اچھی کی درخت کٹوایا نہیں...... دوسرا تم نے گھر میں لے لیا...... اگر تم اسے باہر چھوڑ دیتے مگر تم باہر کیسے چھوڑتے وہ قدرے درمیان میں تھا۔'' سید صاحب نے خود سوال کا جواب دیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

املتاس کے درخت پر ان خوبصورت پیلے پھولوں کی وجہ سے وہ آتی تھی۔ پیلے پھول اس کی ضرورت بھی تھے یہ سب اس سنہرے کاغذ میں درج ہے جب تم پڑھو گی تو ہم سے بات کرتے رہنا......"

"اب وہ درخت تمہارے گھر میں شامل ہو گیا سب سے پہلے تو تم نے اس پر انجانے میں احسان کر دیا درخت کٹوایا نہیں...... دوسرا اس درخت کو نہیں تم نے 'اُس' کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی۔ بات یہیں تک رہتی مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا......تم محض تین دن کی بچی لے کر اس گھر میں داخل ہوئیں۔ "

"تم لوگ جانتے نہیں کہ تمہاری بچی ایک مخصوص وقت میں پیدا ہوئی ہے کائنات کے خالق نے اسے جس مخصوص وقت میں اس دنیا میں بھیجا۔ وہ نظام شمسی کے تحت آنے والے وقتوں میں انتہائی سعد اور غیر ماورائی قوتوں کے حصول کے لیے بہت کار آمد ہے' بچی کی قسمت اچھی ہے اس پر نظر پڑی تو ایک معصوم مخلوق کی ...... ورنہ اگر کسی شری بد بخت مخلوق کی نظر پڑ جاتی تو بہت مشکلات میں گھر سکتے تھے تم لوگ......"

"جب تم نے اس گھر میں قدم رکھا تو وہ وہاں موجود تھی تم نے املتاس کے پھول صحن میں بکھرے دیکھے بچی پر ٹوٹ کر برستے دیکھے؟" سید صاحب نے صولت جہاں سے سوال کیا۔

"جی بڑے ابا......"

"اور تم نے فوراً اُس کا نام املتاس رکھ دیا...... بغیر سوچے اور سمجھے......؟ یہ بے احتیاطیاں انسان کر جاتا ہے اس لیے کہ تفکر کی عادت نہیں ہے۔ ساری بات کو وہم کہہ کر جھاڑ دینا بھی کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اب تم نے نام رکھ دیا...... اب یہ بچی املتاس ہے...... وہ جو پہلے ہی اپنی دنیا کی ایک ایک روایت کی پاسداری کے لیے کوشاں تھی اس کی نجات اسی میں تھی اس کے سامنے تم نے مجسم املتاس کر دی۔"

"وہ تو املتاس کے پھول لینے آتی تھی۔" سید صاحب بات کرتے کرتے رُک گئے۔ صولت جہاں کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا حسن شیرازی کی حالت بھی ان سے الگ نہ تھی۔ سید صاحب چند سیکنڈ ان کی طرف دیکھتے رہے اور ساتھ رکھی تپائی سے مشروب کے لمبے لمبے گلاس اُٹھا کر دونوں کے سامنے کر دیے۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے پہلے بتا چکے ہیں بھائی یہ لو پی لو......" رات کے اس پہر تپائی پر مشروب رکھ کر کون گیا اس سے انہیں اس وقت کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے بغیر کسی بات کیے گلاس پکڑ لیے اور مشروب پینے لگے۔ قہوے کی طرح مشروب بھی انتہائی خوشبودار اور فرحت بخش تھا۔ اس کی ضرورت بھی تھی انہیں...... مشروب نے ان کے اعصاب پر بہت خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے پیدا ہونے والی فکر کی لہریں معدوم ہو کر ختم ہو گئیں تھیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں تھیں۔

"امید ہے بہتر محسوس کر رہے ہوں گے۔" سید صاحب نے بات کا ٹوٹا سلسلہ جوڑتے ہوئے کہا۔ املتاس کے پھولوں کی اسے ضرورت ہے اور تمہاری املتاس سے اسے بے انتہا پیار اب دونوں ہی اس کی زندگی کے لیے لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔

(جاری ہے)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دنیا میں کس جگہ

دوشیزہ

کے چرچے نہیں

آپ دوشیزہ کے خریدار بنیں کسی ملک کو

زرِمبادلہ بھیجیے

اندرون ملک =/1000 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زرِ سالانہ

کویت	65امریکی ڈالرز	ایران	65امریکی ڈالرز
سعودی عرب	65امریکی ڈالرز	سری لنکا	65امریکی ڈالرز
یو اے ای	65امریکی ڈالرز	جاپان	65امریکی ڈالرز
مصر	65امریکی ڈالرز	لیبیا	65امریکی ڈالرز
یونان	65امریکی ڈالرز	ڈنمارک	65امریکی ڈالرز
فرانس	65امریکی ڈالرز	جرمنی	65امریکی ڈالرز
برطانیہ	65امریکی ڈالرز	ہالینڈ	65امریکی ڈالرز
ناروے	65امریکی ڈالرز	پولینڈ	65امریکی ڈالرز
امریکہ	75امریکی ڈالرز	کینیڈا	75امریکی ڈالرز
افریقہ	75امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	75امریکی ڈالرز

نمائندہ خصوصی

ساہیوال ڈویژن......عبدالغفار عابد......0333-6370659

قمبر / شہدادکوٹ......مور شاہد حسین......0301-2868143

آج ہی رابطہ کیجیے C-88 II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121 - 35893122

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نیا سلسلے وار ناول

ایک بہت ہی خاص منفرد موضوع پر دلچسپ تحریر

ریشم کے دھاگے

(قسط نمبر 5)

غیاث الدین غیاث کا خیال

تقاضہ وقت کا ہے یہ کہ لکھو
لکھیں گے ہم کہ ہم راقم ہوئے ہیں

روشانے سبعین مہاروی

''زمالہ...... تم یہاں کیسے...... اور یہ کون ہے؟'' معیز کو تحیر زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ارپنا نے استفسار کیا تو زمالہ بے اختیار سسک اٹھی۔ کئی آنسو آنکھوں کے کٹوروں سے یوں چھلکے' جیسے درد کے سمندر میں غرقاب ہونے کو بے قرار ہوں۔

''ارپنا دیدی......'' زمالہ بے اختیار ہو کر فوراً ارپنا کے گلے لگ گئی۔ کتنا اپنائیت بھرا احساس تھا۔ دیدی کے گزر جانے کے بعد کتنے سالوں بعد وہ ارپنا سے مل رہی تھی۔

پرانے زخم بھی گویا اُدھڑنے لگے۔

گردیپ دیدی کی یادوں کی امر بیل اُس کے من کے سوکھے شجر تیزی سے اپنے شکنجے میں کسنے لگی۔ تو اُس کی سانسیں جیسے گھٹ کے رہ گئیں۔

گردیپ دیدی کے جانے کے بعد اُس کے اندر سوکھے' پڑ گئے تھے جس بنجر پنے کو جڑ سے اکھاڑنے کے بعد اُس کے دل کی زمین پر معیز خان نے اپنی چاہت کی آبادکاریاں کی تھیں' پر آج ارپنا دیدی کو دیکھ کر اُسے پرانے درد پھر سے توڑنے لگے تھے۔

ارپنا اور گردیپ بچپن کی سکھیاں تھیں۔

گردیپ کی بے وقت موت نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ارپنا شادی کے بعد مانچسٹر شفٹ کر گئی تھی۔ سو سارے رابطے منقطع ہو گئے اور اتنے سالوں بعد اُسے اپنے سامنے دیکھ کر زمالہ خود پر سے اختیار کھو بیٹھی تھی۔

''دو پگلی یوں کاہے کو رو رہی ہے؟'' ارپنا نے محبت سے اُس کی پیٹھ سہلائی اور ایک گہری نگاہ معیز کے بیڈ پر پڑے نیم جان وجود پر ڈالنے کے بعد جانچتی نظروں سے زمالہ کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر دردِ عشق کی گہری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چھاپ تھی۔ اُس کی زیرک نگاہیں بنا کوئی سوال جواب کیے بہت کچھ سمجھ گئیں۔

''اوئے چھٹکی...... کیا تو بھی......؟'' اُس نے شکوہ کناں نظروں سے نرمالہ کو دیکھا' تو وہ نظریں چرانے لگی۔

''کون ہے یہ...... سچ سچ بتا؟'' معیز خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارپنا قدرے آہستگی سے بولی۔

اُسے گردیپ کی دردناک موت پوری جزیات سے یاد آنے لگی' تو بے اختیار ایک جھرجھری سی آ گئی۔

''میرا دوست ہے دیدی......'' کمزور سی آواز میں نرمالہ نے جواب دیا۔ جرم محبت کی مرتکب ہوئی تھی تو اب چھپانے سے کیا حاصل؟

''صرف دوست......؟'' ارپنا نے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''میرے ساتھ آ......'' ارپنا نے دھیرے سے اُس کا ہاتھ تھاما تو نرمالہ نے ایک نظر سوئے ہوئے معیز خان پر ڈالی اور اُس کے ساتھ ہولی۔

''گردیپ کی طرح تُو نے بھی اپنے لیے ایک مشکل راستہ چن لیا۔'' ارپنا بوجھل اور آبدیدہ لہجے میں بولی۔

''میں نے بچنے کی بہت کوشش کی دیدی' پر پتہ ہی نہیں چلا کب معیز خان کا عشق میرے لہو میں حلول کر گیا۔'' ہاسپٹل کے احاطے میں ایک سنگی بینچ پر ہاتھ گود میں دھیرے وہ بے بسی سے بولی تو اُس کا لہجہ درد کی آنچ سے دہک رہا تھا۔

''معیز خان......'' ارپنا کو لگا دھڑا دھڑ کئی عمارتیں اُس کے پورے وجود پر ایک ساتھ گر گئی ہوں۔

''Oh My God...... معیز خان...... is He Muslim......'' وہ دکھ آمیز حیرت سے بولی۔

اُس کے چہرے مہرے اور بے پناہ گوری رنگت سے اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ وہ اُن کی کمیونٹی کا نہیں ہے۔ وہ گمان کر رہی تھی کہ شاید وہ کوئی Polish ہو' لیکن وہ مسلمان ہوگا' اُس نے سوچا تک نہ تھا۔

''محبت ذات پات اور دھرم سے بالاتر ہوتی ہے ارپنا دیدی...... محبت کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا...... محبت بس محبت ہوتی ہے۔'' اُس کے لہجے کی دبی دبی بغاوت ارپنا کو خوفزدہ کر گئی۔

''یہ باتیں...... یہ سب تو میری سماعتیں پہلے بھی سن چکی ہیں۔'' اُس نے اپنا سر جھٹکا۔ اُسے شدتوں سے گردیپ یاد آ گئی۔ اُسے لگا وہ ایک بار پھر اُس کے روبرو بیٹھی اپنا حالِ دل اُس پر عیاں کر رہی ہے۔

''Are You Mad تم کسی مسلمان سے محبت کیسے کر سکتی ہو؟'' اُس نے بازوؤں سے پکڑ کر نرمالہ کو جھنجھوڑ دیا۔

''بھول گئی تم کہ تمہاری بہن نے بھی یہی غلطی کی تھی...... اُس کی دردناک موت...... اُس کا تڑپ تڑپ کر اپنی جان دینا سب کیسے بھول گئی تم......؟'' وہ سخت خوفزدہ تھیں۔

''کچھ نہیں بھولی میں دیدی...... جانتی ہوں' میں جن رستوں پر نکل کھڑی ہوئی ہوں' وہاں شاید ہر موڑ پر صرف تباہی اور موت کی وحشتیں ہیں...... پر اِس سارے کھیل کی ڈوریاں تو اوپر والے کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم تو صرف کٹھ پتلیاں ہیں......'' نرمالہ کرب سے بولی۔ تو ارپنا بے اختیار اُسے ساتھ لپٹا کر آبدیدہ ہو گئی۔

''اور...... تیرے باؤجی...... انہیں خبر ہے کہ تو معیز کے ساتھ؟'' اب کی بار ارپنا جھجک گئی کہ شاید وہ بہت زیادہ ہی پرسنل ہو رہی تھی۔

''نہیں...... دیدی کے بعد وہ میرے لیے بہت حساس ہو گئے ہیں۔ میں خود میں اتنا حوصلہ نہیں پا رہی کہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انہیں بتاؤں...... پتہ نہیں وہ سہہ پائیں گے یا نہیں...... لیکن معیز سے جدائی میں سہہ نہیں پاؤں گی۔ مرجاؤں گی اُس کے بنا۔" وہ سخت کشمکش میں گھری اذیتوں کا شکار تھی۔

"تو چنتا نہ کر...... بھگوان تیری رکھشا کریں گے پگلی...... اور یہ مرنے ورنے کی باتیں مت کر۔" ارپنا نے اوپرے دل سے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"Thanks For The Concern" زرمالہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہا۔

"ارے باتوں باتوں میں یہ پوچھنا تو بھول ہی گئی کہ آپ یہاں ہاسپٹل میں کیا کر رہی ہیں؟ اور جیجا جی کیسے ہیں؟" اب زرمالہ خود کو کافی حد تک کمپوز کر چکی تھی۔

"تمہارے جیجو اچھے ہیں...... میں ممی پاپا سے ملنے آئی تھی' یہاں آ کر پتہ چلا کہ گڈ نیوز ہے۔ یہاں ہاسپٹل میں گائناکالوجسٹ کے ساتھ میری اپائنٹمنٹ تھی' گزرتے ہوئے گلاس وال سے تم پر نظر پڑی' تو رک گئی کہ تو ہماری چھٹکی ہے۔" محبت سے کہتے ہوئے وہ کچھ Shy فیل کر رہی تھی۔

"Aww Good News...... واؤ Congrats Didi۔" زرمالہ نے گرم جوشی سے ارپنا کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

"تھینکس...... اچھا اب چلتی ہوں۔ ڈاکٹر کو بھی کنسلٹ کرنا ہے۔ یہ میرا نمبر رکھ لے...... پھر ملتے ہیں۔" ارپنا نے اپنا کارڈ زرمالہ کی طرف بڑھایا۔

"اپنا خیال رکھنا دیدی......" زرمالہ دھیرے سے اُس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولی۔ تو اُس کی اپنائیت پر ارپنا کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

آدم خان جونہی ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوئے اُن کی نظر زرین گل پر پڑیں جو غصے سے چلا رہی تھیں۔ آدم خان نے شاید ہی انہیں کبھی زندگی میں ایسے شدید ری ایکٹ کرتے دیکھا تھا' اُن کے لیے زرین گل کا یہ انداز ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھا' وہ تیزی سے اُن کی طرف بڑھے۔

"زرین...... خود کو سنبھالو پلیز...... تمہاری صحت کے لیے یوں غصہ کرنا مناسب نہیں' پلیز......" آدم خان نے بے اختیار انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آدم خان...... آپ...... !آپ آ گئے...... آپ کہاں چلے گئے تھے۔" وہ لڑکھڑاتی زبان میں کہتے ہوئے اُن کے سینے پر سر رکھ کر شدت سے رو دیں۔ وہ بالکل بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھیں۔

"میں آ گیا ہوں ناں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تم یہ رونا بند کرو' اور خود کو سنبھالو۔" آدم خان انتہائی محبت سے اُن کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے ناصحانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

آدم خان کی آمد پر خانم نے دل ہی دل میں کلمہ شکر ادا کیا' ورنہ زرین گل کی دگرگوں حالت اُن کے ہاتھ پیر ٹھنڈے کر رہی تھی۔

"خان...... بی بی گل امارے کنٹرول سے باہر ہو رہا تھا...... شکر خدا کا تم آ گیا۔ ورنہ ہم اکیلا خانہ خراب کا بچہ اس کو کیسے سنبھالتا۔" خانم روہانسی ہو کر مقامی لب و لہجے میں آدم خان سے شکوہ کرنے لگی۔

"خانم...... آپ بھی حوصلہ رکھیں...... میں آ گیا ہوں ناں...... اب سب ہینڈل کر لوں گا۔" آدم خان نے نرمی سے کہا۔ وہ جان گئے تھے کہ اپنوں کے لیے اب انہیں ہر محاذ پر تنہا ہی لڑنا ہوگا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"آدم خان...... میرا بچہ، میرا تیمور کیسا ہے اب...... کہاں ہے وہ؟ مجھے میرے بیٹے سے ملنا ہے۔ ابھی اسی وقت۔" زرین گل کی ہیجانی کیفیت آدم خان کی موجودگی میں قدرے کم ہوگئی تھی، لیکن وہ ہنوز اُسی اذیت ناک لمحے کی قید میں تھیں، جب انہیں یہ مژدہ سنایا گیا تھا کہ اُن کا لختِ جگر زندگی اور موت کی کشمکش میں جھول رہا ہے۔

"زرین گل...... تمہارے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔ میں اُسے کچھ ہونے ہی نہیں دوں گا' ٹرسٹ می۔" وہ اُن کا ہاتھ تھام کر رسانیت سے بولے۔

"یہ لوگ مجھے میرے تیمور سے ملنے نہیں دے رہے۔" بے بسی سے زرین گل نے قریب کھڑی نرس کی طرف اشارہ کیا۔ جو انہیں انجکشن دینے کے لیے پاس کھڑے آدم خان کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"زرین گل...... تمہیں مجھ پر بھروسہ رکھنا ہوگا۔ میں خود تمہیں تیمور کے پاس لے کر جاؤں گا...... لیکن اس سے پہلے تمہیں خود کو نارمل کرنا ہوگا۔" اب کے اُن کا تنبیہی لہجہ قدرے سختی لیے ہوئے تھا۔

"نہیں...... مجھے کسی پر بھروسہ نہیں...... میں ابھی اپنے بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ وہ مجھے بلا رہا ہے...... اُسے میری ضرورت ہے۔" غائب دماغی سے کہتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھیں' اور ہاتھ پر لگی ڈرپ ایک جھٹکے سے اُتار کر دور پھینکی۔

"بی بی زرین گل...... تم کو خدا کا واسطہ ہوش میں آؤ۔" اُن کے ہاتھ سے ٹپکتے لہو کے قطرے دیکھ کر خانم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر تیزی سے اُن کی طرف بڑھیں۔

"زرین! یہ کیا پاگل پن ہے۔ ریلیکس ہو جاؤ۔" آدم خان نے بدحواس ہو کر زرین گل کی طرف انجکشن لے کر بڑھتی نرس کو آنکھ کے اشارے سے روکا' اور فوراً اُن کی طرف لپکے۔

"زرین! میرے لیے مزید مشکلیں کھڑی مت کرو...... اور میرا ساتھ دو...... تیمور صرف تمہارا نہیں میرا بھی بیٹا ہے۔" انہیں بانہوں سے پکڑ کر بری طرح جھنجوڑتے ہوئے وہ سختی سے بولے۔

خان کو یوں غضب ناک دیکھ کر خانم سہم کر اپنی جگہ پر رک گئی اور زرین گل کے قدم بھی جیسے وہیں ٹھہر گئے۔ اُن کی طرف سے اب کی بار کوئی مزاحمت نہ پا کر آدم خان نے بے اختیار انہیں خود سے لگا لیا۔ وہ بری طرح ٹوٹ گئی تھیں۔ اُن کے سینے سے لگ کر وہ بے آواز آنسوؤں سے رونے لگیں اور اسی دوران زمین یکایک ہلنے لگی۔ زرین گل اپنا رونا بھول کر اِس نئی افتاد پر گھبرا گئیں۔ اور آدم خان کے بازو کو سختی سے دبوچ لیا۔ آدم خان اور خانم بھی اپنی جگہ پر جیسے تھم سے گئے۔ سوات' مینگورہ میں زلزلے کے ایسے جھٹکے کوئی انہونی بات نہیں تھی' لیکن اِس وقت یہ بالکل غیر متوقع تھے۔

"پریشے...... پریشے کہاں ہے؟" وہ متوحش ہو کر آدم خان کی طرف دیکھ کر بولیں اور اِس کشیدہ صورت حال میں بھی اُن کی نگاہ جیسے ٹھہر گئی۔

"آپ کا چہرہ...... یہ...... یہ کیسے زخمی ہو گیا...... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" تیمور کی خبر نے اُن کے حواس اِس بری طرح سے معطل کیے تھے کہ وہ اپنے ہوش کھو بیٹھی تھیں' اور اِس دوران ایک بار پھر اُن کی نظر آدم خان کے چہرے پر نہیں پڑی تھیں' لیکن قریب آنے پر جونہی انہیں احساس ہوا کہ وہ زخمی ہیں' تو تڑپ کر رہ گئیں۔

آدم خان کا چہرہ کانچ کی کرچیاں لگنے سے زخمی ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُن کے زخم صاف کرنے کے بعد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فرسٹ ایڈ ٹریٹمنٹ دے دیا تھا' لیکن اُس کے اصرار کے باوجود انہوں نے ایڈمٹ ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر چہ اب بھی وہ شدید درد میں تھے' اس پر مستزاد ہائی لیول کی اسٹریس' کنڈیشن نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ چہرے کی رنگت بھی زرد پڑ رہی تھی۔ زرین گل شدید پریشانی اور تفکر سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''پریشان مت ہو...... میں بالکل ٹھیک ہوں...... میری فکر مت کرو۔'' وہ گھمبیر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے۔

زمین ایک بار پھر تھرتھرائی۔

''او...... امارے خدا...... رحم......'' خانم بوکھلا کر کرسی پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھیں۔

''شش...... وہیں رک جائیں...... اپنی جگہ سے مت ہلیں۔'' آدم خان نے انہیں تادیبی نظروں سے گھورتے ہوئے تنبیہ کی۔

''اور یہ واردات صرف لمحوں کی تھی...... زمین یوں شانت ہوگئی' جیسے اپنے اندر صدیوں کی خاموشی اور ٹھہراؤ لیے ہوئے ہو۔

''خانم...... آپ زرین گل کو سنبھالیں...... میں پریشے اور معید کی کچھ خبر لوں۔'' وہ پریشان سی زرین گل کو خانم کے حوالے کرتے ہوئے تیزی سے باہر کی طرف لپکے اور دروازہ عبور کرتے ہی سامنے کوریڈور میں اُن کی نظر پریشے اور معید پر پڑی تو لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اُن کی طرف بڑھے۔

''کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟'' وہ متفکر زدہ انداز میں بولے۔

''ڈونٹ وری عم جان...... ہم ٹھیک ہیں' بس پریشے ذرا گھبرا گئی تھی۔'' معید نظروں ہی نظروں میں پریشے کو تسلی دیتا ہوا آدم خان سے گویا ہوا۔

''کیسا زوردار جھٹکا لگا ہے زلزلے کا؟'' آدم خان کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

''بابا...... آپ کا چہرہ......'' پریشے نے یکدم اُن کی بات کاٹی تیموری پریشانی میں وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ یہ دیکھ ہی نہیں سکی کہ اُن کا چہرہ زخمی تھا' جس پر اب ہلکی ہلکی سوزش بھی نمایاں تھی۔

''ہاں بیٹا اُس حادثے میں گلاس پیسز لگنے کی وجہ سے میرا چہرہ کچھ زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے مجھے ٹریٹمنٹ دے دیا ہے۔ اب قدرے بہتر ہوں۔'' انہوں نے محبت سے اُس کا گال تھپک کر کہا۔ تو اُس کے چہرے پر درد کے بادل مزید گہرے ہو گئے۔ بابا کے لیے وہ بے حد حساس تھی۔ اُن میں اُس کی جان بستی تھی۔

''میں کیوں دیکھ نہیں سکی؟'' وہ دکھ سے بولی۔

آدم خان بے بسی سے معید کو دیکھ کر رہ گئے۔

''وہاں OT کے سامنے لائٹس ڈم تھیں پری...... اور ویسے بھی ڈاکٹر نے اِن کے زخموں پر میڈیسن لگائی ہوئی تھی۔ شاید تم اس لیے نہیں دیکھ پائی ہو گی...... لیکن اب تو عم جان بھلے چنگے تمہارے سامنے ہیں ناں؟'' معید نے آگے بڑھ کر معاملہ سنبھالا تو آدم خان نے متفکرانہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

پری نے بس ایک خاموش نظر سے بابا کو دیکھا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔ معید اور آدم خان بھی اُس کی تقلید میں آگے بڑھے۔

خانم نے زرین گل کو آہستگی سے تھام کر بیڈ پر لٹا دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گئی تھیں حتیٰ کہ جب نرس نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انہیں انجکشن دیا تب بھی انہوں نے کوئی ری ایکٹ نہیں کیا۔ خانم نے دیکھا اُن کے آنسو خاموشی سے بہتے ہوئے ریشمی بالوں میں گم ہو رہے تھے۔

اُن کا آشیانہ کیسے لمحوں میں بکھرا تھا......! خانم دل مسوس کر رہ گئیں۔

"پریشے...... میری بیٹی...... تم کہاں تھیں؟" پریشے کو دیکھ کر انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"اماں...... پلیز لیٹی رہیں...... کیسا فیل کر رہی ہیں اب آپ؟ میں ڈاکٹر سے کچھ ڈسکس کرنے گئی تھی۔ آپ کو روم میں شفٹ کرنا پڑے گا۔

"According To Him" آپ کو 24 گھنٹے ابھی انڈر آبزرویشن رکھنا ہوگا۔" وہ خود ڈاکٹر تھیں، اُن سے کچھ بھی چھپانا عبث تھا، سوپری نے اُن کے چہرے پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے صاف بتایا۔

"بیٹا اس ہاسپٹل میں مزید بیمار ہو جاؤں گی۔ میں یہاں نہیں رُک سکتی۔" وہ بے زاری سے بولیں۔

"چچی جان! آپ ہم سب کے لیے بہت امپورٹنٹ ہیں۔ آپ کو کوئی ہیلتھ ایشوز نہ ہوں اس کے لیے ہمیں ڈاکٹر کی ہدایات کو فالو کرنا ہی ہوگا۔" اگرچہ وہ خود ڈاکٹر تھیں لیکن اِس وقت وہ ایموشنلی بہت کمزور پڑ رہی تھیں۔

سومعید نے آگے بڑھ کر محبت سے اُن کا ہاتھ تھام کر سمجھایا، تو انہوں نے محض سر ہلا کر اپنی رضامندی دی۔

وہ کافی حد تک نارمل بی ہیو کر رہی تھیں۔ پریشے کے دل میں سکون کی ایک لہر اتر گئی۔ اُس نے بغور معید خان کی طرف دیکھا لیکن وہ ذرا بھی اُس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

معاً عبدالحئی اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔

زرین گل اور پریشے کو دیکھ کر اُس کی نگاہ گویا زمین سے چپک گئی۔ آدم خان اُسے دیکھ کر چونک گئے۔

عبدالحئی اُن کا خاص آدمی تھا۔ اُن کا سب سے پرانا اور قابل بھروسہ محافظ۔

"عبدالحئی......" آدم خان نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"بڑا صاب...... آپ سے کچھ بات کرنا ہے ام کو......" عبدالحئی آدم خان کی طرف جھک کر قدرے آہستگی سے بولا۔

"تیمور کو تنہا چھوڑ کر تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تیمور کو ابھی بھی خطرہ ہے، ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہونا۔" وہ سخت لہجے میں عبدالحئی سے مخاطب تھے۔

عبدالحئی کو بھی معاملے کی سنگینی کا احساس تھا۔ لیکن ابھی تک وہ یہ معمہ حل نہیں کر پایا تھا کہ اس حادثے کے پیچھے کونسی وجوہات تھیں اور آدم خان کی غیر معمولی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے وہ اُن سے استفسار کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔

"خان ساب...... ام نے اپنے آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ آپریشن تھیٹر کے سامنے کڑی نگرانی رکھو۔" وہ مودب لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن سادہ لباس میں کچھ آدمی اسپتال کے باہر بھی تعینات کر دو۔" اُن کا لہجہ دھیما لیکن تحکمانہ تھا۔

اسپتال میں دھمکی آمیز کال ریسیو کرنے کے بعد وہ از خود محتاط ہو گئے تھے، سو زرین گل کی خبر گیری کے لیے آنے سے پہلے وہ عبدالحئی کو ساری حفاظتی ہدایات دے چکے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

معید سخت متذبذب سا عم جان کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔

''جی صاب! ام ابھی کچھ اور گارڈز کو سیکیورٹی کے لیے بلا لیتا ہے لیکن بڑے صاب...... ہمیں تیمور بابا کے لیے بلڈ ارینج کرنا ہوگا۔ اسی واسطے ام آپ کو بتانے کے لیے یہاں آیا تھا۔'' عبدالحیٰ مودبانہ انداز میں بولا۔

''پری بیٹا...... تم خانم کے ساتھ مل کر اپنی اماں کو روم میں شفٹ کرو میں اور معید تیمور کے لیے بلڈ ارینج کرنے جا رہے ہیں۔'' آدم خان بیٹی کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ لب کچلتے ہوئے محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''آدم خان...... میرا تیمور؟'' زرین گل تیمور کے تذکرے پر پھر سے آبدیدہ ہو گئیں۔ شدتِ غم سے اُن کے لب پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

''زرین گل...... تمہارے بیٹے کا آپریشن چل رہا ہے...... ڈاکٹرز ہوپ فل ہیں اُس کے اردگرد تمہاری دعاؤں کا اتنا مضبوط حصار ہے کہ موت اُس تک آنے سے پہلے سو چار سوچے گی۔ ایک ماں کی شدتوں کے سامنے وہ بدنصیبی کے اُس حصار سے نکل آئے گا جو اُس کے مقدر کا حصہ نہیں ہے۔ بس تم امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے مت دینا'' وہ مضبوط لہجے میں اُن کی ڈھارس بندھاتے ہوئے بولے تو اُن کے اِس درجہ یقین پر زرین گل کا دل جیسے ٹھہر سا گیا۔ اُن کے وجود میں طلاطم زدہ ہیجان کو گویا سکوت نصیب ہوا۔ انہوں نے خاموشی سے آدم خان کا ہاتھ دبا کر انہیں اپنے ساتھ کی یقین دہائی کروائی۔

''معید خان...... تم میرے ساتھ آؤ......'' آدم خان نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ تو معید اور عبدالحیٰ بھی خاموشی سے اُن کی تقلید میں آگے بڑھ گئے۔

''معید تم نے آغا جان اور بی بی جان کو اطلاع دی۔ نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے آدم خان رک کر معید سے بولے۔

''عم جان...... میں کب سے ٹرائے کر رہا ہوں۔ لیکن آغا جان سے رابطہ ہی نہیں ہو پا رہا۔''

''ٹھیک ہے' تم ٹرائے کرتے رہنا ویسے بھی آج رات اُن کی واپسی کی فلائٹ ہے۔'' وہ تاکید کرتے ہوئے بولے۔

آغا جان اور بی بی جان عمرہ کی ادائیگی کے بعد آج گھر لوٹ رہے تھے' اِس بات سے بے خبر کہ یہاں ایک قیامت اُن کی منتظر تھی' دوسری طرف معیز خان کے بارے میں تو ویسے ہی وہ سب بے خبر تھے کہ تیمور کی طرح وہ بھی زندگی اور موت کی کشمکش میں جھول رہا تھا۔

موت کسی مکار شکاری کی طرح گھر کے دونوں بیٹوں کے تعاقب میں گھات لگائے ہوئے تھی۔

تقدیر نے دو ماؤں کے کلیجے پر وار کیا تھا۔

تیمور کو آپریشن تھیٹر میں گئے تین گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

آدم خان OT کے سامنے دم سادھے بالکل خاموشی سے بینچ پر بیٹھے تھے' جبکہ معید مضطرب سا اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

آخر آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا۔

آدم خان کی ہارٹ بیٹ مس ہو گئی۔ بے ربط دھڑکنوں نے جیسے انہیں اٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔

''ڈاکٹر صاحب میرا بھائی؟'' معید تیزی سے آگے بڑھ کر بے چینی سے بولا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''گولی اُن کے دل کے بے حد قریب لگی تھی' خون بہت بہہ گیا ہے' لیکن ایک میجر سرجری کے بعد ہم اُن کو بچانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ہاں' البتہ ابھی انہیں ہوش میں آنے میں وقت لگے گا۔'' ڈاکٹر نے معید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آدم خان اپنی جگہ پر سن سے بیٹھے تھے۔ دو آنسو اُن کی آنکھوں سے یوں گر کر زمین پر بکھرے' جیسے سجدہ شکر ادا کر رہے ہوں۔

''یا اللہ...... تیرا سکر...... تو نے میرے بیٹے کو زندگی بخش دی۔'' اُن کا روم روم شکر گزاری میں تھا۔

''عم جان...... ہمارا تیمور بچ گیا۔ چچی جان کی دعائیں اور آپ کا یقین جیت گیا۔'' معید خوشی سے بھرپور انداز میں اُن کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اُن کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا تھا۔

''ہاں بچہ...... ہم پر اللہ کا بہت کرم ہوا ہے۔'' وہ سرشاری سے بولے۔ تو لہجہ بھیگ گیا' آواز ڈبڈبا گئی۔

اب تک وہ سب کے سامنے مضبوط بنے ہوئے تھے۔ لیکن اب اُن کے ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔

''یار! عم جان...... اب جبکہ سب ٹھیک ہوگیا ہے تو آپ حوصلہ ہار بیٹھے ہیں۔ جسٹ ریلیکس۔'' وہ فوراً اپنی پرانی جون میں لوٹ آیا تھا۔ بے تکلفی سے کہتا ہوا بے اختیار اُن کے گلے لگ گیا تھا۔

''یہ تو شکر گزاری کے آنسو ہیں بچہ......'' انہوں نے بھی مشفقانہ انداز میں کہتے ہوئے اُس کی کمر پر تھپکی دی۔

''چھوٹا صاب! تیمور بابا کو ICU میں شفٹ کر رہے ہیں۔'' عبدالحیٰ نے تیمور کو آپریشن تھیٹر سے باہر نکلتے دیکھا تو لپک کر معید کے پاس آیا۔

''ہاں...... چلو...... میں آرہا ہوں۔'' معید فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''معید...... تم اور عبدالحیٰ کے ساتھ تیمور کی سکیورٹی کے انتظام کی کڑی نگرانی رکھو۔ میں تمہاری چچی جان کو آپریشن کی کامیابی کی خبر دے کر آتا ہوں۔'' معید کو تاکید کرتے ہوئے آدم خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ بے فکر ہو جائیں عم جان...... میرے ہوتے ہوئے تیمور کو کوئی گزند بھی نہیں پہنچا سکتا۔'' وہ مضبوط لب و لہجے میں بولا' تو آدم خان نے سرتاپا اُس کے صحت مند توانا وجود کو دیکھا۔ اُن کا سینہ بے اختیار تن گیا۔ اُن کے بچے اُن کا مان تھے۔

دل کے موسم آتش ہو رہے تھے۔

آگ کا اِک الاؤ تھا جو اُس کو دہکا رہا تھا۔ اُس کی لپٹوں میں وہ جل رہی تھی اور شعلے آسمان کا منہ چوم رہے تھے۔ بھٹیارن کی بھٹی پر دھری کڑاہی میں گرم گرم ریت پر بھنتی چھلی کی طرح وہ بھی عشق کی بھٹی میں بھن کر اپنے خدوخال کھو رہی تھی۔

کچھ بے ربط قصوں اور اَن کہی کہانیوں کا خراج اُس نے اپنی روح گروی رکھ کر دیا تھا۔

یہ کیسا عشق تھا؟

کوئی بجھارت سی تھی شاید......!

اُس کے آسمان کا سورج اُس سے ہمیشہ بے نیاز رہا۔

اور رات...... رات' کسی اجنبی مسافر کی طرح اُس کے دل کے سرائے میں ٹھہری گئی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رات‘ جو اپنے اندر کئی بھید لیے ہوئے تھی۔
اس کی دبیز تاریکیاں یہ بھید کبھی کھول نہ پائیں‘ کہ اُس کے قطب ستارے پر مقدر کا کالا سایہ لہرا گیا تھا۔ تبھی تو چاند نے اُس سے منہ پھیر لیا تھا اور جگنو سے ٹمٹماتے تارے بھی کئی کترا کر ایک ایک کر کے اُسے تنہا چھوڑ گئے تھے۔
’’اوہ...... وہ...... جو کیا کرتی...... کہ مجھے پورا آسمان چاہیے‘ سورج...... چاند اور تاروں سمیت...... اب سوچ رہی تھی کہ شاید میرے حصے کا آسمان کہیں کھو گیا ہے۔
سوچوں کے سلسلے لامتناہی تھے انہی بھول بھلیوں میں وہ گم صم سی تھی۔ گاڑی میں موجود باقی دونوں نفوس بھی ایک دوسرے سے کترائے کترائے بالکل خاموش تھے۔
گاڑی سبک خرامی سے سوات کے پُر پیچ راہوں پر گامزن تھی‘ اُس نے چور نگاہوں سے ممی کو دیکھا۔ اُن کے چہرے کے عضلات حد درجہ تناؤ لیے ہوئے تھے۔
مایوسی کے گھور اندھیارے کسی عفریت کی طرح اُس کے دل پر اپنے پنجے گاڑنے لگے۔
چپ کی بکل ماحول کی سرد مہری بڑھا رہی تھی۔
اس محبت میں اُس نے کیا پایا؟ مایوسیاں...... بے مہر لمحوں کے جاں گسل عذاب اور بنجر پنا......!
پھر کیسی مجبوری تھی...... جو وہ اِن یکطرفہ جذبوں کی پابند سلاسل ہو گئی تھی۔
بے بسی ہی بے بسی تھی۔
تہی دست ہونے کا احساس فروا کو مزید بے چین کر گیا۔
’’ممی......!‘‘ گھبراہٹ میں بے اختیار وہ سرک کر ماں کے قریب ہوئی اور اُن کا ہاتھ تھام لیا۔ گویا ڈوبتے دل کو سہارا دینا مقصود تھا۔
نور بیگم نے سخت نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے بے رخی سے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔
گویا وہ اُسے دھتکار رہی تھیں۔ کیا اُن کی ناراضگی اتنی شدت اختیار کر گئی تھی۔ اُس نے بے یقین نظروں سے انہیں دیکھا اور دو آنسو پھسل کر اُس کی خالی ہتھیلیوں پر آن گرے۔ ہمیشہ اُس کے ناز اٹھانے والی ماں اُس سے خفا ہو گئی تھی۔
’’کیا میں نے اپنی ماں کا بھروسہ توڑ دیا......‘‘ اپنی بنجر ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے فروا نے خود کو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کیا۔ تو کئی سوال منہ چڑاتے ہوئے اُس کے اردگرد ناچنے لگے۔
اُس نے سرمگیں متورم آنکھیں اٹھا کر زرمینے کو دیکھا۔ تو اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی درد کی پرچھائیں زرمینے کو رنجیدہ خاطر کر گئیں۔ وہ خوامخواہ فروا سے نظر چرا گئی۔
معصوم لڑکی اَن کہے جذبوں کا بوجھ ڈھوتی گاڑی کے شیشے کے پار تیزی سے بدلتے عکس دیکھنے لگی۔
اور سیدو شریف کا رستہ اذیت ناک طوالت اختیار کرتا گیا۔
معاً اُس کے فون کی بیپ بجی اسکرین پر چمکتا نمبر پریشے کا تھا نور بیگم نے کاٹ دار نظر فروا پر ڈالی اور رخ پھیر لیا۔

(جاری)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اٹھائیسواں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش۔

بہت جلد......

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے روایتی رنگ میں جلوہ گر ہوگی۔

"بس تھوڑا سا انتظار......"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انوکھا وعدہ

"تم لوگ کون ہو آخر۔؟ کیوں میری بچی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ اگر تم بھی ماں ہو تو کیوں ایک ماں کا درد نہیں سمجھ سکتی۔ کیوں ماں ہو کر ماں کے ساتھ کھیل رہی ہو؟ خدا کے واسطے میری بیٹی کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے آگے......

نزہت جبین ضیاء

ہمیں اس گھر میں آئے ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے۔ کراچی جیسے شہر میں کرائے کا گھر کا حصول انتہائی مشکل ترین کام تھا۔ یہ گھر ہر طرح سے اچھا تھا، مالک مکان پوش علاقے میں رہتے تھے اور ہر ماہ آ کر کرایہ وصول کرنے کا کہہ گئے تھے۔ سنا تھا کہ عرصہ دراز سے یہ گھر خالی تھا۔ سعود کو اچھا لگا تھا کہ اسکول اور مارکیٹ بھی قریب تھے۔ ہم جھٹ پٹ یہاں شفٹ ہوگئے تھے۔ محدود آمدنی کے ساتھ اس مہنگائی کے دور میں اخراجات اور پھر کرایہ افورڈ آسان نہ تھا۔ اتنے اچھے اور مناسب کرائے پر مل جانے والے گھر سے میں اور سعود دونوں ہی خوش تھے۔ میں نے عادتاً جلدی ہی گھر سیٹ کر لیا تھا۔ اب تو مجھے گھر شفٹ کرنے کی اتنی عادت پر پڑ گئی تھی لیے سیٹنگ کرنے میں ٹائم نہیں لگتا تھا۔ سعود ایک کمپنی میں ملازم تھے۔ ماں باپ نہیں تھے۔ ایک بہن تھیں جو شادی شدہ تھیں، اپنا گھر نہ ہونے کے باعث شادی کے سات سال تک ہم تین گھر بدل چکے تھے۔ اور اب یہ تیسرا گھر تھا۔

ہمیں اس گھر میں آئے چار دن ہی ہوئے تھے، چار دن تک تو سیٹنگ وغیرہ کی وجہ سے کھانے پینے پر کوئی خاص دھیان نہ دیا مگر آج میں نے سوچا کہ سعود کی پسند کا کھانا بناؤں گی۔ یہی سوچ کر میں نے دیگر کاموں سے فارغ ہو کر قریبی بازار جانے کا ارادہ کیا۔ سامعہ آج اسکول نہیں گئی تھی تو میں یہی سوچ رہی تھی کہ اسے اکیلے چھوڑ کر جاؤں یا ساتھ لے جاؤں۔ میں کھونٹی سے چادر اتار رہی تھی تو باہر گلی میں سے سبزی والے کی آواز آئی۔

ارے واہ! چلو سبزی گھر پر ہی لے لیتی ہوں، گوشت تو سعود لے آئے تھے۔ یہ سوچ کر میں نے دروازہ کھولا تو سبزی والا گیٹ کے سامنے سے ہی گزر رہا تھا۔

"بھائی مٹر کیا کلو ہیں؟"

میرے سوال پر وہ مڑا اور چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر گھر کو غور سے دیکھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کیا ہوا بھیا؟'' میں نے حیرانی سے اس سے سوال کیا۔

''کچھ نہیں باجی۔ سو روپے کلو ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''اچھا ایک کلو دے دو۔'' میں نے اس سے کہا۔ مٹر تول کر اس نے شاپر میں ڈالے۔

''آپ کب آئی جی اس گھر میں؟'' اس نے سوال کیا۔

''چار پانچ دن ہوئے ہیں۔ کیوں؟'' میں نے جواب دے کر سوال کیا۔ اس کا رویہ مشکوک سا تھا۔

''مما! مما!'' تب ہی سامعہ کی اندر سے چیخنے کی آواز آئی اور میں فوراً اندر کی جانب بھاگی۔ سامعہ اپنی کاپی دکھا کر رونے لگی۔

''مما یہ۔ پھٹ گئی۔''

''ارے بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ کیسے پھٹی؟'' میں نے مٹر کا شاپر وہیں رکھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ پیجز زور زور سے مت پلٹایا کرو۔''

''نہیں مما۔ میں نے نہیں پھاڑی۔ اس نے پھاڑی ہے۔'' وہ دیوار کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

''اس نے کس نے؟ بیٹا یہاں آپ اور میں ہیں بس۔ آپ سے پھٹ گیا ہوگا۔'' میں نے حیرانی سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مما۔ وہ۔ وہ۔ میرے جیسی بچی تھی، اس نے پھاڑی ہے۔ وہاں سے آئی تھی۔''

سامعہ کی بات پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

''اوہو بیٹا۔ وہاں کوئی نہیں ہے۔ چلو باہر آجاؤ ہم مٹر چھیلتے ہیں۔'' میں نے اسے گود میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اٹھا لیا لیکن سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ سامعہ نے کیا دیکھا تھا۔

گزشتہ چار دنوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جو غیر معمولی ہو۔ باہر آ کر سامعہ بھی نارمل ہو گئی، میں بھی کام میں لگ گئی۔ سامعہ بھی میرے ساتھ تھی۔ وہ ویسے ہی شرارتیں کرتی اور ہنستی مسکراتی میرے سامنے تھی، میں مطمئن ہو گئی۔

''ہو سکتا ہے کہ آنکھ لگ گئی ہو اور اس نے خواب میں دیکھا ہو۔'' رات کو جب سعود سے ذکر کیا تو انہوں نے مجھے مطمئن کر دیا۔

دو چار دن مزید آرام سے گزر گئے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ ہم لوگ مطمئن ہو گئے۔ سامعہ ہماری اکلوتی چار سال کی بیٹی تھی۔ جس کی پیدائش پر کچھ پیچیدگیاں ہونے کے باعث میں آگے ماں نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیے میرے اور سعود کی نگاہوں کا مرکز صرف سامعہ تھی جس میں ہم دونوں میاں بیوی کی جان اٹکی رہتی تھی۔ وہ تین سال کی ہوئی تو ہم نے اسے اسکول میں داخل کروا دیا۔

اسکول میں لائق اور ذہین ہونے کے باعث وہ ٹیچرز کی لاڈلی تھی۔

کچھ دن گزرے کہ ایک روز سامعہ کھیلتے کھیلتے اچانک چیخ چیخ کر رونے لگی۔

''اس بچی نے میری گڑیا چھین لی۔ اسے ماریں مما، وہ مجھے منہ چڑاتی ہے اور بال بھی نوچتی ہے۔''

''نہیں بیٹا کوئی بھی نہیں ہے۔ دیکھو کوئی نظر آ رہا ہے یہاں کیا؟'' میں اسے سینے سے لگا کر بولی۔

''مما وہ یہیں رہتی ہے۔ دیوار سے آتی ہے وہ۔ مجھے مار کر اور چیزیں توڑ کر چلی جاتی ہے۔''

سامعہ کی بات پر میں بُری طرح سے گھبرا گئی۔ خدانخواستہ گھر میں کوئی آسیب وغیرہ تو نہیں۔

''سعود مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کچھ کریں، سامعہ بہت ڈرنے لگی ہے۔'' میں نے رات کو پھر سعود کو دن کی روداد سنائی۔

''ارے بھئی! تم دن بھر الٹے سیدھے انڈین چینلز دیکھتی رہتی ہو ناں۔ آسیب اور جن بھوت والے۔ وہ ذہن میں رہ جاتے ہوں گے۔'' سعود نے ہمیشہ کی طرح میری بات کا جواب دیا۔

''ہاں شاید۔'' میں نے سوچا اور اس روز سے ٹی وی پر صرف خبریں اور کارٹون ہی چلنے لگے۔ سامعہ بھی اب نارمل ہو گئی تھی۔

''دیکھا میں کہتا تھا ناں کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعود نے کہا تو میں نے سر ہلایا۔

اس روز میں گھر میں اکیلی تھی، سعود آفس اور سامعہ اسکول میں تھی۔

میں کچن سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو آتے آتے فریج سے گوشت نکال کر پانی میں رکھ دیا تا کہ کھل جائے تو آ کر بگھار دوں۔ کمرے میں آئی تو حیران رہ گئی کہ الماری کے سارے کپڑے بیڈ پر تھے۔

''ارے یہ کیا!'' میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ ابھی تو سب صاف کر کے بیڈ کی چادر چینج کر کے گئی تھی۔ الماریاں بھی صاف تھیں۔

پھر۔ میرے بدن میں جھرجھری آ گئی۔ عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا۔ یہ غیر معمولی اور ناقابلِ یقین بات تھی۔ میں نے آیت الکرسی پڑھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے الماری کھولی اور سارے کپڑے ترتیب سے رکھے۔

دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ بیڈروم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ میں لاؤنج میں آ گئی۔ ڈر کے مارے کچھ کام کرنے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا بہ مشکل سے کھانا تیار کیا اور ظہر کی نماز پڑھ کر قرآن پاک پڑھنے لگی۔

جیسے جیسے پڑھتی گئی میرے خوف میں کمی آ گئی۔

سامعہ بھی آ گئی تھی اسکول سے اور کھانا کھا کر سو گئی تھی، مگر میں سو نہیں پائی۔

اگلے دن یونہی ہوا۔ میں صحن کو دھو کر کمرے میں آئی جب میں واپس صحن میں گئی تو وہاں کچرا اور گندگی ویسے ہی موجود تھی۔

میں نے سعود سے کہہ دیا کہ سعود اس گھر میں کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔ پلیز کسی عامل کو بلائیں۔ اب مجھے خوف آنے لگا ہے۔ خلاف توقع سعود مان گئے اور دوسرے دن ہی اپنے کسی دوست کے توسط سے کسی صاحب کو لے آئے۔ انہوں نے سارے گھر کا معائنہ کیا اور کہا کہ اس گھر پر جنوں کا قبضہ ہے۔

اس لیے یہاں کوئی نہیں رہتا۔ بہتر ہے کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیں۔

''اف!'' سعود نے اپنا سر پکڑ لیا۔ ''چند مہینوں پہلے ہی تو یہاں آئے تھے، اب کہاں جائیں گے۔''

لیکن کچھ نہ کچھ کرنا تو تھا۔ میں نے بھی کہہ دیا تھا کہ فوری طور پر یہ گھر چھوڑ دیں۔

''مما کیا ہم یہ گھر چھوڑ دیں گے؟'' رات کو سونے سے پہلے سامعہ نے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''نہیں مما یہ گھر نہیں چھوڑنا۔ اب تو وہ میری فرینڈ بن گئی ہے، ہم ساتھ کھیلنے لگے ہیں۔ وہ اکیلی یہاں رہ جائے گی مما۔''

غزل

محبت حادثاتی طور پر ہے
مری یہ رائے ذاتی طور پر ہے
دلوں سے انخلا کی کارروائی
سنا ہے' انضباطی طور پر ہے
ترا پہچان کر انجان بننا
یقیناً احتیاطی طور پر ہے
کبھی ثابت' کبھی سیار ہونا
یہ دنیا بے ثباتی طور پر ہے
بچھڑتے جا رہے ہیں لوگ خود سے
یہ سب کچھ انحطاطی طور پر ہے
بہت کچھ اتفاقاً ہو رہا تھا
بہت کچھ واقعاتی طور پر ہے
یہاں پر اجتماعی کچھ نہیں ہے
یہاں جو کچھ ہے' ذاتی طور پر ہے

نجم الحسن نجمی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سامعہ کی بات پر میں چونکی۔ بلڈنگ میں سامعہ کی کسی سے بھی اتنی دوستی نہیں ہوئی تھی پھر وہ کس کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

''سامعہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ سو جاؤ بہت رات ہوگئی ہے۔''

میں نے اس کو لٹا دیا اور کمبل اوڑھا دیا۔ اس کی بات پر سعود بھی چونکے تھے۔

دوسرے دن سعود نے مالک مکان کو کال کر دی کہ مہینہ ختم ہونے پر ہم لوگ یہ گھر خالی کر دیں گے۔

مجھے بھی اب گھر میں ڈر لگنے لگا تھا۔ سعود نے بھی اوور ٹائم کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے شام ہونے سے پہلے ہی لوٹ آتے تھے۔

اس روز اچانک سامعہ آدھی رات کو روتے ہوئے اٹھی۔ اسے بہت تیز بخار تھا۔

''پلیز ہمیں اسی گھر میں رہنا ہے۔'' یوں لگتا تھا کہ وہ نیند میں بول رہی تھی۔

''سامعہ! کیا ہوا بیٹا؟''

مگر سامعہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ بس بولے جا رہی تھی۔ ''مما علوینہ کا کوئی فرینڈ نہیں ہے، کوئی اس سے نہیں کھیلتا۔ سب اس سے ڈرتے ہیں، سب اسکو چھوڑ جاتے ہیں، وہ اس لیے سب کو مارتی ہے۔ وہ اکیلی رہ جائے گی، میں نہیں جانا چاہتی۔'' وہ آنکھیں بند کرے ہذیانی انداز میں بولی جا رہی تھی۔ اس کی آواز عجیب سی تھی، وہ میری سامعہ کی آواز نہیں تھی۔

میں اور سعود آنکھیں پھاڑے اس کو دیکھ رہے تھے۔

یہ کیا کہہ رہی تھی۔ کون سی بچی۔ علوینہ! یہ سب کیا تھا۔؟

''سامعہ سامعہ! بیٹا۔ آنکھیں کھولو۔'' میں رونے لگی تھی۔ ہم لوگ سامعہ کو لے کر ہاسپٹل بھاگے۔ اس کو 104 بخار تھا۔ وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھی۔ اپنی بچی کی یہ حالت دیکھ کر میں بری طرح سے رو رہی تھی۔

ایک گھنٹے میں ہم ہاسپٹل سے واپس آئے۔ دواؤں کے اثر سے وہ بدستور نیم بے ہوشی میں تھی۔

''علوینہ کو میں نے نہیں چھوڑنا...... ہم نہیں جائیں گے۔'' وہ نقاہت سے بڑبڑا رہی تھی۔

''یا اللہ، میری بچی پر رحم کر دے۔ اپنا کرم کر دے میرے مولا۔''

میں بے اختیار اسے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

سعود باہر لاؤنج میں صوفے پر لیٹے تو ان کی آنکھ لگ گئی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا تب اچانک ہی میں نے اسی دیوار کی جانب نگاہ جما دی جہاں سے بقول سامعہ کہ وہ لوگ آتے تھے۔

میں ٹکٹکی باندھے مسلسل اسی جانب دیکھے جا رہی تھی۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔ میری گود میں سامعہ تھی اچانک میں نے کہنا شروع کر دیا۔

''تم لوگ کون ہو آخر۔؟ کیوں میری بچی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ اگر تم بھی ماں ہو تو کیوں ایک ماں کا درد نہیں سمجھ سکتی۔ کیوں ماں ہو کر ماں کے ساتھ کھیل رہی ہو؟ خدا کے واسطے میری بیٹی کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ یا پھر ہمیں جانے دو خدا کے لیے یوں نہ کرو۔'' میں مسلسل بولے جا رہی تھی۔

تب ہی اچانک مجھے سسکیوں کی آواز سنائی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دی۔ میں بری طرح چونکی۔ سامعہ ابھی بھی میری گود میں تھی۔ میری نظر سامنے دیوار کی جانب اٹھی تو حیرت سے میری آنکھیں پھٹنے لگیں۔ میرے جسم میں سنسناہٹ ہوئی۔ لگ رہا تھا جیسے سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔ میں نے سامعہ کو لے کر وہاں سے بھاگنا چاہا۔ لیکن مجھے لگا کہ میں ہل بھی نہ پاؤں گی۔ جیسے میں پتھر کی ہو گئی تھی۔

سامنے دیوار پر مجھے سایہ سا محسوس ہوا۔ ایک ہیولہ۔ وہ ہیولہ چھوٹے سے ایک دم بڑا ہو گیا تھا یوں لگا کہ کوئی دور سے چلتا ہوا آ رہا ہو۔ وہ ایک عورت کا سایہ سا لگتا تھا۔

سسکیوں کی آواز قریب سے آنے لگی تھی اب۔ اس سائے کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ کوئی چھوٹی سی بچی کی مانند۔ خوف و دہشت سے میری آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ بس ایک آواز آ رہی تھی۔ سرگوشی کی مانند آواز۔

''میں بھی ماں ہو تب ہی اپنی بیٹی کے لیے جینا چاہتی تھی۔ زمانے نے مجھے جینے نہیں دیا۔ اس گھر میں ہم بہت غربت کی زندگی گزار رہے تھے، میرا شوہر نے مجھے مار مار کر مار ہی دیا اور میری بیٹی میرے غم میں مر گئی اور خود دوسری شادی کر لی۔

تب سے مجھے نفرت ہو گئی سب سے میں نے ہر آنے والے کا جینا حرام کر دیا اور سب چلے گئے۔ یہ بچی۔ تمہاری بیٹی میرے لیے اپنی علوینہ جیسی تھی۔

اس لیے میں نے خیال کیا۔ دونوں کو ساتھ کھیلتے دیکھ کر مجھے اچھا لگتا تھا۔ مگر ہمارے ہونے سے اب تمہاری بیٹی کے لیے مسئلے ہو رہے ہیں۔ ہم تمہاری بیٹی کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔ کبھی یہاں نہیں آئیں گے مگر تم ایک وعدہ کرو مجھ سے۔ پندرہ فروری کو میری علوینہ پیدا ہوئی تھی۔ ہر پندرہ فروری کو تم ایک جوڑا بنا کر کسی غریب کو دو گی۔'' وہ سرگوشی جیسی آواز کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔

مجھے لگا کہ وہ سائے چلتے چلتے دروازے کی جانب بڑھے اور غائب ہو گئے۔

میرا جسم پسینے سے شرابور تھا، ایسا لگتا تھا کہ میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا تھا۔؟ کیا یہ حقیقت تھی؟

اس پہلے کہ میں مزید کچھ سوچتی، سامعہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں نے ہاتھ لگا کر اس کا ماتھا چھوا تو بخار کا نام و نشان نہیں تھا۔ میں عجیب کیفیت کا شکار تھی۔ سعود بھی اسی وقت کمرے میں آ گئے۔

''ارے یہ تو بلکل ٹھیک لگ رہی ہے۔'' وہ خوشی سے بولے۔

''ہاں یہ ٹھیک ہو گئی۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مجھے بھی اپنا وعدہ پورا کرنا ہے۔'' میں بڑبڑائی۔

اس واقعے کو کئی سال گزر گئے۔ ہمیں اس گھر میں کوئی پریشانی نہ ہوئی، ہم سکون سے گھر میں رہے۔ سامعہ کو علوینہ نام کی کوئی بچی یاد نہیں۔ سعود بھی اس واقعے کو تقریباً فراموش کر چکے ہیں۔ مگر میں نہیں بھولی۔

مجھے آج بھی سب یاد ہے۔ اور وہ وعدہ بھی جو ایک مری ہوئی ماں نے زندہ ماں سے کیا تھا۔ میں ہر پندرہ فروری جوڑا بنا کر ضرورت مند کو دے آتی ہوں اور ساتھ میں اس عورت اور اس کی بیٹی کے لیے مغفرت کی دعا بھی کرتی ہوں۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ لوٹ آئی

کہتے ہیں ناکہ کسی کو ناحق مارو تو اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے اور قاتل سے بدلہ لے کر ہی جاتی ہے۔ ملک ہادی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا مگر قاتل زندہ تھا روز مرنے کے لیے......

سیدہ زینب فدا

وہ خود کو وسیع و عریض حویلی کے سرسبز و شاداب لان میں کھڑا پاتی ہے۔ شدید تھکاوٹ اور پیاس کی وجہ سے اسے حویلی کے اندر جانے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔

حویلی کا دروازہ کھولتے ہی گلاب کے پھولوں کی تروتازہ خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب گیلری میں صوفوں کے درمیان کسی کے سسکنے کی آواز آتی ہے۔ اس نے جب آگے بڑھ کر دیکھنا چاہا تو اس سے کچھ فاصلے پر کوئی شخص کھڑا قہقہہ لگا رہا تھا۔ اور صوفوں کے درمیان خون میں لت پت پڑے بچے کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اس شخص کی اس کی جانب پیٹھ تھی اس لیے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔ پھر کچھ دیر بعد ایک عورت بکھرے بالوں، پھٹے ہوئے کپڑوں کے ساتھ آ کر فرش پر بیٹھ کر اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر چادر سے اس کا خون صاف کرتی ہے۔ عورت کی اس کی جانب پیٹھ ہوتی ہے اس لیے وہ بچے اور اس عورت کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔

لیکن جب عورت نے منہ پھیرا تو عورت کا خون میں لت پت چہرہ لہو کی مانند سرخ آنکھیں اور ہونٹوں اور گالوں سے ٹپکتا خون دیکھ کر وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔

☆......☆......☆

اسلام آباد کے خوبصورت ٹاؤن کے وسیع و عریض اور عالیشان بنگلوں میں اپنی خوبصورتی اور ماہر فن تعمیر کی وجہ سے الگ نظر آنے والا عظیم الشان بنگلہ جو کہ 'قصر گل' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس بنگلے کے لاؤنج میں اپنی پوتی کو ہوم ورک کرواتے ہوئے ملک زارون کی آنکھوں کے سامنے چند منظر لہرائے اور ان کی آنکھوں کے کونے نم کر گئے۔

''دادا ابو...... دادا ابو...... کیا آپ رو رہے ہیں؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''نہیں تو بیٹے...... میں بھلا کیوں رونے لگا......'' اور دادا ابو پوتی کو پیار سے سونے کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہدایت کرتے ہوئے آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے کمرے میں آ کر بند ہو گئے۔

کمرے میں آتے ہی چند تصویریں نکالیں اور انہیں دیکھنے لگے۔ ماضی کے بہت سے سنہرے منظر ان کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے۔

☆......☆......☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ملک زارون اپنی فیملی چھوڑ کر پیرس سے پاکستان آئے۔ اِدھر ہی بزنس کیا اور والد کی چھوڑی ہوئی جائیداد سنبھالی۔ پیرس میں ان کی دو بہنیں تھیں شادی شدہ تھیں اور والدہ بھی انہی کے پاس پیرس میں تھیں۔ جبکہ ملک زارون والد کی وفات کے بعد پیرس کو خیرآباد کہہ کر پاکستان آ بسے۔ اِدھر ہی شادی کی اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔ ملک زارون اور مسز زارون اپنی زندگی میں اس طرح مصروف ہوئے پیچھے مڑ کر پیرس میں اپنی بیمار والدہ کا حال تک نہ پوچھ سکے۔

والدہ ملک زارون کو بلاتی رہیں لیکن کوئی پیغام ملک زارون تک نہ پہنچ سکا۔ اور ملک زارون کی راہ تکتے تکتے والدہ اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں۔ اور ملک زارون کو خبر تک نہ ہو سکی پھر زارون ملک کی خالہ جان پاکستان آ کر ان کے پاس رہنے لگیں جنہیں وہ ماں کہہ کر پکارنے لگے۔

ملک زارون کے ہاں شادی کے پانچ سال بعد بڑے بیٹے عبید جبکہ عبید کی پیدائش کے چھ سال بعد چھوٹے بیٹے ہادی ملک کی پیدائش ہوئی اور جب یہ جوان ہوئے تو ملک عبید نے والد کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خواہش پر والد کا بزنس سنبھالا جبکہ ملک ہادی اس فیصلے سے جلتے کڑھتے رہے۔

ملک عبید کی شادی کے دو سال بعد ان کے آنگن میں چاند سے بیٹے نے آنکھ کھولی یہ بھوری آنکھوں اور سرخ سفید رنگت اور بھورے گھنگھریالے بالوں والا بیٹا' اس گھر کا واحد چشم و چراغ تھا۔

ملک عبید نے اس کا نام محب علی رکھا' جیسے جیسے وہ کچھ بڑا ہوتا گیا اس کی شرارتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی شرارتوں سے سب محظوظ ہوئے تھے۔ ماں باپ اور دادا کی محبت میں پلنے بڑھنے والا یہ معصوم یہ نہیں جانتا تھا کہ اب ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

☆......☆......☆

پھر ایک بھیانک حادثے نے ہنستے بستے گھر کو ویران کر دیا۔ جہاں ہر وقت خوشی کا سماں ہوتا تھا اب ہر سو سوگ ہی سوگ پھیل گیا تھا۔ کسی نے ملک زارون کے بڑے بیٹے عبید اور ان کی فیملی کو قتل کر دیا۔ یہ افسوسناک خبر سن کر دادی جان بھی دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ پوسٹ مارٹم سے پتا چلا کہ انہیں زہر دے کر مارا گیا ہے۔ پھر اس ہنستے بستے گھر میں ملک زارون اور ملک ہادی رہ گئے۔

پھر کچھ عرصے بعد ملک زارون نے ملک ہادی کی شادی کی اور شادی کے دو سال بعد اس گھر میں پھر سے چہل پہل اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ملک ہادی کے ہاں ایک چاند سی بیٹی نے جنم لیا تھا۔

جو سب کی آنکھوں کا تارا تھی۔ ملک زارون جو جوان بہو' بیٹے اور پوتے کی وفات کے بعد رنگوں سے ناتا توڑ چکے تھے۔ اب پھر سے کھل کے جینے لگے تھے۔

اور اب بھی اپنی پوتی مصفرہ عرف فیری کو ہوم ورک کرواتے ہوئے انہیں اپنے پوتے محب کی یاد آئی اور آنکھیں خود بخود نم ہوتی چلی گئیں۔

☆......☆......☆

پھر جب مصفرہ یعنی فیری نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو دادا جی نے فیری کی خواہش پر اسے جس یونیورسٹی میں داخلہ لے کر دیا وہ ان کی رہائش سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ اس لیے اسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

ہاسٹل پہنچنے کے چند روز بعد ہی فیری کی طبیعت شدید خراب ہوئی جس کی وجہ سے اسے واپس گھر لانا پڑا۔ گھر آتے ہی فیری کی طبیعت کچھ سنبھلی جبکہ ہاسٹل جاتے ہی طبیعت بگڑنے لگتی' جس کی وجہ سے فیری اپنی پڑھائی جاری نہ رکھ سکی۔

☆......☆......☆

جب فیری اٹھارہ سال کی ہوئی تو وہ اکثر خواب میں ڈرنے لگتی۔ کبھی کسی عورت کی خون میں لت پت لاش دیکھتی تو کبھی کسی بچے کی خون میں لت پت لاش دیکھتی۔ اور کبھی دیکھتی کہ ایک عورت خون میں لت پت ہونے کے باوجود اس کی جانب بڑھتی اور اسے مارنے لگتی۔

کچھ ماہ تک تو یہی حال رہا پھر فیری پہ غشی طاری ہونے لگی۔ چیختی رہتی اور عجیب عجیب حرکتیں کرتی کبھی ہاتھوں اور پاؤں پر چلنے لگتی تو کبھی شیر کی طرح دھاڑنے لگتی۔

فیری کی یہ حالت دیکھ کر سب گھر والے بہت پریشان تھے۔ کسی نے کہا۔

''مصفرہ پر کوئی سایہ وغیرہ ہے اسے کسی عامل بابا کے پاس لے چلیں۔'' اگلے دن ہی ملک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زارون و ملک ہادی کے ہمراہ عامل بابا کے پاس موجود تھے۔ لیکن معصفرہ پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس کی حالت روز بروز بگڑنے لگی۔

کسی عامل بابا نے بتایا کہ کوئی بدروح اس کی جان لینا چاہتی ہے۔ اور وہ پوری طرح اس کے جسم پر قابض ہوگئی ہے۔ پھر دم' وغیرہ کروانے سے معصفرہ کی حالت کچھ دنوں کے لیے سنبھلی' پھر تو یہ ہونے لگا کہ اسے اپنے گھر میں اپنے اردگرد وہ عورت' مرد اور بچہ دکھائی دینے لگتے۔

☆......☆......☆

رات اسی وجہ سے فیری نے اپنی والدہ کے پاس سونے کی ضد کی۔ مگر رات اچانک ہی وہ اٹھ کر رونے اور چیخنے لگی۔

"فیری بیٹا کیا ہوا؟" فیری کو چیختے ہوئے دیکھ کر ماں نے پوچھا۔

"مما...... مما...... اِدھر دیکھیں......" فیری نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے...... اِدھر......"

"مما...... مما وہ ...... وہ عورت......" فیری نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا...... وہاں کچھ بھی نہیں ہے...... دیکھو...... کچھ بھی تو نہیں ہے وہاں......"

"مما...... وہاں کچھ ہے۔"

" ارے سو جاؤ...... یہ سب تمہارا وہم ہے......" مما نے فیری کو لٹاتے ہوئے کہا۔

"مما...... مما وہ...... وہ میری طرف آ رہی ہے۔" فیری نے چیختے ہوئے کہا۔

"مما......وہ......وہ مجھے مار دے گی۔"

"ارے کچھ بھی نہیں ہے وہاں......تمہارا وہم ہے۔" مما نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"سب تمہارا وہم ہے سو جاؤ......" مما نے

غزل

وقت مہلت عطا کرے کب تک
اپنی قسمت سے بھاگیے کب تک

گرتے پیڑوں کی زد میں ہیں ہم لوگ
کیا خبر راستہ کھلے کب تک

میں نہ ہوتا تو کیا خبر ہوتی
رات جلتے رہے دِیے کب تک

سارا منظر نظر کے سامنے ہے
نظر آتا ہے دیکھیے کب تک

عاشقی شعبدہ گری ہی سہی
کوئی اس تار پر چلے کب تک

عرصۂ زندگی شمار نہ کر
صرف یہ دیکھ' ہم جیے کب تک

تم تو باز آگئے ستم سے مگر
زخم کا کیا پتا بھرے کب تک

اظہر فراغ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے تسلی دے کر سلا دیا۔

☆......☆......☆

اگلی صبح فیری دادا جان کے پاس آ بیٹھی اور تایا ابا کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔

"دادا جان...... تایا ابو کو کیا ہوا تھا؟ انہیں کس نے مارا تھا؟" فیری نے دادا جان سے دریافت کیا۔

فیری کے منہ سے تایا جان کے بارے میں سن کر دادا ابو کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

اور دادا ابو نے فیری کو الف سے لے کر ے تک تمام کہانی سنا دی کہ تایا جان کا قتل ہوا تھا۔ انہیں کسی نے زہر دے کر مار دیا۔

"دادا جان...... میں تایا جان اور...... اور ان کے قاتل کو جانتی ہوں...... قاتل...... قاتل ہمارے گھر میں موجود ہے۔" فیری نے گرج دار لہجے میں کہا۔

"سچ...... کیا تم...... لیکن...... لیکن تمہیں کیسے پتہ......"

"کیونکہ...... کیونکہ میں...... میں سارہ ہوں...... ابا جان......" فیری کی شکل یکا یک بدلنے لگی اور...... اور دادا جان کے سامنے سارہ بیٹھی تھی۔

سارہ کو دیکھتے ہی دادا جان چیخ مار کر رو پڑے۔

جبکہ...... سارہ کی شکل بدلنے لگی اور...... پھر ان کے سامنے فیری بیٹھی تھی۔ جیسے ہی سارہ کی روح فیری کے جسم سے نکلی فیری بے ہوش ہو گئی۔

اس کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا۔

دادا جان کی چیخ سن کر فیری کے بابا جان دوڑتے ہوئے آئے اور فیری کی یہ حالت دیکھ کر جلدی سے گاڑی نکالی...... اور ہسپتال کی طرف روانہ ہوئے۔

☆......☆......☆

"بابا جان!" فیری نے نیم غنودگی کی حالت میں پکارا۔

"ہاں بولو فیری بیٹا کیا بات ہے۔"

فیری کے منہ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا رنگ بھی لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارے جسم سے کسی نے خون چوس لیا ہو اور جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔

"نہیں بابا جان فیری کو کچھ نہیں ہو گا وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" ملک ہادی نے ملک زارون کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اور فیری اچانک سے اٹھی اور ملک ہادی کا گریبان تھام کر بولی۔

"جیسے تم نے...... تم نے میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتارا...... ایسے ہی میں...... میں تمہاری بیٹی کو......"

"نہیں...... نہیں پلیز سارہ فیری کو کچھ نہ کہنا۔" دادا جان نے فیری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ان روحوں وغیرہ پر یقین نہیں کرتا...... بابا جان...... فیری کی طبیعت خراب ہے اس وجہ سے آواز میں کچھ تبدیلی ہے۔" ملک ہادی نے چڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں...... اور...... اور تمہاری بیٹی کو نہیں چھوڑوں گی۔ بلکہ...... نہیں...... میں میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی...... اگر...... اگر میں نے تمہاری بیٹی کو مارا...... تو...... تو پھر میں...... تمہیں...... تڑپنے کے لیے اکیلا چھوڑ دوں گی...... اور...... تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گی...... ہاہاہاہا......"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کیوں......کیا کیا ہے میرے بیٹے نے......
جو......سارہ بیٹی تم......تم اسے مارنا چاہتی ہو۔''
''بابا جان...... ہادی نے ...... ہادی نے ہی
......''

''بابا جان سارہ جھوٹ بول رہی ہے۔''
ہادی نے سارہ کی بات کاٹتے ہوئے بابا جان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''بابا جان...... میں...... میں اپنی موت کا بدلہ لینے آئی ہوں۔'' سارہ نے ملک زارون سے مخاطب ہو کر کہا۔

''موت کا بدلہ لیکن......لیکن کس سے......''
ملک زارون نے روتے ہوئے کہا۔

''بابا جان آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے' بہو اور پوتے کا قاتل کون ہے؟'' سارہ نے بابا جان سے کہا۔

''ہاں بیٹا...... بولو...... بتاؤ کون ہے جس نے ہماری ہنستی بستی زندگی برباد کی۔''

''بابا جان......قاتل آپ کے سامنے موجود ہے۔'' سارہ نے گرج دار آواز میں کہا۔

''سامنے......مگر کون......'' بابا جان نے نا سمجھی میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ملک ہادی......آپ کا لاڈلا بیٹا......آپ کے خاندان کا دشمن......جس نے جائیداد کی وجہ سے اپنے بڑے بھائی اور......اور اس کے وارث کو مٹا دیا......'' سارہ کی آواز میں نمی در آئی۔

ملک زارون گنگ رہ گئے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک بھائی اس حد تک گر جائے گا کہ دوسرے بھائی اور اس کے خاندان کو قتل کر دے گا۔

''بابا جان مجھے جائیداد چاہیے تھی۔ جو ظاہری بات ہے کہ......کہ بھائی کی موجودگی میں...... وہ مجھے نہیں مل سکتی تھی......اور اور اب دیکھیں آپ کی زمین جائیداد کا میں اکیلا وارث ہوں۔'' ہادی نے نہایت ڈھٹائی سے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا پسینے کے قطرے اُس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

''یہ جائیداد تمہیں مبارک ہو...... میں...... میں اپنے بیٹے کی موت کا بدلہ لوں گی...... جیسے...... جیسے تم نے...... میرے بیٹے کو مارا...... اب اب میں......ویسے ہی تمہاری بیٹی کو......''

''نہیں......نہیں پلیز...... پلیز میری میری بیٹی کو کچھ مت کہنا......'' ملک ہادی نے سارہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ملک ہادی رو رہے تھے...... سارہ کی منت کر رہے تھے......لیکن فیری نے آخری سانس لی اور آنکھیں موند لیں۔

''فیری اٹھو......فیری بیٹا......''

ملک ہادی زار و قطار رو رہے تھے جبکہ دادا جان کو اٹیک ہوا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اور اس گھر میں ایک ساتھ دو جنازے اٹھے۔

ابھی فیری کو اس دنیا سے گئے دو تین......دن ہی ہوئے تھے کہ فیری کی مما بیگم رات کو سوئی اور صبح اٹھ ہی نہ سکی۔

اب صرف ساری زمین و جائیداد کا اکیلا وارث......ملک ہادی زندہ ہے۔

''میں ہوں اس ساری زمین و جائیداد کا اکیلا وارث......جس نے سب کو مار دیا...... میں ہوں بدقسمت......جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ دیا......'' یہ کہہ کر ملک ہادی زار و قطار رو دیے اور اب رونے کے سوا بچا ہی کیا تھا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ترکی میں عباسی

سچی کہانیاں کا پسندیدہ ترین سلسلہ
ایک بار پھر قارئین کے پُر زور اصرار پر......

قمر علی عباسی

لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس اسٹیڈیم کا ذکر بائبل میں ہے۔ ضرور ہوگا اور اگر ان سیڑھیوں سے واپسی میں چڑھتے ہوئے دائیں بائیں گر گئے تو ہماری زندگی کی کتاب کے آخری

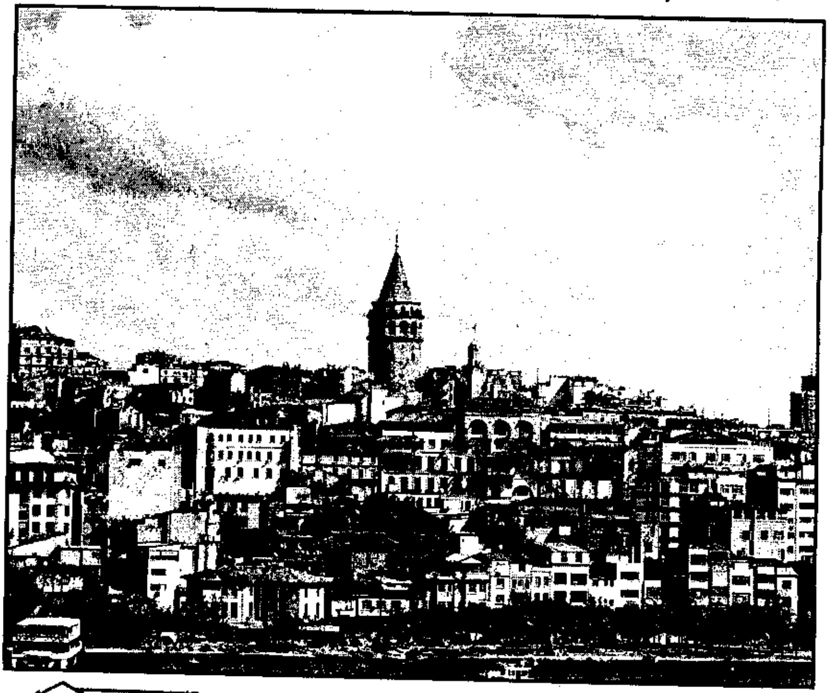

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صفحے پر بھی اس اسٹیڈیم کا ذکر ہوگا۔ ایک بار تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سیڑھیاں نہ ہوں مگرمچھ کے دانت ہوں اور منہ کھولے ہماری طرف آرہا ہے۔

اسٹیڈیم کی تاریخ اس کا جغرافیہ سب سیڑھیوں کے خوف کی نذر ہوگیا۔ مراد خونخوار جانوروں کی انسانوں سے جنگ کی داستانیں سنا کر مزید خوفزدہ کررہا تھا۔ اس قسم کے اسٹیڈیم ہم نے روم میں دیکھے تھے۔ کیونکہ رومن ترکی میں رہے اس لیے وہی کچھ یہاں بھی تھا۔

مراد نے غالباً محسوس کرلیا ہم ڈر رہے ہیں اس لیے مزید خوفزدہ کرنے کے لیے بائیں طرف کے اندھیرے راستے میں گھس گیا اور سیاح اس کے پیچھے چل پڑے یہی وہ جگہ تھی جہاں خونخوار درندے انسانوں کو شکار کرنے کے لیے لائے جاتے تھے۔ یہ بات مان لی کہ سارے قصے کو صدیاں گزر گئیں۔ لیکن اگر کوئی بچ رہا۔ ہوتو......

غار زیادہ بڑا نہیں تھا اور نہ لمبا۔ اس لیے فوراً روشنی میں آگئے اور سامنے بہت سی سیڑھیاں سنگ مرمر کے راستے پر اترتی نظر آئیں۔ ان کے دونوں طرف گہرائی نہیں تھی۔ ہم نے بسم اللہ کرکے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو ایک مہربان ہاتھ نے ہمارا بایاں بازو تھام لیا۔ اب جو دیکھا تو فلوریڈا کی سیلیبیا تھیں۔ بھورے بالوں اور زیرلب مسکرانے والی......

''شکریہ......'' ہم نے کہا۔

اور اس سہارے نے جو ڈھارس دی وہ صرف ہم جانتے ہیں۔ بہت سی سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو سنگ مرمر پر کوئلے سے مراد پھول اور ایک دائرہ بنا کر سمجھا رہا تھا کہ یونان اور رومن کے زمانے میں عیسائیوں پر سخت پابندی تھی۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کو اپنی شناخت کرانے کے لیے خاص قسم کے نشان استعمال کرتے تھے گول دائرے میں کراس کی طرح کی پنکھڑیاں بناتے جب وہ پہچانے جاتے دوسرے نشان اختیار کرلیتے سب جھک کر دیکھنے لگے اس کے بعد سنگ مرمر کے راستے پر چل کر باہر نکلے تو کوچ کھڑی تھی۔ اس میں بیٹھ کر جو سکون کا سانس لیا اس کی راحت کوئی ہم سے پوچھے۔

☆......☆......☆

مسلمانوں کا لامذہب ترکی

چھٹی صدی عیسوی میں ترک ایک خانہ بدوش قوم تھی اور وسط ایشیا میں آبادیوں پر حملہ کرتی رہتی تھی۔ دریا' کہسار' جنگل جنگل گھومتی ہوگی کیا منظر اور کیسے نظارے دیکھتی ہوگی۔ اس قوم میں کچھ باذوق ضرور ہوں گے۔ سفر کے بعد سفرنامہ لکھنے کی طرف توجہ بھی دی ہوگی۔ افسوس اس دور کے سفرناموں کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اس لیے ہم بھی چپ رہتے ہیں۔

چھٹی صدی گزرنے نہیں پائی تھی کہ ترک قوم اپنے سفرنامہ نگاروں سے تنگ آگئی اور ایک ہی ترکیب سمجھ میں آئی کہ سفر ترک کیا جائے۔ ایک جگہ رہنے لگیں تو سفرنامے کیسے لکھے جائیں گے۔ ان دنوں اکیلے دوکیلے نکلنے کا رواج تھا۔ نہ موقع نہ دستور' اس لیے جب ترکوں نے سفر ترک کیا اور ایک سرسبز چراہ گاہ کے پاس ڈیرا ڈال دیا۔ تو ان میں سے جو طاقتور تھا اس نے حکومت بنالی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں' جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس ہوتی ہے۔ اب جو حکومت بنی وہ چین اور منگولیہ سے بحراسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا بانی یومین تھا۔ پھر اس کے بیٹے اقتدار میں آئے۔ بادشاہت میں یہی اچھی بات ہے کہ باپ کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بعد بیٹا حکومت حاصل کرتا ہے چاہے کیسا ہی نااہل ہو۔ یومین کے بیٹوں نے الگ الگ حکومت قائم کی اور شیر بکری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اس قبیلے کے سرداروں نے اپنا لقاب خاقان رکھا۔

عرب اشاعت اسلام کے لیے اِدھر اُدھر پھیلے تو ان کے تعلقات ترکوں سے ہوئے اور وہ مسلمان ہونے لگے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ترکوں کو مسلمان بنانے کی کوشش شروع ہوئیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں بڑی تعداد میں ترک مسلمان ہوکر فوج میں شامل ہوئے جب دولت عباسیہ کا زوال ہونے لگا' بغداد کا مرکز کمزور ہوگیا تو مختلف علاقوں کے گورنروں نے اپنے علاقوں میں حکومتیں قائم کرلیں۔ ترکوں کے ایک گروہ نے خراسان میں دولت سلجوقیہ کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے سوچا جب سب حکومت بنا رہے ہیں تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔ بہتی گنگا میں ہم بھی نہالیں۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ سلجوقیہ حکومت کے بانی سلجوق نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کی وفات کے بعد حکومت طغرل بیگ کو ملی جس نے آس پاس کے ملکوں پر اپنی طاقت سے قبضہ کرلیا۔ محمود غزنوی اس کے ارادوں کو بھاپ گیا اور طغرل بیگ سے جنگ کی۔ لیکن مقابلہ نہ کرسکا۔ عباسی خلیفہ قائم باللہ اور برسر اقتدار ترک سرداروں نے آل یومیہ قبیلے سے بچنے اور خلافت کو قائم رکھنے کے لیے طغرل بیگ کو بلایا۔ جس نے اپنی طاقت سے اہل یومیہ کو کچل دیا۔ خلیفہ نے خوش ہوکر طغرل بیگ کو 'سلطان شرق و غرب' کا خطاب دیا۔ یوں خلیفہ نے اسے سلطان تسلیم کرلیا۔

طغرل بیگ کا ایک سردار باغی ہوگیا اور اس نے خودمختاری کا اعلان کردیا۔ لیکن شہر کے قریب ایک جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بیٹے سلیمان نے نائیا شہر پر قبضہ کیا اور نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ لیکن ایک صلیبی جنگ میں نائیا شہر ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس پر بازطینوں کا قبضہ ہوگیا۔ اقتدار تو دھوپ چھاؤں ہے ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ جاتا ہے اور اکثر جان بھی لے جاتا ہے۔ سلیمان کے پاس بہت تھوڑا علاقہ تھا۔ اِدھر سلاجقہ کی حالت بھی نازک تھی۔ لیکن حکومت چلتی رہی۔ اسی خاندان کے ایک بادشاہ مسعود ارسلانی نے حکومت کو سنبھالا دیا۔ قونیہ شہر کو پایہ تخت بنایا۔

اس کے جانشین اور ارسلان دوئم نے حکومت کو بڑھانے کے لیے دشمنوں کو شکست دی پھر زوال کی کہانی شروع ہوئی۔ تاتاری طوفان ایشیاء کوچک کی سرحد تک پہنچ گئے۔ حکومت کو ختم کردیا اور نام کے لیے ان کی اولادوں کو تخت پر بٹھا دیا۔ اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا اہل سلجوق کے لوگوں میں ابھی بہادروں کا خون گردش کر رہا تھا اس لیے مصر سے مدد مانگی۔

وہ بھی تیار بیٹھے تھے جھٹ آگئے۔ تاتاریوں کو وقتی طور سے شکست ہوئی۔ اب آنکھ مچولی شروع ہوئی تاتاری جیت جاتے تو سلجوق حکومت دربار تک رہ جاتی اور تاتاری میدان جنگ سے بھاگ لیتے تو سلجوق مضبوط ہوجاتے۔ آخر تاتاری کمزور ہوئے اور جہاں جہاں بہادر سردار تھے انہوں نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ اچانک چنگیز خان طوفان بن کر اٹھا اور ترک سردار پناہ کے لیے مختلف علاقوں کی طرف بھاگے۔ ان میں طغرل بیگ کا قبیلہ بھی تھا جو اپنے سردار سلیمان شاہ کی سرکردگی میں بھٹکتا خراسان سے شام جارہا تھا۔ راستے میں دریائے فرات عبور کرتا سلیمان

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شاہ ڈوب گیا۔

ویسے بھی غریب کا اقتدار کا ستارہ پہلے ہی ڈوب چکا تھا۔ دریائے فرات نے موقع غنیمت جانا اور شاہ کو دبوچ لیا۔ قصہ تمام ہوا۔ سردار کی موت سے قبیلے کا بیشتر حصہ منتشر ہوگیا۔ جس کا جدھر منہ اٹھا نکل لیا۔ جو رہ گئے وہ طغرل بیگ اور اس کے بھائی کے ساتھ سلطان علاؤ الدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہوگئے۔ یہ چار سو بیس گھرانے سلطان کے پاس پناہ لینے جا رہے تھے۔ راستے میں انگورہ کے قریب طغرل بیگ کو دو فوجیں لڑتی نظر آئیں۔ ایک کمزور اور دوسرا قوی تھا۔ طغرل بیگ بہادر سردار تھا وہ کمزور فوج کی طرف سے لڑنے لگا اور مضبوط فوج بھاگ لی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ جس فریق کی اس نے مدد کی تھی وہ سلطان علاؤ الدین سلجوقی کی فوج تھی اور تاتاریوں سے مقابلہ تھا قدرت مہربان ہوگئی۔ اس کارنامے پر سلطان علاؤ الدین سلجوقی نے طغرل بیگ کو انعام میں سوت کا زرخیز علاقہ اور شہر دے دیا۔

یہ دریائے سفاریہ کے کنارے واقع تھا اور یہ قبیلہ وہیں رہنے لگا۔ یہ شہر اکثر دشمنوں کی زد میں رہتا اور یہ مار کر بھگا دیتے اور اس کی بہادری اور قوت کی دھاک بیٹھ گئی اور بہت سے ترک قبائل اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ یہ بات سلطان علاؤ الدین کو پریشان کر سکتی تھی۔ لیکن جو حالات تھے اس میں دشمن سے نمٹنے کے لیے طغرل بیگ جیسے بہادر کی ضرورت تھی۔ سلطان نے ذہانت سے کام لیا اور طغرل کو مزید انعام و اکرام دیے اس بہادر سردار نے تاتاریوں اور بازنطینیوں کو کئی بار شکست دی اور مزید جاگیریں حاصل کیں۔

سلطان علاؤ الدین کے جھنڈے کا نشان ہلال تھا۔ طغرل اس کا نائب سلطنت تھا۔ اس نے وہی نشان رکھا جو آج تک ترکی کا قومی نشان ہے۔

طغرل بیگ کے بعد اس کا بڑا بیٹا عثمان نائب سلطنت ہوا۔ باپ کی طرح بیٹا بھی سلطان علاؤ الدین سلجوق کا وفادار رہا اور اپنی فتوحات سے سلطان کی شان و شوکت میں اضافہ کرتا رہا۔ سلطان بزور شمشیر حاصل ہونے والے علاقے اسے جاگیر میں دے دیتا۔ تیز بک کا خطاب بھی دیا۔ اپنا سکہ جاری اور نام خطبے میں شامل کرنے کی اجازت بھی دی۔ اس طرح سلطان کے تمام اختیارات عثمان کو حاصل ہوگئے۔

چند سال بعد تاتاریوں نے حملہ کیا۔ جنگ کے دوران سلطان علاؤ الدین سلجوقی مارا گیا اور اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا گیا۔ سلجوق حکومت ختم ہوگئی اور دولت عثمانیہ کا آغاز ہوا۔ یہ 1288ء کا ذکر ہے۔ عثمان اپنے نام کے ساتھ سلطان کا لقب استعمال نہیں کرتا تھا۔ صرف امیر کہلواتا تھا۔

عثمانی خلیفہ نے 1288ء سے 1923ء تک حکومت کی یہ 635 سال کی داستان ہے۔ ایک روشن تاریخ اور 28 بادشاہوں کے کارنامے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری سلطان عبدالمجید ثانی تخت سے دستبردار کر دیے گئے اور کمال اتاترک نے ترکی کو لادینی جمہوریت قرار دیا۔

دولت عثمانیہ کا دور علم و ہنر، مذہب و ملت کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس میں ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جو عبرت ناک ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کا چوتھا بادشاہ بایزید اول ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے آس پاس کی 76 مملکتوں کو ترکی کا محکوم بنا دیا تھا۔ اب تک دولت عثمانیہ کے بادشاہ اپنے لیے 'فرماں روا' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ بایزید

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے مصر کے عباسی خلیفہ کی اجازت سے 'سلطان' کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت تک اسلامی دنیا کا خلیفہ عباسی کی مذہبی حکمرانی تسلیم کی جاتی تھی۔ بایزید کو تاتاریوں سے لڑنا پڑا اور تیمور سے شکست کھا کر اس کی قید میں چلا گیا۔

تیمور نے اسے عزت واحترام دیا لیکن بایزید نے ایک دن فرار ہونے کی کوشش کی۔ تیمور نے سزا کے طور پر ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر دیا اور جب یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے بایزید اول کے پنجرے پر کپڑا ڈال کر لے جاتے بایزید یہ ذلت گوارہ نہ کر سکا اور آٹھ ماہ بعد مر گیا۔ جلیل القدر سلطان کا انجام عبرت انگیز تھا۔ بظاہر عثمانی دور ختم ہو گیا تھا لیکن بایزید کا دوسرا بیٹا تخت پر بیٹھا تو حالات نے پھر کروٹ لی اور عثمانی سلطنت کے قدم جمنے لگے۔

ساتویں سلطان محمد ثانی تھا جسے فاتح کا خطاب ملا۔ اس نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ سلطان کے دور میں فتوحات کا دور شروع ہوا۔ یونان' سرویا' بوسنیا' معدیا' کرمانیہ' لایزوں' سینوپ' یونانی مجمع الجزائر' کریمیا' ولاجیا' البانیہ' ہرزیگوینا' وینس پر قبضہ ہوا۔ اٹلی کے شہر اور بندرگاہ اوٹرانٹر فتح ہوا۔

آٹھویں خلیفہ بایزید ثانی نے اسپین سے 15 لاکھ یہودیوں کو اپنے ملک میں پناہ دی یہ وہ زمانہ تھا جب اسپین سے مسلمان اور عیسائیوں کو نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو ترکی میں پناہ نہیں ملی۔

ایک موقع پر یہودیوں نے یروشلم سے عیسائیوں کو نکالا تو ترکی نے انہیں پناہ دی اور وہاں سے ترک مسلمان اپنے ملک میں بلا لیے۔

سلیم اول سلطنت عثمانیہ کا 9 واں سلطان تھا۔ جسے خادمین حرمین الشرفین کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ آخری عباسی خلیفہ المتوکل قاہرہ میں شان وشوکت سے سلاطین مملوک کے زیر سایہ رہتا تھا۔ اس نے خلافت کے تمام اختیارات سلیم اول کو دے دیے۔ مقامات مقدسہ کی کنجیاں نیز بعض تبرکات جن میں آنحضرت ﷺ کی تلوار' علم' چادر' بطور سند خطافت سلیم اول کے حوالے کیں۔ اس تاریخ سے سلاطین عثمانیہ' خلیفہ' کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

سلطام اعظم ثانی 10 ویں خلیفہ کے زمانے میں بلغراد' ہنگری' ویانا اور استارٹریا فتح ہوا۔ تیونس پر ترکی حکومت قائم ہوئی۔

گیارہویں خلیفہ سلیم ثانی کے دور میں قبرص فتح ہوا۔ ترکی کی سرحدیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔

ڈیڑھ سو سال تک احکامات خداوندی اور شریعت محمدی ﷺ پر عمل کرنے سے جو انصاف اور مساوات قائم ہوا تھا۔ اس میں کمی ہونے لگی۔ سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ان کی وجہ سے بعض ملکوں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ کچھ پر طاقتور قومیں جھپٹ پڑیں۔ انگلستان نے مصر فرانس نے بتیعلن' الجزائر اور اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔

ترک صدیوں سے لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ وہ امن وسکون سے رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے اپنے سب سے بڑے دشمن روس سے معاہدہ دوستی کرنا چاہتے تھے۔ فرانس' انگلستان اور یونان سے مصلحت چاہتے تھے۔ لیکن دشمن کچھ اور چاہتا تھا۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ ترکی غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا لیکن جرمنی اور روس کے درمیان بیٹھا تھا روس نے اتحادیوں سے مل کر اس لیے جنگ شروع کی تھی کہ ترکی کے حصے بخرے کر لیں۔ مجبوراً ترکی کو مخالف قوتوں کا ساتھ دینا پڑا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ جرمنی کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اتحادی ترکی کو اپنے ساتھ یوں بھی شامل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ترکی کے عوام بھی روس کے دشمن جرمنی کا ساتھ دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا فیصلہ ہوا ترکی روس کے خلاف لڑے گا۔ برطانیہ نے اس کی اطلاع ملتے ہی ترکی کے خریدے ہوئے بحری جہازوں پر قبضہ کرلیا۔ جنگ شروع ہوئی تو ترکی نے آبنائے فاخورس اور دورہ دانیال دشمن کے جہازوں کے لیے بند کردیا۔ اتحادیوں نے ترکی پر حملہ کردیا۔ فاخورس کے ساحل پر 50 ہزار فوجی مارے گئے۔ اس جگہ انور کمال پاشا کی کمان تھی۔ اس نے غیر معمولی ذہانت اور بہادری سے اپنی فوجوں کو لڑایا اور اتحادی اس محاذ پر شکست کھا گئے۔ اتحادی فوجیوں کے ایک لاکھ بارہ ہزار فوجی مرگئے یا زخمی ہوئے۔ ترکی کا بھی جانی نقصان ہوا۔ لیکن دنیا پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ ترک ابھی زندہ ہیں ان کی رگوں میں گرم خون گردش کرتا ہے۔

1918ء میں حجاز، شام، عراق، عرب کے تمام علاقے ترکوں سے نکل کر اتحادیوں کے قبضے میں چلے گئے۔ جرمن ہار گئے، ترکی نے اتحادیوں سے صلح کرلی۔ معاہدہ ہوگیا جس میں اتحادیوں کی شرطیں مان لی گئیں۔

اتحادیوں نے دولت عثمانیہ کی آپس میں بندر بانٹ طے کرلی تھی اور اب عمل کا وقت تھا معاہدہ کے رو سے اتحادیوں کو ترکی کے کسی بھی علاقے پر قبضے کا حق تھا۔

برطانیہ کا ایک بہت بڑا بحری بیڑا چالاکی سے استنبول آیا اور بہت سی سرکاری نجی عمارتوں پر قابض ہوگیا۔ بحری افواج کی مدد سے یونان نے ازمیر پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس کا شدید ردعمل ہوا۔ اتحادی فوجیوں کے خلاف ترکوں نے گوریلا جنگ کا آغاز کردیا۔ سلطنت عثمانیہ محض کاغذ پر تھی وہ اتحادیوں کے مطالبات تسلیم کرنے کے لیے کام کررہی تھی۔ خلیفہ وحیدالدین کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔

انور کمال پاشا نے سلطان کی پالیسیوں اور معاہدے کی مخالفت کی لیکن ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ فوج سے استعفیٰ دے کر استنبول میں چھپ کر اپنے دوستوں اور سیاست دانوں سے مشورہ کرتے رہے۔ انہوں نے کچھ تجاویز عثمانی حکومت کو دیں جو نظر انداز کردی گئیں۔ انور کمال نے تحریک جاری رکھی جو حکومت کے خلاف بغاوت تھی۔ اس لیے انہیں فوج سے برطرف کردیا گیا۔ لیکن وہ اپنی سرگرمیوں میں زیادہ تیز ہوگئے اپنے ساتھیوں کو جمع کرنے لگے۔ تحریک آزادی کے لیے ایک اخبار جاری کیا اور حکومت کو اطلاع دی کہ وہ اعلیٰ اختیار استعمال کریں گے۔ آخر بحری امور کے وزیر صالح پاشا کو انور کمال پاشا سے سمجھوتے کے لیے بھیجا گیا۔ طے یہ ہوا کہ انتخابات آزادانہ اور آزاد علاقے میں ہوں گے۔ یعنی استنبول سے باہر......

انتخاب میں انور کمال پاشا کو ممبر چن لیا گیا اور وہ انقرہ چلے گئے جو تحریک آزادی کا مرکز بن گیا۔ تحریکیں زور پکڑ گئیں۔ ترک اپنے علاقوں کو آزاد کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور آخر اتحادیوں کو ترکوں کے مطالبات ماننے پڑے اور ترکی جمہوریہ قرار پایا اور استنبول سے قبضہ ختم ہوا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ خلافت کو عثمانی سلطنت میں قائم رہنے دیا جائے۔ سلطان وحیدالدین کو صرف خلیفہ تسلیم کرلیا گیا، لیکن اس آخری خلیفہ نے برطانوی کمانڈر انچیف جنرل میرنگٹن سے پناہ طلب کی اور 17 نومبر 1922ء کو ایک برطانوی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جہاز میں استنبول سے روانہ ہوگئے۔ قومی اسمبلی نے انہیں خلافت سے ہٹا کر عبدالمجید آفندی کو خلیفۃ المسلمین مقرر کردیا۔ لیکن مسلم ممالک نے انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ قومی اسمبلی نے جو شرطیں نئے خلیفہ کے لیے رکھی تھی انہوں نے اس پر بھی عمل نہیں کیا۔ بلکہ وہ رویہ اپنایا جس میں بادشاہت قائم رکھنے کا تاثر ملتا تھا۔

29 اکتوبر 1923ء کو ترکی جمہوریہ بنا دیا گیا اور 3 مارچ کو خلافت کے خاتمے کا اعلان کردیا تاکہ کوئی قانونی اُلجھن نہ رہے۔ ہندوستان میں خلافت تحریک چلی جس میں مطالبہ تھا کہ خلافت کو برقرار رکھا جائے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا مصطفیٰ کمال پاشا کو اسمبلی نے اتاترک یعنی 'ترکوں کا باپ' کا خطاب دیا گیا اور ملک کا پہلا صدر بنا دیا گیا۔ جس نے سیاسی' اقتصادی' تعلیمی اور سماجی اصلاحات کیں۔ ترکی کو لادینی ریاست بنا دیا۔ دینی مدارس' مذہبی عدالتوں' وزارت مذہبی امور اوقاف ختم کردی۔ انہوں نے ترکوں کو مسلمان کے بجائے ترک قرار دیا۔ قومیت کا جذبہ ابھارا۔

علامہ اقبال نے اسی موقع کے لیے کہا تھا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اتاترک مذہب کو سیاست سے الگ کرچکے تھے۔ لمبے چوغے اور ایسا لباس جس سے مذہبی ہونے کا اظہار ہو ممنوع قرار دیے۔ خانقاہوں' مسجدوں میں مذہبی تقاریب پر پابندی نافذ کردی' لمبے چوغے والا لباس صرف امام مسجد پہن سکتا تھا۔ پیری مریدی' قبر پرستی ممنوع قرار پائی۔

خواتین کو خصوصی آزادی دی۔ انہیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کا موقع دیا اور کچھ زیادہ ہی دے دیا۔ بڑے شہروں میں اس پر عمل بھی ہوا۔ استنبول میں لڑکیاں اور لڑکے شادی کے بغیر رہ سکتے ہیں۔ اسقاط حمل بھی قانونی قرار دیا گیا۔ ترکی زبان سے عربی' فارسی اور فرنچ الفاظ کو نکال دیا۔ ترکی کا رسم الخط عربی تھا۔ اسے لاطینی زبان میں لکھنے کا طریقہ شروع کیا۔ پورے ملک میں لوگ اس نئی زبان کو سیکھنے لگے۔ اسی طرح تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد بڑھ گئی۔

ترکی زبان سے 'ہی' اور 'شی' یعنی عورت اور مرد کے الفاظ کی جگہ نام لکھنے پڑے۔ اگر لڑکی کے آنے کا اظہار ہو تو کہیں گے 'رضیہ آرہی ہے۔' وہ آرہی ہے' نکال دیا گیا معاشرے کو پوری طرح مغربی بنانے کی کوشش کی۔

ہجری سال کے بجائے ملک میں عیسوی سال رائج کیا گیا۔ ہر وہ کام کیا جس سے مغرب خوش ہوسکتا۔ لیکن افسوس یورپین کامن مارکیٹ میں اسے صرف ایسوسی ایٹ ممبر بنایا گیا۔ اس کا مطلب ہے ترکی کو مغرب نے تسلیم نہیں کیا۔

پاکستان اور ترکی کے پرانے مراسم ہیں۔ ہندوستان پر حکومت کرنے والے زیادہ تر بادشاہ ترک تھے۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے ان میں بہت سی باتوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ 1951ء میں پاکستان اور ترکی کا معاہدہ دوستی ہوا جن کے تحت اقتصادی' ثقافتی اور سماجی ترقی کے لیے دونوں برادر ملکوں کا آپس میں تعاون ضروری سمجھا گیا۔

جولائی 1964ء میں پاکستان کے صدر ایوب خان کی تجویز پر معاہدہ استنبول ہوا۔ جس میں ترکی' ایران اور پاکستان شامل ہیں۔ اسے علاقائی تنظیم برائے ترقی یا آر سی ڈی کہتے ہیں جس میں ترقی سے عوام کی خوشحالی کا یقینی بنانا ہے۔ اس کے تحت بہت سے پراجیکٹ بنائے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گئے۔ انقرہ میں ایک سڑک کا نام محمد علی جناح روڈ ہے اور پاکستان کا ہر شخص ترکی سے محبت کرتا ہے۔ اسی لیے ترکی کی ترقی اور تعمیر کا خواہش مند ہے۔

☆......☆......☆

حضرت مریم ؑ کے گھر

ترکی کی سیر کے دوران ہمارے نصیب میں ای ڈی لکھا تھا۔ وہ ایک بے ضرر انسان تھا۔ ہمیں کون نقصان پہنچائے گا۔ اگر زندگی میں کسی نے کبھی ہمارے ساتھ برائی کی ہے تو وہ ہم خود ہیں۔ سچ پوچھیں تو انسان اپنا دشمن خود ہوتا ہے۔ ای ڈی ہم سے کم بات کرتا تھا۔ خواتین سے زیادہ ہمکلام ہوتا تھا امریکہ سے آتے وقت وہ جب مختصر سامان لایا تھا اس میں ایک عدد موٹی سی کتاب ترکی کے بارے میں تھی۔ کمرے میں آتے ہی وہ اس کا مطالعہ شروع کر دیتا تھا جیسے سگھڑ بیوی گھر میں آتے ہی کام شروع کر دیتی ہے جب کوئی اجڑی بستی، ویران دیکھ کر آتے ای ڈی فوراً کتاب سے چیک کرتا۔ مراد نے کیا صحیح بتایا اور کہاں بھٹکایا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ساتھی خواتین کے علاوہ وہ سب چیزوں کے نام بھول جاتا۔ جس جگہ ایک کتاب خرید لیتا۔ ہم سے کبھی جو مختصر بات ہوتی اس میں ایک بات دہراتا وہ دوبارہ ترکی آئے گا۔ پھر سے یہ سب مقامات دیکھے گا۔ رات کو ہماری جب آنکھ کھلتی اسے جاگتا پاتے، شاید ترکی کے بارے میں سوچتا تھا۔ اتنی فکر اتاترک نے نہیں کی ہوگی۔ کمرے میں آنے کے بعد کئی قسم کی گولیاں پھانکتا۔ یہ سب اچھی صحت اور اسمارٹ رہنے کی دوائیں تھیں وہ اے بی سی ڈی یعنی امریکن بورن کنفیوزڈ دیسی تھا۔ لیکن امریکی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا سچ پوچھیں تو چال ڈھال، شکل شباہت، قد کاٹھ، بول چال سے پورا چائینز ہی دکھائی دیتا تھا دوپہر کے کھانے کے لیے اپنے لیرے خرچ کرنے ہوتے تھے۔ ای ڈی سب کے ساتھ ہوٹل میں داخل ہوتا۔ مراد کھانوں کی قیمت بتاتا تو سنجیدگی سے سنتا پھر اچانک پیٹ پر ہاتھ مار کر کہتا۔

''میری توند نکل آئی ہے کھانا گول کرنا پڑے گا۔'' پھر موسم کی پرواہ کیے بغیر اِدھر اُدھر دوڑنے لگتا۔ موسم بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ بس ہر روز رات کو ہمیں اطلاع دیتا تھا وہ نزلے اور زکام میں مبتلا ہے اور سارا قصور ترکی پر ڈالتا۔

آسٹریلیا کی زی اور لی کی ہنسی اس درجہ بے ہودہ تھی کہ ہر شخص ناپسند کرتا تھا۔ کوچ میں ذرا دیر کو آنکھ لگی ہے اور ان کی وحشت ناک ہنسی کی آواز آئی آنکھ کھل گئی۔ ہم نے ایسی خوفناک اور مکروہ ہنسی زندگی بھر نہیں سنی۔ ای ڈی کو یہ دونوں خواتین زہر لگتیں ایک دن تو غصے میں بولا۔

''جی چاہتا ہے ان دونوں کو قتل کر دوں۔''

ہم تو کب سے یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ کوئی انہیں قتل کر کے یہ ہولناک ہنسی ختم کر دے۔ ایک دن موقع پا کر ہم نے زی سے کہا۔

''آپ کی ہنسی زندگی سے بھرپور ہے۔'' وہ حیران رہ گئی۔

''ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہاڑوں سے جھرنا گر رہا ہے۔ چشمے بہہ رہے ہیں۔'' وہ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

''ہمیں آپ کی ہنسی اچھی لگتی ہے۔'' اس نے ہمیں سنجیدہ دیکھا تو وہی بے ہودہ ہنسی فضا میں بکھیرنے لگی۔ اور پھر کوچ میں ہر شخص کے سر میں درد ہونے لگا۔ سفر تمام ہوا اور ای ڈی نے اپنا ارادہ پورا نہ کیا یعنی زی اور لی کا انجام تمام نہیں کیا۔ ان کی ہنسی آج بھی تصور میں لہراتی ہے تو

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

غصے کی ایک لہر چاروں طرف چھا جاتی ہے......

آج دو پہر جس جگہ ٹھہرے تھے اس ریسٹورنٹ کا نام کوسٹا تھا۔ مراد نے آرڈر لیے۔ ہم نے ایک چیز پیٹس اور پانی خریدا۔ ٹماٹو کیچپ ایسا مانگا۔ تو کوئی سمجھا نہیں مراد نے کہا۔

''آپ ٹیٹ کچ اپ کہا کریں۔'' ہمیں کیا اعتراض ہماری بلا سے ٹاٹ کہہ دیں گے...... وہ کچ اپ دے دیں...... ایک چھوٹی پانی کی بوتل لی اور بہت سے نوٹ دیے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ باتھ روم مفت تھا لہٰذا ہم نے اس کی رقم کھانے کے بل سے نکال کر دیکھا تو پیٹس اور پانی بے حد سستا تھا۔

کوچ میں سوار ہو کر حضرت مریم علیہ السلام کے گھر کی طرف چلے۔ یہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ راستے میں مراد نے پہاڑوں میں ایک غار کی طرف اشارہ کر کے سات بھائیوں کی کہانی سنائی۔ یہ سب عیسائی تھے۔ رومن بادشاہ کو معلوم ہوا تو انہیں گرفتار کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے۔ یہ ساتوں بھائی اپنے کتے کے ساتھ ایک غار میں چھپ گئے۔ سپاہی ان کا پیچھا کرتے ہوئے آئے تو انہیں پہاڑ میں اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ بہت تلاش کے بعد وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ یہ ساتوں بھائی اپنے کتے کے ساتھ سو گئے خدا نے انہیں گہری نیند سلا دیا۔ جب اُن کی آنکھ کھلی تو ایک بھائی حالات معلوم کرنے اور کھانے کے لیے کچھ خریدنے غار سے باہر نکلا۔ اسے تعجب ہوا کہ وہ سکے جو اس کے پاس تھے۔ اب بازار میں نہیں چلتے نہ انہیں کوئی پہچانتا ہے۔ علاقے میں عیسائی بادشاہ ہے۔ حیرت یہ ہوئی کہ وہ 300 سال تک سوتے رہے جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ جس نے انہیں سینٹ سمجھا اور غار کو متبرک قرار دیا۔ یہ بھائی بھاگ کر غار واپس آیا اور پھر سو گیا۔ کچھ عرصے بعد زلزلے سے غار تباہ ہو گیا اور صرف پہاڑ رہ گیا۔

وہ پہاڑ سامنے تھا۔ مراد نے بتایا اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی اصحاب کہف کے نام سے آیا ہے۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اس وقت اسلام نہیں آیا تھا لیکن دین ابراہیمی پر لوگ کاربند تھے۔ ایک خدا کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن ترکی والے اپنے تہذیب کو یونانی رومن اور عیسائی بنیاد بنا کر مغرب کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

پہاڑ گزرا تو کوچ اوپر چڑھنے لگی۔ شہر کی آبادی نیچے رہ گئی۔ پھر بہت نیچے...... یہاں تک کہ اس کی طرف دیکھ کر خوف آنے لگا۔ ڈرائیور کی مہارت سے کوچ بلندی کی طرف لے جا رہا تھا۔ ایک بارش کا چھینٹا پڑا' فضا دھل کر صاف ہو گئی درخت اور زیادہ ہرے ہو گئے۔

ایک سیمنٹ کا چوڑا میدان آ گیا کوچ رک گئی۔ مراد اتر گیا۔ سیاح اس کی پشت پر چلنے لگے۔ ایک بڑا دروازہ' الٹے ہاتھ پر دو عمارتیں ایک پوسٹ آفس پھر دونوں طرف ترکی کے سوویز کی دکانیں' ان کے درمیان سے گزرتے آگے بڑھتے رہے' میدان میں ایک کنواں جہاں عیسائی بنانے کی رسم ادا ہوتی تھی اور سیمنٹ کی چند سیڑھیوں کے بعد ایک سیاہ رنگ کا مکان' جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں حضرت مریم آخری دنوں میں رہیں اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا انتقام اسی گھر میں ہوا۔ کنواری مریم کے گھر کا کوئی ٹکٹ نہیں۔ پارک میں داخلے کا ٹکٹ 20 لاکھ 50 ہزار لیرا ہے۔ جو پانی' بجلی سڑک اور پارک کی دیکھ بھال میں خرچ ہوتا ہے۔ یہ اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بات ہے کہ وہاں کوئی پارک نہیں۔
مراد نے کہا۔ اس گھر کی پشت پر نیچے کی طرف 'ہولی واٹر' ہے۔ ایک گھنٹے بعد کوچ روانہ ہوگی۔ آپ اطمینان سے یہاں رک سکتے ہیں۔ وہ چلا گیا سیاح اس مکان کے آگے عقیدت سے کھڑے ہو گئے۔

19 ویں صدی کے شروع میں جرمنی میں ایک نن انیا کھیتر ینا جو کہ اپاہج تھی اور کبھی اپنے گھر سے باہر نہیں نکلی اس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مریمؑ آخری دنوں میں اس جگہ ایک مکان میں رہتی تھیں۔ اس نے ایک کتاب لکھی جو یورپ میں بے حد مقبول ہوئی۔ حکومت ترکی نے اس پہاڑ پر اس مکان کو ڈھونڈ نکالا اور دنیا بھر میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ سارے سال یہاں عقیدت مند آتے اور دعا مانگتے رہتے ہیں۔ 20 جولائی 1967ء کو پوپ پال چہارم اور 30 نومبر 1970ء کو پوپ لین پال دوئم اس جگہ آئے اور اسے کنواری مریمؑ کا گھر قرار دیا۔

حضرت مریمؑ کے مکان میں جانے کے لیے لکڑی کا ایک سیاہ دروازہ ہے ہم داخل ہوئے تو اندر اندھیرا تھا۔ دائیں طرف ایک سیاہ مجسمہ کرسی پر بیٹھے دیکھا نہ جانے کیوں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا اس میں جان پڑ گئی۔ حضرت مریمؑ کے گھر کے طفیل ہم میں عجیب صلاحیت پیدا ہوگئی۔ ہم حیران رہ گئے اور تعجب سے اس مجسمے کی طرف دیکھنے لگے جو ہماری وجہ سے زندہ ہوا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ ہماری طرف کیا سیاہ لبادے میں ایک سفید چہرہ جس پر سنہری کمانیوں والی عینک لگی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔ ہم بے چین تھے کہ اپنے ساتھیوں کو بتائیں۔ ہم نے ایک معجزہ کیا تھا۔ حضرت مریمؑ نے اپنی دعا سے ہم میں بھی مسیحائی پیدا کر دی ہے۔ سب سر جھکائے کھڑے تھے برابر کے کمرے میں حضرت مریمؑ نے زندگی کی آخری سانسیں لی تھیں۔ سب اس طرف چل دیے۔ یہاں بھی اندھیرا تھا۔ صرف موم بتیاں جل رہی تھیں۔

ان کے استعمال کی کچھ چیزیں رکھی تھیں۔ لوگ دعائیں مانگ رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب صلیب پر چڑھایا تو انہوں نے کس طرح اپنی ماں حضرت مریمؑ کو خطاب کر کے کہا آپ کے پاس جو جون کھڑا ہے۔ اسے اپنا بیٹا سمجھیے۔' اور جون سے کہا۔

''آج سے یہ تمہاری ماں ہے اسے کسی حال میں اکیلا نہ چھوڑنا۔'' حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کے بعد یروشلم میں یہودی ان کے دشمن ہو گئے اور وہ سینٹ جون کے ساتھ ایپس کی پہاڑیوں میں آ بسیں اور یہیں زندگی کے آخری دن گزارے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ سینٹ جون کے ساتھ واپس یروشلم چلی گئیں اور یہودیوں نے انہیں قتل کر دیا۔ جو کچھ بھی ہو اس مکان سے ان کی نسبت تھی۔ یہی کافی تھا۔

ہم دوسرے کمرے سے پہلے کمرے میں آئے۔ ہمارے بیشتر ساتھی 'ہولی واٹر' کی طرف چلے گئے تھے اور جس مجسمے میں ہم نے جان ڈالی تھی وہ ایک سیاح سے بات کر رہی تھی۔ ہمیں دیکھا تو مسکرا کر پوچھا۔

''انڈیا......''

''پاکستان......'' ہم نے جواب دیا۔

''سنا ہے وہاں عیسائیوں پر سختیاں ہو رہی ہیں۔'' وہ بولیں۔

''نہیں......وہ ہم پر سختیاں کر رہے ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' ان کی گول گول آنکھیں چشمے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے شیشے کے پیچھے اور گول ہوگئیں۔

''شہر کے بیچوں بیچ ہزاروں لاکھوں گز زمین گرجا کے آس پاس گھیری ہوئی ہے...... ہم اپنے بچوں کو ان کے اسکولوں میں داخل کرانا چاہتے ہیں وہ سخت شرطیں رکھتے ہیں دو دو دن اپنے دفتر کے آگے لائنیں لگواتے ہیں۔ آپ کے سینٹ کے ناموں پر جو اسکول کھولتا ہے...... خوب ترقی کرتا ہے۔''

وہ مسکرا رہی تھیں۔ ''ہم نے سنا تھا......''

''وہ ہندوستان میں ہوتا ہے۔'' ہم نے کا جملہ کاٹا۔

''آپ کہاں کی رہنے والی ہیں۔''

''امریکہ......'' وہ بولیں۔

''کس علاقے کی۔''

''نیویارک......''

''ہم وہیں رہتے ہیں...... کیا پتہ ہے۔''

''معلوم نہیں۔'' وہ حسرت سے بولیں۔

''کیا مطلب......''

''چار سال پہلے تک معلوم تھا۔''

''آپ کا رابطہ نہیں ہوتا۔''

''نہیں......''

''کیوں......''

''اجازت نہیں۔'' ان کی مسکراہٹ میں اُداسی تھی۔

''وجہ......''

''میں نن ہوں۔''

''کتنے سال تک رابطہ نہیں ہوگا......''

''سات سال تک۔''

''اوہ مائی گاڈ...... آپ رات کو یہیں رہتی ہیں۔''

''نہیں رات کو یہ گھر بند کر دیا جاتا ہے۔''

کوچ روانہ ہونے میں دیر تھی۔ لیکن کچھ اور سیاح اندر آ رہے تھے اس لیے ہم انہیں خدا حافظ کہہ کر نکلے تو انہوں نے کہا۔

''کنواری مریم آپ کی حفاظت کرے۔''

باہر نکل کر دکانوں پر اٹکنا ضروری تھا۔ اسے ونڈو شاپنگ کہتے ہیں۔ دکانداروں کی پکڑ سے ایک تجربہ کار سیاح بچ سکتا ہے اور ہمیں فخر ہے کہ یہ صلاحیت ہم میں ہے۔ پوسٹ آفس کی سیڑھیاں ہم نے خود چڑھیں تاکہ لاکھوں لیرا دے کر پاکستان کے لیے ڈاک کے ٹکٹ خرید سکیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ کوچ میں بیٹھے اور وہ چلی تو نیچے اترنے لگے۔ کنواری مریم کا گھر اور سیاہ لباس والا نن اور سیاحوں پر حملہ کرنے کے انتظار میں کھڑے دکاندار ماضی ہوگئے۔

آج کوچ کا سفر لمبا تھا۔ مراد نے تجویز رکھی سب لوگ لطیفے سنائیں گے۔ ایک ایک کرکے مائیک سب کے پاس آیا۔ بل نے انتہائی کمزور لطیفے سنائے۔ ای ڈی کا کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

ہمارا نمبر آ گیا سمجھ میں نہیں آیا کون سا لطیفہ سنائیں۔ پھر معذرت کی اگر وہ برا نہ مانیں تو سنا دیں۔ سب نے اصرار کیا۔ ہم نے کہا۔

''ایک فادر تھے انتہائی شریف' ایماندار اور ملنسار' ایک بار ان سے کسی نے پوچھا۔

''فادر وات از یور ہابی......''

فادر نے کہا۔ ''نن......''

لوگوں نے چند لمحے سمجھنے میں لگائے پھر زور سے ہنسنے لگے۔

لطیفے ہوتے رہے۔ باہر سرد موسم پھیلا ہوا تھا اور کوچ میں زندگی سے بھرپور' صحت مند' تروتازہ' دیس دیس سے آئے لوگ ہنس رہے تھے خوش رہے تھے۔ زندگی کے یہ لمحے کتنے حسین ہوتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہیں اور جب گزر جاتے ہیں تو یادوں کے البم میں سج جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

الی شا اور ای ڈی

ای ڈی میں ایک کمال تھا۔ جس عورت سے چاہتا گپ لڑانے لگتا۔ فے تو اس کی دوست تھی۔ اِدھر اُدھر بھی ہاتھ مارتا۔ جہاں پیدل چلنے کا مرحلہ آتا دو قدم کے بعد کسی نہ کسی کے ساتھ چل پڑتا۔ بظاہر تو اس میں کوئی کشش نہیں تھی پھر بھی آسٹریلیا سے ماں کے ساتھ آنے والی الی شاہ اس کے پیچھے لگ گئی۔ جہاں دیکھتی اس سے چمٹ جاتی سب سے کمسن شوخ اور آزاد خیال تھی۔ مراد نے بھی ہاتھ ملاتی تو چھوڑنے کا نام نہ لیتی۔ جس کے پاس چاہتی جا بیٹھتی۔

بعض وقت تو کاندھے پر سر رکھ دیتی۔ ہم ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے۔ ویسے بھی کلے ہمارے ساتھ والی نشست پر ہوتی اس لیے ہمارا کاندھا اس کے سر سے دور رہا۔ ایک دن عجیب بات ہوئی۔ اس نے لنچ کے وقت کوٹ اتارا اور سب کے سامنے ای ڈی سے کہا مالش کرے۔

ہم سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور اس طرف سے نظریں پھیر لیں آخر کو شرم و حیا بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ہمارا خیال تھا بلکہ کان انتظار کر رہے تھے کب ایک زوردار تھپڑ اور ساتھ میں الی شا کی ماں کے چیخنے کی آواز آئے گی مگر کچھ نہ ہوا۔ اس بات سے دیر تک آزردہ رہے۔ ایک تو الی شا کے کردار پر دکھ ہوا اور اس کی ماں کی لاپرواہی پر غصہ آیا۔ اگر ای ڈی کی جگہ ہم ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی' شرفاء کے ہاتھ میں ہوتی خیر تھی۔

اس دن جب لنچ کے لیے ایک ریسٹورنٹ میں پہنچے تو ہم جان بوجھ کر فے کے پاس جا کر بیٹھے اور جب ای ڈی اپنے لیرا بچانے باہر سردی میں دوڑنے چلا گیا تو ہم نے اسے بتایا۔

''ای ڈی کے ہاتھوں میں جادو ہے وہ جب مالش کرتا ہے جس میں نئی تازگی فرحت راحت آجاتی ہے۔ کیا تم نے کبھی مالش کرائی۔

''نہیں......''

''کیوں...... یہ سہولت مفت ہے۔ دیکھو الی شا کے اس نے مالش کی کتنی ترو تازہ لگ رہی ہے۔ تم بھی ایسی ہی لگو گی۔''

اس کی اور الی شا کی عمر میں کم از کم 40 سال کا فرق تھا۔ اس نے جو سنا کہ وہ ایک نوجوان کمسن لڑکی لگے گی تو فوراً مالش کے لیے تڑپ اٹھی۔ ہم نے سمجھایا۔ جب ہوٹل پہنچے تو تم سب سے پہلے فرمائش کر دینا۔ اس کے بعد آئیڈیا اور کلے کو بھی یہی بات بتائی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ جب ہم ہوٹل کی لابی میں پہنچے۔ اپنے سامان رکھ کر سب واپس آئے تو الی شا نے ای ڈی کو دبوچا۔

''مساج......'' اسی وقت فے آئیڈیا...... کلے اور سیلیا چمٹ لیں۔ پہلے ہمارا مساج......ای ڈی اس حملے سے گھبرا گیا۔ لیکن یہ ترو تازہ ہونے اور جوان بننے کے جنون میں چھوڑنے والی کب تھیں۔ ای ڈی بھی ایک کائیاں آدمی تھا۔ اس نے وہ ہاتھ دکھائے کہ ایک ایک کر کے خواتین نے 'شکریہ شکریہ' کہہ کر اپنی جان بچائی لیکن اس عرصے میں الی شاہ آسٹریلیا سے آئے اور ایک لڑکے سے لگ لی تھی۔ نیویارک سے آئے بل نے ای ڈی کو اکیلا دیکھا تو دبوچ کر الگ میز پر لے گیا اور اپنی ریاست کے قصے سنانے لگا۔

ڈنر کا وقت سوا سات بجے تھا۔ اس لیے ڈائننگ ہال میں پہنچے تو سوپ دیا جانے لگا۔ یہ دہی سے بنایا گیا ہے ترکی والوں کا قومی مشروب

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لسی ہے۔ ہر موسم میں پیتے ہیں۔ آج اسی کو گرم کر کے اوپر سے زیتون کا بگھار لگا کر پیش کیا گیا تھا۔ ہم نے اوپر سے زیتون کا تیل ہٹا کر پیا۔ عجیب سا ذائقہ تھا دو چار چمچے لیے تو عادی ہو گئے۔ دوسری بار مانگ کر لیا آنے والے کھانے کا علم نہیں تھا۔ ترکی والوں کا کہنا ہے کہ یوگرٹ ترکی کا لفظ ہے۔ صبح دوپہر شام یہ دہی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھیرا' ٹماٹر اور زیتون بھی خوب کھائے جاتے ہیں۔ ڈبل روٹی خاص غذا ہے۔ گوشت بھی نوش کیا جاتا ہے لیکن بے حد چھوٹی بوٹیوں کی شکل میں جتنا وہ ایک ماہ میں کھاتے ہیں اتنا تو ہم ایک دن میں چٹ کر جاتے ہیں۔ چاول دیکھ کر افسوس ہوا۔ امریکہ سے منگاتے اور ابال کر کھاتے ہیں۔ ہم باسمتی اُگانے والے ملک کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے منہ کو یہ کب لگتے ہیں۔

ہم ای ڈی سے روز اپنے چاولوں کی تعریف کرتے اور وہ ہمیشہ انہیں پکانے کی ترکیب پوچھتا۔ ترکی میں کافی بہت پی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں کسی کھانے کے بعد نہیں دی گئی۔ یہ دوست بنانے کے کام بھی آتی ہے۔ افسوس ہمیں کسی نے دوست نہیں بنایا۔ اگر آپ صرف کافی کہیں تو نیس کیفے کافی ملے گی اور اگر ٹرکش کافی چاہیے تو ٹرکش کا لفظ کہنا پڑے گا۔ یہ عام کافی سے مختلف ہوتی ہے ترکی میں کافی نہیں اُگائی جاتی برازیل سے آتی ہے...... اور خوب پی جاتی ہے۔

کھانے کے بعد اکثر پھل مل جاتے جو سائز میں بڑے اور ذائقے میں برے ہوتے تھے۔ نارنگیاں پیدا کرنے والا ملک اس پھل سے محروم ہے۔ کیلا غالباً دوا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آئیڈیا ہر روز ناشتے میں سے بہت سی چیزیں ایک رومال میں باندھ لیتی اور کہتی میں اپنے لنچ کے لیے اٹھا رہی ہوں۔ کئی اور لوگ بھی ابلے انڈے بسکٹ اور مکھن رکھ لیتے۔ اس کے باوجود بھی کسی نہ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے چائے کافی نوش کرتے رہتے۔

☆......☆......☆

لیرا اخلاص

ترکی والے کھدائی کے ماہر ہیں۔ جو جی چاہتا ہے زمین سے نکال لیتے ہیں شہروں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن ظالموں نے ایک قبرستان نکال لیا۔ دو ہزار سال قبل مسیح جو دفنائے گئے ان کی قبریں نکال لیں ایک طرف کرے بنے ہیں۔ اونچے نیچے' بعض قبریں کھلی ملیں۔ کچھ پر پتھر رکھے ہیں۔ یہ سلسلہ دور تک نظر آتا ہے۔ جس وقت ہم پہنچے اس وقت بھی کھدائی ہو رہی تھی۔ یونیسکو نے اسے بین الاقوامی ورثہ قرار دے کر کام شروع کر دیا ہے کوچ روک دی گئی۔ سیاح قبروں کی تصویریں لینے دوڑے۔ عجیب قبریں ہیں۔ لمبی چھوٹی' بھاری پتھروں سے ڈھکی' کھلی اور اِدھر اُدھر ستون بھی پڑے ہیں۔ اس کا مطلب ہے بعض قبروں پر چھت بھی ہوگی۔ جو پتھروں پر رکھی گئی ہوں گی۔ مراد نے بتایا یہ قبرستان بڑا ہو کر شہر تک پہنچ گیا تھا۔ معلوم نہیں یہ شہر کے لیے برا تھا یا قبرستان کے لیے...... دائیں طرف قبرستان اور بائیں طرف شہر کے آثار تھے۔

دروازے جنہیں یونیسکو نے کھڑا کیا تھا ٹوٹی سیڑھیاں اور دیواریں' اس طرف بھی کوچ روکی گئی تصویریں بنانے کے لیے حیرت تھی کہ اس علاقے کا کوئی ٹکٹ نہیں تھا۔ مراد لیرا خرچ کرنے کی زحمت سے بچا۔ یہ علاقہ پاموکلی میں ہے جو کسی زلزلے کی وجہ سے مکمل طور پر برباد ہو گیا اور ترک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انتظامیہ نے کھود نکالا۔ ہمیں متاثر کرنے کے لیے......

ہمارے ملک میں بھی اس قسم کے ڈھیروں قبرستان ہیں جو کھود کر نکالنے نہیں پڑے۔ جگہ جگہ ہیں۔ ان کا جغرافیہ اور تاریخ بیان کریں تو ہر ملک کا سیاح حیران ہو سکتا ہے۔ کراچی میں ایک چوکنڈی کا قبرستان ہی کافی ہے۔ جس کی قبریں ایسی داستانیں سناتی ہیں کہ ہم چاہیں تو سارے جہاں کے ٹورسٹ اس طرف رخ کر لیں لیکن ہم ان چھچھوری حرکتوں پر اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔ پرانے کھنڈر اور قبرستانوں کے نام پر ڈالرز نہیں کھینچتے۔

پاموکلی کے قبرستان کی قبریں امیروں اور غریبوں کا فرق صاف بتاتی ہیں۔ ہماری کوچ روانہ ہوئی تو قبرستان دیر تک ساتھ رہا اس کے بعد کاتن پیلس کا علاقہ آ گیا۔ یہاں کپاس اگائی جاتی ہے۔ اس لیے مکانوں کی چھتیں سفید ہیں اور آگے جا کر تین گرم پانی کے چشمے ہیں جن میں چونا ہوتا ہے اور اس میں نہانے سے بہت سی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے پاموکلی کے علاقے میں شہر آباد ہوا جو زلزلے سے برباد ہو گیا۔

کوچ ایک بڑی عمارت کے پاس جا کر رکی یہ ہوٹل تھا اور مراد کے پیچھے سیاح چل پڑے اندر دکانیں تھیں۔ لوگ میزوں کے گرد بیٹھے تھے اس کے بعد دو چھوٹے پل تھے جن کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ مراد نے بتایا یہ گرم پانی کے چشمے ہیں۔ پھر ان کے درمیان سے گزر کر چند گز آگے اس نے نیچے دیکھنے کو کہا۔ وہاں پانی ایک کونے میں ابل رہا تھا۔ مراد نے بتایا یہاں سے چشمہ نکل رہا ہے۔ اسے دیکھ کر سب نے حیرت کا اظہار کیا۔ ان میں ہم بھی شامل تھے اگر سیاح گائیڈ کی بات پر نہ چونکے۔ حیران نہ ہو اور فوراً تصویر نہ اتارے تو گائیڈ اسے اپنی توہین سمجھتا اور دیر تک موڈ خراب رکھتا ہے۔ سفر کے دوران ہر لمحہ اور ہر قدم سیاح اپنی خرچ کی ہوئی ایک ایک پنی اور سینٹ سے حیرت اور مسرت حاصل کرنا چاہتا ہے اس لیے گائیڈ کا مزاج خوشگوار رہنا چاہیے۔

مراد نے ابلتا چشمہ دکھا کر کہا۔

''آپ لوگ جا کر ان چشموں کو دیکھ آئیں جن میں چونا ہوتا ہے اور اتنی مقدار میں کہ ہر طرف جمع ہوتا رہتا ہے ایک گھنٹے بعد یہاں سے روانگی ہے اور ہمارے نزدیک آ کر بولا۔

''عباسی دائیں طرف جا کر پوسٹ آفس ہے جہاں سے فون کارڈ اور برابر بینک سے ڈالر کے بدلے لیرا لیا جا سکتا ہے۔'' ہمارے ساتھ نے' کلبے اور سیلیا نے باتھ روم کی طرف سفر کیا۔ جو مفت تھا اس کی عجیب خوشی ہوئی۔ وہاں سے باہر نکلے تو ہمارے ساتھی اِدھر اُدھر ہو گئے۔

ہم نے بینک کا رخ کیا۔ وہاں رش تھا بھیڑ میں گھس کر جب کاؤنٹر پر پہنچے 50 ڈالر کا نوٹ دکھا کر لیرا مانگے۔ اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ ہم سمجھے وہ نوٹ کو جعلی سمجھ رہا ہے۔ اس لیے 100 ڈالر کا نوٹ دیا۔ پھر بھی اُدھر سے انکار ہوا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا اور نوٹوں کی گڈی دکھائی۔ جس کا مطلب تھا۔

''لیرا خلاص......'' ہم نے 10 ڈالر کا نوٹ دے کر درخواست کی۔

''ظالم اسی کے بدلے کچھ لیرا دے اللہ بھلا کرے گا۔'' یہ بات اس کی سمجھ میں آئی۔ چند پرانے نوٹ ہمارے حوالے کر دیے ہم نے شکریہ ادا کیا۔ برابر پوسٹ آفس تھا۔ ذرا دیر پہلے اسے کھلا دیکھ کر گئے تھے اب وہ بند تھا۔ غالباً ترکی کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بعض علاقوں میں پوسٹ آفس کے اوقات ان کے کام کرنے والوں کی مرضی پر منحصر ہیں جی چاہا کھول دیے ورنہ بند......

اس طرف سے ہماری دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ اس لیے پہلے یہ دیکھا کہ کوچ کہاں پارک ہے۔ پھر چوڑی سڑک پر اس سمت چلے جہاں لوگ آرہے تھے جا رہے تھے۔ چونا ملا پانی دیکھنے یہ زیادہ دور نہیں تھا۔ جلد پہنچ گئے۔ عجیب منظر تھا۔ پانی کے چاروں طرف سفید سفید ٹیلے' پہاڑ اور چوٹیاں بنی تھیں جیسے برف ہی برف ہو۔ یہ چونا تھا جو پانی میں بہہ کر آرہا تھا اور جمع ہو رہا تھا۔ لوگ پانی میں ننگے پاؤں کھڑے تھے۔ اس مجمع میں ہمارا ای ڈی بھی کھڑا صحت مند ہو رہا تھا۔ ہمیں بھی بلانے لگا۔ جوتے' موزے اُتار کر پانی میں اترنا' پھر دوبارہ واپس آ کر جوتے پہننے کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ہم نے ای ڈی سے فوٹو کھینچنے کی درخواست کی اس نے کہا۔

"پانی میں کھڑے ہو جاؤ۔"

ہم ایک منڈیر پر چڑھ گئے۔ پشت پر پانی اور چونے کے ڈھیر صاف نظر آنے لگے۔ کسی پانی میں چونا ہم نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اچانک سورج مغرب کی طرف جھک گیا۔ پانی میں آگ لگ گئی۔

کوچ کی روانگی کا وقت تھا۔ ہم واپس آئے تو دیکھا سیاحوں کی معلومات کا ایک دفتر ہے۔ جو 24 گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ اس وقت بند تھا شاید 25 واں گھنٹہ ہو۔

ایک چکر ہوٹل کے اندر لگایا مختلف ملکوں کے سیاحوں کو دیکھا ان میں اکثر چینی تھے۔ ای ڈی کا کہنا تھا یہ سب چائنیز ہیں۔ چین والوں کے پاس اِدھر اُدھر سیر سپاٹے کے لیے رقم کہاں' کیونکہ ہمیں اس کے ساتھ رہنا تھا اور تعلقات اچھے رکھنے تھے لہٰذا جو اس نے کہا تسلیم کیا چین' جاپان سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔

☆......☆......☆

لڑکیوں سے گفتگو

مراد نے کوچ رکنے سے پہلے چوتھی بار لڑکیوں کے کسن اور خوبصورت ہونے کا ذکر کیا تو ہم چونکے۔ یہ مہربانی کیسی؟ ہم تو نظارہ دور دور سے کرتے ہیں کیا اب ہاتھ لگانے کی اجازت ہوگی۔ وہ جو ہم سنتے آئے تھے کہ ترکی سیکولر ملک ہے اس کا مظاہرہ ہوگا۔

کوچ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور مراد کے ساتھ سیاح اندر داخل ہوئے یہ ٹاواس کارپٹ ویونگ سینٹر تھا۔ یعنی قالین بنانے کا کارخانہ عام حالات میں بھلا اسے دیکھنے میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس قسم کے کارخانے ہمارے ہاں گلی گلی ہوتے ہیں اگر کارخانے نہیں تو ہمارے خان بھائی ہر چوراہے پر ایک سے ایک قالین لٹکائے خریداروں کو دبوچنے بیٹھے رہتے ہیں۔

ہمارے ایک جاننے والے نجم الحسنین ریڈیو میں ملازم تھے۔ ایک بار ان کا تبادلہ کوئٹہ ہو گیا۔ وہاں وہ اکیلے تھے۔ سردیوں میں وقت گزارنے بازار چلے جاتے اِدھر اُدھر دکانوں میں جھانکتے کوئی کام کی چیز نظر آتی مول تول کرتے۔ ایک دن دیکھا ایک خان صاحب کئی قالین لیے بیٹھے ہیں۔ یہ دیر تک کھڑے دیکھتے رہے۔ ایک بہت ہی خوبصورت اور دلکش تھا دل میں کیا آئی کہ قیمت پوچھ لی۔

"30 ہزار روپیہ۔" خاں صاحب نے بتایا۔ انہوں نے سنا تو آگے بڑھ آئے۔

(جاری ہے)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اب CSS ایک حقیقت

1) والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد اُن کا نام روشن کرے مگر فی زمانہ اکثر والدین اپنی خواہش کو بس اپنے دل میں ہی دبا کر رکھ لیتے ہیں۔

2) مشہور تعلیمی اداروں اور ان سے جڑے اساتذہ کی بھاری بھر کم فیس عام والدین کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔

3) ایسے میں ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ہم آپ کی اولاد کو آپ کے لیے باعث فخر بنائیں گے۔

4) علم کی دنیا میں CSS ایک خواب۔

5) اس خواب کی حقیقی تعبیر کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

6) انتہائی قابل ٹیچرز سے گھر بیٹھے اپنی لاڈلی بیٹی یا ہونہار سپوت کو CSS کی تیاری کرائیں۔

7) CSS میں آپ کی کامیابی کو ہم یقینی بنائیں گے۔

رابطہ کیجیے

www.facebook.com/srasheedkhan

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آپ کی ڈائری

یہ ہے آپ کی پسند، آپ کا انتخاب

مرتب: اشعر جواد

لفظ لفظ موتی

انسان زندگی میں بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن جب تک دوسروں سے پیار کرنا دوسروں کو معاف کرنا اور دوسروں کی عزت نہیں کرنا سیکھتا سمجھو کچھ نہیں سیکھا۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا۔ ''تم سے کوئی زمانے کو برا بھلا نہ کہے کیونکہ زمانے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔'' دولت اور حسن کے لالچ میں اپنی سیرت خراب مت کرو کیونکہ دولت دنیا میں ختم ہو جائے گی اور حسن مٹی میں دفن ہو جائے گا۔ لیکن ایک اچھی سیرت آخرت تک رہے گی۔

چھین کر کھانے والوں کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا اور بانٹ کر کھانے والا کبھی بھوکا نہیں رہتا۔

............*

غزل

مجھے معاف کر میرے ہم سفر
تجھے چاہنا میری بھول تھی
کہیں راہ اٹھی تھی جو نظر کبھی
دیکھنا دیکھنا میری بھول تھی
کوئی نظم ہو یا غزل
کہیں رات ہو یا کہیں سحر
وہ گلی گلی وہ شہر شہر
تجھے ڈھونڈنا میری بھول تھی
میرے غم کی کوئی دوا نہیں
مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں
میرا کوئی تیرے سوا نہیں
یہی سوچنا میری بھول تھی

خضر حیات۔ روڈہ تھل۔ جوشاب

انمول الفاظ

حضرت محمدؐ نے فرمایا۔
''جس گھر میں رات دیر تک جاگنے اور صبح دیر سے اٹھنے کا رواج ہو اس گھر میں رزق کی تنگی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

جو غلطی نہیں کرتا وہ فرشتہ ہے جو غلطی کر کے ڈٹ جائے وہ شیطان ہے اور جو غلطی کر کے فوری توبہ کر لے وہ انسان ہے۔

اگر کسی اچھے انسان سے غلطی ہو جائے تو در گزر کرنا چاہیے کیونکہ موتی اگر مٹی میں بھی گر جائے تو قیمتی رہتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا۔
''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان کوئی پرواہ نہیں کرے گا جو اس نے کمایا ہے حرام ہے یا حلال ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

غزل

راہِ وفا پر دو قدم اٹھانے کا شکریہ
بڑا پُرخطر تھا یہ راستہ لوٹ آنے کا شکریہ
جو اداس ہیں تیرے ہجر میں جنہیں بوجھ لگتی ہے زندگی
محفل میں اُن کو دیکھ کر مسکرانے کا شکریہ
تیری یاد کس کس بھیس میں میرے شہر دل میں ڈھل گئی
یہ کمال تھا تیری یاد کا مجھے یاد آنے کا شکریہ
جو زمانے بھر کا اصول تھا وہ اصول تُو نے نبھایا
یہی رسم ٹھہرے گی معتبر مجھے بھول جانے کا شکریہ

محمد دانیال۔ روڈہ تھل۔ خوشاب

شعر

زہر سقراط کو ہر دور میں پینا ہوگا
یہ وہ دستور ہے فری کہ بدلتا ہی نہیں

فریدہ فری۔ لاہور

تجدید عہد

23 مارچ 1940ء کا دن مسلمانانِ ہند کے لیے تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے۔ اس روز قائداعظم محمد علی جناح نے منٹو پارک لاہور میں ایک عظیم الشان قرارداد منظور کی تھی۔ جس کی رو سے پاک و ہند کے مسلم اکثریت کے علاقہ پر محیط ایک آزاد اسلامی ملک کا قیام اور عزم و استحقاق کے ساتھ جہد مسلسل کی بنیاد پر اس کا حصول طے پایا تھا۔

یوں پیارے قائد کی سرپرستی میں مسلمانوں کی بیکراں قربانیاں اور لازوال کوششیں رنگ لائیں اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ چند ہی روز بعد بابائے قوم نے اپنی آزاد قوم کے نام پیغام میں فرمایا۔

''ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے لیکن یہ تو محض آغاز ہے اب بہت بڑی ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر آن پڑی ہیں ہمیں اس سے کہیں بڑا ارادہ اور اتنی ہی عظیم جدوجہد کا جذبہ ہم میں پیدا ہونا چاہیے۔ یہ خطہ حاصل کرنے کے لیے جس قدر قربانیاں دی گئیں ہیں۔ پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے کم از کم اتنی ہی اور قربانیوں کی اور کوششوں کی ضرورت ہے۔'' یہ پیغامِ قائد آج بھی ہمیں عمل کی دعوت دے رہا ہے۔

''آؤ...... ہم سب مل جل کر قائداعظم کے فرمان کی روشنی میں اس پر عمل پیرا ہوکر اسے دشمنوں کی سازشوں سے بچائیں اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنا موثر کردار ادا کرتے ہوئے دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں تاکہ اسے توڑنے کی ہر دشمن سازش ناکام ہوجائے۔

ایم حسن نظامی۔ قبولہ شریف

غزل

بھیگی پلکوں پہ خواب دیکھے ہیں
پتھروں میں بھی گلاب دیکھے ہیں
جانے تنہائیوں میں وہ سوچتا کیا ہے
پریشان ہر وقت جناب دیکھے ہیں
وہ سوال جو اب تک نہ سمجھ سکے
نم پلکوں پہ جواب دیکھے ہیں
ہم سے نہیں تقدیر سے گلا ہے شاید
کتنے نالاں آج احباب دیکھے ہیں
بدن پہ لگے زخم تو مٹ گئے ہیں
روح کی چوٹوں کے حساب دیکھے ہیں
عمر بھر نہ رسائی ہوئی روشنی سے
اس سے چمکتے ماہتاب دیکھے ہیں
حسن ہمیں تو راس نہ آئی الفت
وہ محبتوں میں سیراب دیکھے ہیں

شاعر: ایم حسن نظامی۔ قبولہ شریف

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دکھ

میری ہنسی کے گھنگھرو
تیرے غم کی تھاپ
پر ناچتے ناچتے
ٹوٹ گئے ہیں

ادھورا پن

میں پہلے مکمل تھا
میرا وجود مکمل تھا
تم سے بچھڑ کر جاناں......
میں آدھا ہو گیا ہوں
میں ادھورا ہو گیا ہوں

شاعرہ: مریم شاہ بخاری۔ سرگودھا

خدا کو بھولے

جرأت نے ساتھ چھوڑا غیرت نے ساتھ چھوڑا
رخ بدلے خصلتوں نے فطرت نے ساتھ چھوڑا
بگڑی ہماری سیرت صورت نے ساتھ چھوڑا
نفرت ملی گلے سے الفت نے ساتھ چھوڑا
جب سے خدا کو بھولے رحمت نے ساتھ چھوڑا
ناکامیوں کے جلوے ہر گام پر جو دیکھے
عزم جواں بھی رویا نصرت نے ساتھ چھوڑا
ہر آس دل کی ٹوٹی ہر سمت یاس چھائی
اپنوں نے بے رخی کی ملت نے ساتھ چھوڑا
جب سے خدا کو بھولے رحمت نے ساتھ چھوڑا
گردش کے دن ہیں آئے قسمت نے ساتھ چھوڑا
بادل دکھوں کے چھائے فرحت نے ساتھ چھوڑا
روٹھی جوانی ہم سے ہمت نے ساتھ چھوڑا
چھائے جو غم کے سائے صحت نے ساتھ چھوڑا
جب سے خدا کو بھولے رحمت نے ساتھ چھوڑا
بیکاریوں نے گھیرا بیماریوں نے لوٹا
غربت نے ہاتھ تھامے ثروت نے ساتھ چھوڑا
جب سے اٹھایا ہم نے ہے کاسہ گدائی
ذلت بنی ہے ہمدم عزت نے ساتھ چھوڑا
جب سے خدا کو بھولے رحمت نے ساتھ چھوڑا

گلنار کی بارات

اوقات کہاں رہ جاتی ہے پھر ذات کہاں رہ جاتی ہے
جب پیار کا تحفہ ملتا ہے سوغات کہاں رہ جاتی ہے
جو وصل کے پھول کھلاتی ہے جو قلب و جاں مسکاتی ہے
وہ صبح کہاں رہ جاتی ہے وہ رات کہاں رہ جاتی ہے
جب پیار جدائی دے جائے جب دلدار کنارا کر بیٹھے
پھر عید کہاں رہ جاتی ہے شبرات کہاں رہ جاتی ہے
گلنار مجھ سے پوچھتی ہے ہر سال وہ وعدہ کرتی ہے
دولہا وہ کہاں رہ جاتا ہے بارات کہاں رہ جاتی ہے
سب جھکنا جھکانا بے معنی دانا بھی یہاں ہے دیوانہ
جو پیار کی راہ میں ہوتی ہے وہ مات کہاں رہ جاتی ہے
اخلاص کے مارے شاد کہاں ہیں خوشیوں سے آباد یہاں
بادل تو گرجتے رہتے ہیں برسات کہاں رہ جاتی ہے
ہے حمید اتنا ہمدرد زمانے کا خیرات کہاں رہ جاتی ہے

عبدالحمید خان۔ حیدرآباد

میرے ذاتی اقوال

میرا سب سے اچھا دوست میرا اللہ ہے وہ کبھی میرا راز کسی کو بتاتا نہیں اور کبھی میرا عیب کسی کو دکھاتا نہیں۔

جس دل میں رب کا خوف ہو وہاں کسی اور خوف کا گزر نہیں ہو سکتا۔

میری نظر میں خوش قسمت وہ نہیں جسے پھولوں سے سجا راستہ ملے خوش قسمت تو وہ ہے جو کانٹوں بھری راہ کو اپنے زورِ بازو پہ پھول سے بھر دے

میرا رب اس وقت بھی میرا ہی ساتھ دیتا ہے اور مجھے سنتا ہے جب کوئی بھی مجھے نہیں سننا چاہتا۔

کامیابی کا راز میں نے ان تینوں میں پایا رب پر توکل' محنت' اور امید۔

انیلا طالب۔ گوجرانوالہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خیال آرائی

عورت دیکھتی رہ جاتی ہے......!

عورت کی ساری زندگی کی محنت
وفا کی پتلی کا ہر دم راضی رہنا
اور مرد کے ایک لمحہ کی غلطی
عورت دیکھتی رہ جاتی ہے
عورت کی بے وفا سے محبت
اس کی اولاد کی خدمت
اور مرد کے ایک قدم کی لرزش
عورت دیکھتی رہ جاتی ہے
عورت کا خاموشی سے زندگی جینا
مرد کی ذرا سی خوشی کے لیے کل جیون تیاگ دینا
اور مرد کا ایک تلخ جملہ میں سب ٹھکرا دینا
عورت دیکھتی رہ جاتی ہے
لیکن......!
پھر عورت کے بہتے جھرنوں میں
مرد کا ایک محبت بھرا جھوٹا جملہ اور وعدہ
بس...... معصوم عورت خوش ہو جاتی ہے

خیال آرائی: راحیلہ ذاکر۔ کراچی

منزل

اے خدایا! مجھ میں اب اور چلنے کی سکت نہیں ہے۔ پتا نہیں یہ راہیں کب ختم ہوں گی، کب منزل آئے گی، کب خوشیوں کے دریچے وا ہوں گے، کب مسکراہٹوں کا گلستاں نظر آئے گا، کب مسافتوں کا سفر اپنے اختتام پر پہنچے گا، کب میرے دل کے سونے آنگن میں پیار و محبت کی ٹھنڈی ہوا چلے گی، کب میری تقدیر کے اندھیروں میں چاہت کا دیا جلے گا، کب میرے لبوں پر دکھاوے کے جھوٹے قہقہے نہ ہوں گے، کب میری ذات پر چڑھا دکھوں کا خول اترے گا، کب میری آنکھوں سے بہتی ویرانی کی بارش ختم ہوگی، کب [illegible] رات کا خاتمہ ہوگا، کب صبح کا سورج ہمیں یقین کی روشنی بخشے گا، کب مایوسیوں کی شام ڈھلے گی، کب میری زندگی کو اعتبار کی چادر نصیب ہوگی، کب تک میری روح پر لفظوں کے نشتر گھاؤ لگاتے رہیں گے، کب تک میں بری بنوں گی، لوگوں کی نظر میں، کب تک صفائیاں پیش کروں گی، کب تک خاموش تماشائی بن کر اپنے زخموں پر نمک چھڑکنے کا نظارہ برداشت کروں گی، کب تک خود کو فریب میں رکھوں گی، کب تک خود کو جھوٹی تسلیاں دوں گی، کب تک اپنے جذبات کی دھجیاں بکھرنے دوں گی، کب تک اپنی قسمت پر بے آواز ماتم کروں گی، کب تک لفظوں کے خنجر چلانے والوں کی آؤ بھگت کروں گی، کب تک آنکھوں کو جھوٹے خواب دکھلاؤں گی، کب تک اپنے ہاتھوں سے دل کی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کو سمیٹوں گی، اب تھک گئی ہوں میری ذات ریزہ ریزہ ہوگئی ہے۔ اس خزاں رسیدہ پتے کی طرح جو ذرا سی ہوا کے چلنے سے شجر سے بچھڑ جاتا ہے۔ بظاہر وہ بہت سخت اور اکڑا ہوا نظر آتا ہے مگر جب اسے چھوتے ہیں تو وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ بکھر جاتا ہے۔

خیال آرائی، سائرہ خان۔ کراچی

محبت

محبت ایک پاک جذبہ ہے جس میں کوئی بھی لالچ نہیں ہوتا، یہ تو صرف محسوس کیا جاتا ہے۔ ہم محبت کی معنی نہیں سمجھے، صرف اسے لفظوں میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ محبت ہی تو ہے جو ہم کسی نہ کسی کو اپنا محبوب مانتے ہیں اور اس کی محبت میں امبر سے ستارے توڑ لانے کے وعدے کرتے ہیں اور پہاڑ کھود کے دودھ کی نہر بہاتے ہیں اور اس محبت میں اپنے آپ کو قربان کر دیتے ہیں۔ یہ محبت ایک ایسی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چیز ہے جب ہوتی ہے پہلی بار ہوتی ہے اور صرف ایک بار ہوتی ہے۔ یہ محبت صرف محبت ہے اس پر صرف محبت ہوتی ہے نفرت نہیں ہوتی۔ میں محبت کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیونکہ محبت صرف محبت ہے۔

خیال آرائی، سید عابد علی، جھنگ۔

اندھے اور بہرے

آج جب قرآن پاک کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھنے لگی جس میں اللہ پاک نے اپنے نبیؐ سے ارشاد فرمایا کہ یہ اندھے ہیں، یعنی آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اور بہرے ہیں، کان ہوتے ہوئے۔ بظاہر یہ کیسی عجیب بات ہے آنکھ اور کان ہوتے ہوئے بھی اندھے بہرے ہیں۔ تو اچانک اپنے بچپن کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب میں بہت چھوٹی تھی۔ صبح کا وقت تھا بستر سے اٹھ کر باہر نکل آئی۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ سامنے جو راجہ کا سفید محل تھا، وہ کہاں گیا نہ سامنے کے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ جب میں نے نیچے ڈھلان میں دیکھا وہاں دھندلے دھندلے درخت اور مکان نظر آئے پھر میں نے سامنے دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ دو تین دفعہ میں نے آنکھیں ملیں پھر میں نے چاہا امی سے پوچھوں اتنے میں کچھ پرچھائیں سی نظر آنے لگیں جو محل، پہاڑ اور درختوں کی تھیں۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر تھوڑی دیر میں سب کچھ نظر آنے لگا۔ یہ کہر میں ڈوبے ہوئے ماحول کا پہلا احساس تھا جسے میں کبھی نہیں بھولی۔ اب بھی جب کہر چھاتی ہے تو وہ منظر یاد آتا ہے لیکن آج میں نے قرآن کی یہ آیت پڑھی تو سوچنے لگی اسی طرح جہالت کی کہر جب انسان کی آنکھوں کے سامنے چھا جاتی ہے تو کچھ اچھا برا نظر نہیں آتا، جب وہ ایمان کی روشنی پا لیتا ہے تو ہر چیز صاف نظر آتی ہے۔

خیال آرائی، صائمہ اقبال۔ حیدر آباد

سورج سے سوال

ایک دن میں نے سورج سے سوال کیا کہ تم جب مشرق سے نکلتے ہو تو بڑی آب و تاب سے نکلتے ہو، تمہاری رفتہ رفتہ بڑھنے والی کرنوں سے محسوس ہوتا ہے کہ تم جیسے بہت خوش ہو اور مسکرا رہے ہو لیکن مغرب کی سمت سفر کرتے کرتے تمہیں کیا ہو جاتا ہے کہ مرجھائے ہوئے زرد پھول کی طرح لگتے ہو یا پھر کسی پریشان حال مسافر کی طرح، ایسا کیوں؟ سورج نے جواب دیا ”مجھے مشرق کی عادتیں اچھی لگتی ہیں۔ ماں باپ کا روپ، بڑوں کا احترام، شرم و حیا، اس لیے خوش ہوتا اور مسکراتا ہوں جب کہ مغرب کی بے شرمی دیکھ کر شرم سے ڈوب جاتا ہوں۔“ میں نے پھر پوچھا مگر تم مغرب کے ممالک میں بھی نکلتے ہو تو وہ کہنے لگا۔ غور کرنا وہاں نکلتے ہوئے کئی کئی دن میرے چہرے پر دھند کا نقاب ہوتا ہے۔

خیال آرائی، ام زہرا۔ کراچی

جوڑی

قدرت نے ہر چیز کا جوڑ اور ذریعہ بنایا ہے مثلاً چاند، سورج کی جوڑی، پھول اور کانٹے، آگ اور پانی، مرد و زن وغیرہ اور ان جوڑ کو ملانے کا بھی کوئی ذریعہ بنایا ہوگا اور ان جوڑ میں کسی نہ کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے، کسی ایک سے دھوپ کا ذریعہ سورج، پانی کا ذریعہ برسات اور اظہار کا ذریعہ زبان ہے۔ اسی طرح ادب کی دنیا میں کاغذ اور قلم کا جوڑ ہے۔ یہاں ایک حقیر سے کاغذ کو قلم سے برتری حاصل ہے۔ کاغذ پر الفاظ کا ذخیرہ بکھیرنے کے لیے قلم کو جھکنا پڑتا ہے۔ تب جا کر الفاظ سادہ ہوں یا خوب صورت کاغذ پر منظر آتے ہیں اور یہ الفاظ ہی کاغذ اور قلم کے ملاپ کا حسین اور خوب تر ذریعہ ہے۔

خیال آرائی، نبیل قریشی۔ پنڈی۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! "مسئلہ یہ ہے" کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ "سچی کہانیاں" کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو ان وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ "سچی کہانیاں" میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا وقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ اِن صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ =/500 روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ "سچی کہانیاں" کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اِس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات تو کین منی =/500 روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اِس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)...... مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)...... منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ "سچی کہانیاں" کے نام ارسال کریں۔

(3)...... اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II۔ خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بچو! اللہ تم سب کو اچھا رکھے۔ نماز کی پابندی رکھو اور درود شریف بہت پڑھو...... اللہ کی راہ میں دینے کی عادت ڈالو...... تاکہ زندگی کا راستہ سہل ہو سکے۔ میں ان بچوں کا ممنون و مشکور ہوں جو میرے توسط سے لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ سورۃ بقرہ کو لفظ بہ لفظ پڑھنے کی عادت ڈالو' ترجمہ بھی سمجھو تاکہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو جان سکو۔

□ مہر۔ حیدر آباد

○ بابا صاحب! السلام علیکم! بعد سلام عرض یہ ہے' میں نے آپ کے بارے میں بہت سنا ہے۔ اللہ آپ کو اسی طرح خلقِ خدا کی خدمت کرنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین!) میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری شادی کو نواں سال ہے اور اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ میں نے اور میرے شوہر نے ٹیسٹ بھی کروائے۔ میرے شوہر کی رپورٹ تو صحیح ہے لیکن میری رپورٹ میں کچھ مسئلہ ہے۔ بہت علاج کروائے لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آپ کو بڑی امید سے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ برائے مہربانی کوئی ایسا وظیفہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد کی نعمت سے نواز دے۔ (آمین!) مجھے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں۔ مہربانی کر کے میرے خط کا جواب جلد از جلد دیجیے' شکریہ۔

☆ بیٹی مہر النساء! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ میں تمہیں یہ نصیحت کروں گا کہ جلد از جلد مجھ سے تعویذ منگوا لو۔ آئندہ خط مجھے جوابی لفافے پر مکمل پتے کے ساتھ لکھو تاکہ تفصیل سے جواب دیا جا سکے۔

□ سلمیٰ۔ AJK۔

○ باباجی! السلام علیکم! میرا ایک مسئلہ تو کافی حد تک حل ہو گیا ہے آپ کی دُعا سے دوسرا مسئلہ روزگار کا تھا۔ باباجان! میرا شوہر بہترین کاری گر ہے کڑھائی کا مگر انہیں کوئی کام دینے کے لیے تیار نہیں۔ قرضہ بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے گھر میں کشیدگی رہتی ہے' لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ آپ نے سورۃ رحمٰن پڑھنے کے لیے کہا تھا ایک مہینے تک' تو وہ میں نے پورا کر دیا۔ ناغے کے دن پورے کر کے۔ باباجی! میرا مسئلہ حل کر دیں' میں تمام عمر آپ کو دُعائیں دوں گی۔ باباجان! میرا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ڈیڑھ مہینے پہلے گھٹنے کے نیچے بائیں پاؤں میں شدید درد ہوا پھر وہ نیچے سے لے کر اوپر کی جانب پھیل گیا جس کی وجہ سے میرا چلنا دوبھر ہو گیا ہے۔ کافی علاج کے بعد پتا چلا کہ عرق النساء کا درد ہے پھر میں بھائی کے ہاں چلی گئی۔ وہ میرا ہومیوپیتھی کا علاج کروا رہے ہیں۔ درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھنا بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ اب میں بچوں کے پاس واپس آ گئی ہوں۔ آپ میرے لیے

اطلاعِ عام

قارئین بھائی' بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا نیا پتا نوٹ فرما لیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ نئے ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: 88-C-II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7' کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893121-35893122

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چہرے پر رونق نہیں ہے' کیل مہاسے' جھائیاں
ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے دوا سچی
کہانیاں کے دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

دُعا کرادیں' میں تاحیات آپ کو دُعا دوں گی۔

☆ بیٹی سلمیٰ! اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرتی رہو۔ پیر گرم رکھنے کی کوشش کرو۔ جب درد محسوس ہو تو متاثرہ جگہ پر ہاتھ رکھ کر 7 بار سورۃ الناس پڑھو اور دُعا کرو۔ سورۃ رحمٰن پڑھنا جاری رکھو' کرم ہوگا۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ فزا حسن۔ فیصل آباد۔

○ بابا جی! السلام علیکم! میں آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ ضرور جواب سے نوازیں گے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں پڑھتی ہوں مگر بے حد محنت کے باوجود ہر دفعہ کم نمبر آتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے شرمندگی اور دکھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برائے مہربانی کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میں اس دفعہ کے امتحان میں اچھے نمبر لے سکوں اور میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے والدین میری کوئی بات نہیں مانتے اور والد تو وہم کے مریض ہیں۔ ہر بات پر صاف انکار کر دیتے ہیں۔ میں اُن کے لحاظ میں کوئی بات نہیں کرتی۔ میں ہی نہیں' میرے بھائی بھی اس بات سے کافی پریشان ہیں۔ آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میرے والد ہر بات سمجھ اور مان جائیں' اُن کا وہم ختم ہو جائے۔ آپ کا بہت احسان ہوگا۔

☆ بیٹی فزا! اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی عطا فرمائے۔ (آمین!) روزانہ رات کو 8-7 بادام پانی میں بھگو دو اور نہار منہ اچھی طرح چبا کر کھالو اور ایک گلاس گرم دودھ بھی ضرور پیو۔ نمازِ فجر کے بعد 11 بار سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اپنے والد کی صحت یابی کے لیے دُعا کرو اور کسی بھی بات پر بحث مت کرو۔ یہی مناسب ہے۔ وظیفہ تم امتحان کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہو۔

□ ماروی۔ خیر پور۔

○ محترم بابا صاحب! السلام علیکم! یہ مسئلہ میری بڑی بھابی کا ہے جن کی عمر 35 سال ہے۔ اُن کی شادی کو 14 سال ہوگئے ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے' تب سے اکثر بیمار رہتی ہیں۔ ہر دوسرے مہینے میں ان کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے واسطے' اُن کو کوئی ایسی دوا یا وظیفہ بتا دیں جس سے اُن کی بیماری دور ہو جائے۔ ہم آپ کے شکر گزار رہوں گے۔ پیٹ کی تکلیف کے لیے جو دوائی آپ دیتے ہیں' اسے منگوانے کا طریقہ کار بتا دیں۔

☆ بیٹی ماروی! اللہ تعالیٰ تمہاری بھاوج کو مکمل شفا عطا فرمائے۔ (آمین!) مریضہ خود نمازِ عصر کے بعد ایک بار سورۃ یٰسین پڑھ کر پانی کی ایک پیالی پر دَم کرے اور دُرود شریف کا وِرد کرتے ہوئے تین سانسوں میں یہ پانی پی لے۔ انشاء اللہ' افاقہ ہوگا۔ دوا میں تیار کر دوں گا مگر مجھے یہ بتاؤ' خون تو نہیں آتا؟ تکلیف کا صحیح سے پتہ ہو تبھی دوا تیار کی جاسکتی ہے۔

□ عاشق نبی۔ فیصل آباد۔

○ جنابِ عالی بابا جی! السلام علیکم! میرے والد صاحب بوڑھے ہیں' اُنہیں عرصہ دراز سے دانتوں کی بیماری تھی۔ وہ بڑھاپے کی وجہ سے بار بار اسپتال نہیں جاسکتے تھے۔ دیسی علاج بھی بہت کروا چکے تھے مگر اس بیماری سے اُنہیں چھٹکارہ نہیں ملا تھا۔ ہمارے علاقے کا ایک نیک بندہ عمرہ کر کے واپس آیا تو کراچی سے آپ کی دوا بھی لیتا آیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا بھلا کرے' اس دوا کے استعمال سے میرے ابا جی کو اس بیماری سے چھٹکارہ مل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آپ کو نیک اَجر دے۔(آمین!) اور میری اور میرے اباجی کی طرف سے آپ کا شکریہ۔

☆ بیٹے عاشق نبی! اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرو کہ شفا دینے والی ذات اسی کی ہے۔ اس کے نام پر حسب توفیق صدقہ خیرات بھی کرتے رہو اور نماز کی پابندی بھی کرو تو اللہ تعالیٰ ہر مصیبت سے بچائے گا۔

□ کاظمہ۔صادق آباد۔

○ محترم باباجی! السلام علیکم! ہمارے گھر کے حالات تو پہلے ہی خراب تھے مگر اب تو ہر طرف سے مصیبتوں نے گھیر لیا ہے۔ گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ ہم پہ قرضہ بھی بہت ہے خاندان والوں کا بھی اور سرکاری بھی اور میرے والد اپنے قرضوں اور جوان بیٹیوں کو بیاہنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے ہیں۔ گھر میں برکت بھی نہیں۔ جو کچھ آئے' پل میں غائب ہو جاتا ہے۔ برائے مہربانی آپ ہماری مشکل حل کر دیں۔ کوئی وظیفہ وغیرہ بتائیں جو میں یا میری امی کر سکیں۔ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور دُعا بھی کرتے ہیں مگر گھر میں برکت نہیں ہوتی۔ برائے مہربانی حل بتائیں اور باباجی! آپ کوئی ایسا وظیفہ بھی بتا دیں کہ میرے بھائی کی کہیں اچھی جگہ نوکری لگ جائے۔ آپ کے عمر بھر ممنون رہیں گے۔

☆ بیٹی کاظمہ! کسی کو موقع ہی مت دو کہ وہ تمہارے گھریلو معاملات میں مداخلت کرے۔ اگر یہ چاہتی ہو کہ ہر شخص کی نظروں میں اچھی بنی رہو تو ممکن نہیں۔ کسی کے ساتھ برائی مت کرو۔ نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو۔ والدہ سے کہو کہ نمازِ فجر کے بعد ایک بار سورۃ رحمٰن پڑھیں اور دُعا کریں۔ سورۃ رحمٰن نہایت مبارک سورۃ ہے۔

□ نازیہ جان۔کوئٹہ۔

○ محترم باباجی! السلام علیکم! ''سچی کہانیاں''

بالوں کا گرنا' خشکی' بے جان بال ان سب کے لیے جڑی بوٹیوں سے تیار 150 سو سال پرانا نسخہ...... اب آپ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔رابطہ
......35893121-35893122

میں لوگوں کے مسائل اور آپ کے بتائے ہوئے حل پڑھ کر میں نے سوچا کہ میں بھی اپنا مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ میری شادی کو 3 ماہ ہونے والے ہیں۔ میرے شوہر کا روزگار نہیں ہے جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں اور دوسرا یہ کہ انہیں اپنی ذمے داریوں کا بھی احساس نہیں ہے۔ میرے سسر ہی میرا گھر چلا رہے ہیں۔ ان میں ضد بھی بہت ہے۔ مجھ سے تو خاص طور پر ہر بات میں ضد کرتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسا حل بتائیں جس سے ان کو روزگار بھی مل جائے اور ان کی ضد بھی ختم ہو جائے۔ میں آپ کو بہت دعائیں دوں گی۔

☆ بیٹی نازیہ! رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جب انسان پریشان ہوتا ہے تو اس کا مزاج خراب ہو جاتا ہے۔ نماز کی پابندی رکھو اور نمازِ عصر کے بعد سورۃ بقرہ آیات 1 تا 13 پڑھو اور دعا کرو' کرم ہوگا۔ مدت 21 دن ہے۔

□ شازیہ فخر۔مردان۔

○ باباجی! السلام علیکم! جب میں نے آپ کا ارسال کردہ وظیفہ پڑھنا شروع کیا تو ایسے لگا جیسے کسی نے میرے گرد حصار باندھ رکھا ہو لیکن آہستہ آہستہ اس میں کمی شروع ہوگئی۔ میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ میں دو دن اس سے بات نہیں کرتی ہوں تو بے چین ہو جاتی ہوں لیکن آپ کے وظیفے سے صبر آتا گیا۔ آپ کا دیا ہوا وظیفہ پڑھ رہی ہوں پورے چالیس دن میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی مگر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اندرونی اور بیرونی زخموں' آپریشن کے بعد ٹانکوں کا کچا رہ جانا یا کسی بھی قسم کی چوٹ کے لیے دوا دستیاب ہے۔
جن گھروں میں چھوٹے بچے ہیں وہاں اکثر کھیل کود کے دوران سر پر چوٹ لگ جاتی ہے ایسے میں یہ دوا سر میں خون جمنے نہیں دیتی' دوا حاصل کرنے کے لیے سچی کہانیاں کے دفتر فون کریں۔

ایک رات پتا نہیں' کیسے بہک گئی اور اسے فون کر دیا۔ اب اس نے خود بتایا ہے کہ اس کے پاس میری وہ ساری باتیں جو رات میں نے کی تھیں' سب ریکارڈ ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہارے شوہر کو یہ سب بتا دوں گا۔ بابا جی! مجھے پتا ہے کہ یہ کام جو میں کر رہی ہوں' گناہ ہے؟ مجھے احساس ہے کہ میں اپنے آپ کو تباہ کر رہی ہوں مگر میں اب یہ داغ مٹانا چاہتی ہوں۔ میں ایک عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ ان کو اگر پتہ چلا تو وہ مجھے فوراً طلاق دے دیں گے۔ بابا جی! پلیز' میرے لیے کچھ کیجیے ورنہ میں مر جاؤں گی۔ بابا جی! میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔ آپ کو خط لکھتی ہوں تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ بابا جی! میری ساری باتیں پڑھ کر آپ کو بھی دکھ ہوگا۔ پلیز' مجھے ڈانٹیے مگر میرے لیے کچھ کیجیے۔ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ کیسے چھٹکارہ پاؤں اس لڑکے سے؟ یہ وظیفہ کب تک پڑھوں؟ ساری باتیں لکھ دی ہیں۔ آپ میرے لیے خاص دعا کریں کہ مجھے اس لڑکے سے نجات ملے۔

☆ بیٹی شازیہ! تمھیں اس بات کا اندازہ ہے کہ تم کیا غلطی کر بیٹھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمھیں محفوظ رکھے۔ (آمین!) فوراً قطع تعلق کر لو۔ تمہارا خط صرف اس لیے شائع کر رہا ہوں تاکہ دوسری بچیوں کو احساس ہو کہ یہ وقتی کھیل تماشے کتنے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ نمازِ فجر اور ظہر کے بعد سورۃ فتح آیت 29' 100-100 بار پڑھو اور دعا کرو۔

مدت ایک ماہ ہے۔

□ فرخ حمزہ۔ اسلام آباد۔

○ بابا جی! السلام علیکم! میں آپ کو بڑی امیدوں سے خط لکھ رہا ہوں۔ آپ ضرور کوئی بہتر حل بتائیں گے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی کزن سے محبت کرتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس کے والدین عرصہ دراز سے فوت ہو چکے ہیں اور اس کے دو بھائی ہیں جو ہمیشہ اس کے متعلق غلط سوچتے ہیں۔ میں نے اسی سال گریجویشن کیا ہے اور میرا تعلق اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے ہے جبکہ اس کے بڑے بھائی نے ایک ماہ قبل اپنی دوسری شادی کرنے کے لیے اس کا رشتہ کسی غیر مناسب جگہ پر کر دینے کی کوشش کی جو نہ بن سکا۔ بابا جی! دراصل حقیقت یہ ہے کہ تقریباً دو سال پہلے میری اسی کزن سے میرا نکاح تھا جو خاندانی چپقلش کی وجہ سے نہ ہو سکا اور انہوں نے نکاح سے ایک دن قبل فون پر منع کر دیا تھا جس کے باعث ان لوگوں سے ہمارا جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے ہمارے گھر والوں نے انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے اور ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔ ابھی تک بات الجھی ہوئی ہے۔ بہت پریشان ہوں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے فکر ہے کہ کہیں اس کا غیروں میں رشتہ نہ ہو جائے۔ بابا جی! آپ جلد مجھے کوئی وظیفہ بتائیں تاکہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

☆ بیٹے فرخ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہاری دعا قبول فرمائے۔ نماز میں گڑگڑا کر دعا کیا کرو۔ نمازِ فجر کے بعد سورۃ الاعراف آیت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بلند فشار خون کے لیے دوا دستیاب ھے

دانتوں کے جملہ امراض کے لیے اکثیر دوا ہر عمر اور ہر جنس کے افراد کے لیے دستیاب ہے' اپنا آرڈر سچی کہانیاں کے دفتر فون کر کے نوٹ کروائیں۔

26'99 بار پڑھو اور دعا کرو۔ وظیفہ نہایت سہل دے رہا ہوں تاکہ اپنے کاموں کے ساتھ بھی وظیفہ جاری رکھ سکو۔ حاجت قبول ہونے تک وظیفہ جاری رکھو۔

☐ کشور۔لاہور۔

☆ بیٹی کشور! اللہ تمہارے حال پر رحم فرمائے۔ وظیفے کی اجازت ہے اور جیسے تم نے لکھا ہے' بالکل ایسا ہی کرو۔ تعویذ میں تیار کر دوں گا مگر اس کے لیے تم مجھے براہ راست خط لکھو تاکہ تفصیل سے جواب دیا جا سکے۔

☐ تمنا۔کوٹ ادو۔

☆ بیٹی تمنا! اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور پہلا کلمہ بہت پڑھا کرو۔ بیٹی! تمہارا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ مناسب ہوگا مجھ سے تعویذ منگوا لو۔

☐ فرح ظہیر۔کراچی۔

☆ بیٹی...... ! اللہ تعالیٰ سے صرف یہ دُعا کرو کہ وہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ (آمین!) بعض اوقات جو لوگ یا رشتے یا فیصلے ہمیں برے لگتے ہیں' وہ ہمارے لیے بہترین ہوتے ہیں۔ نماز کی پابندی رکھو اور یَــا رَحِیــمُ کا بہت وِرد کرو۔ بہن کا مسئلہ میں سمجھ نہیں سکا ہوں۔ وضاحت سے لکھو اندازوں سے میں ویسے بھی علاج نہیں بتاتا ہوں۔

☐ سمیرا۔بہاولپور۔

☆ بیٹی! اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں قبول فرمائے۔ (آمین!) مایوس مت ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کی دُعا سنتا ہے' بس ہر حاجت اپنے مقررہ وقت پر ہی قبول ہوتی ہے۔ سورۃ فرقان نمازِ فجر کے بعد ایک بار ضرور پڑھو۔ سب معاملات طے ہوں گے۔ مجھے 21 دن بعد پھر مطلع کرو۔

☐ دُکھی بیٹی۔پنڈی۔

☆ بیٹی......! اللہ تعالیٰ تمہیں عزت بھری زندگی عطا فرمائے۔ (آمین!) تمہارا خط نہایت دکھی کرنے والا مگر مبہم ہے۔ مجھے مسئلہ تحریر کرو' میں حل تحریر کروں گا۔ بیٹی! اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کو یوں ضائع نہیں کرتے ہیں۔ بے شک تم بہت دکھی ہوگی مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارا مسئلہ ضرور حل ہوگا۔ کوشش تو کرو۔ میں تمہارے خط کا منتظر ہوں۔

☐ فروا۔سیالکوٹ۔

☆ بیٹی فروا! اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ (آمین!) کھانے میں چاول اور چکنی چیزوں سے پرہیز کرو۔ ایک گھنٹا ضرور چہل قدمی کرو۔ نہار منہ ایک گلاس میں نیم گرم پانی میں آدھا لیموں نچوڑ لو اور ایک چٹکی کالی مرچ ملا کر پی لو۔ یہی عمل رات کو سونے سے قبل بھی کرو۔ یَــا وَاسِعُ کا ہر نماز کے بعد ایک تسبیح وِرد کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

☐ شاہدہ۔کراچی۔

☆ بیٹی شاہدہ! تمہاری بہن کا رویہ نہایت شرمناک ہے۔ ایسی اولاد ہمیشہ دکھ اٹھاتی ہے اور دنیا میں عبرت کا سبب بنتی ہے۔ اپنے والدین سے کہو کہ اس کے حق میں دُعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرمائے اور اس کی ذہنی بیماریاں دور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

فرمائے۔ (آمین!) والدہ سے کہو کہ سورۃ ھُود آیت 56 کثرت سے پڑھ کر بیٹی پر دَم کرتی رہا کریں اور گھر کے تمام افراد اس سے کم سے کم بات کریں۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ عُروسہ۔رحیم یار خان۔

☆ بیٹی عُروسہ! نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد ایک ایک بار سورۃ طٰہٰ پڑھو اور دُعا کرو۔ بیٹے سے کہو کہ ورزش کیا کرے۔ ابھی عمر ہے، قد بڑھ جائے گا۔ گوشت اور سبزیاں زیادہ استعمال کرے۔

□ رحیم علی۔ساہیوال۔

☆ بیٹے رحیم! تم اگر اپنے جذبوں میں سچے ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مشکلات حل فرمائے گا۔ اس معاملے میں جو طریقہ ہے، اسی کو اپناؤ اور اپنے بڑوں کو لڑکی کے گھر بھیجو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ نمازِ فجر کے بعد 12 تسبیح یَاسَمِیعُ کی پڑھو۔ غیبت اور دروغ گوئی سے مکمل پرہیز کرو اور صدقہ خیرات ضرور دیا کرو۔ مدت 21 دن ہے۔ 21 دن بعد لڑکی کے گھر رشتہ بھیجو۔

□ شمسہ۔حیدرآباد۔

☆ بیٹی شمسہ! اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ (آمین!) نماز کی پابندی رکھو اور نمازِ فجر کے بعد سات تسبیح یَارَقِیبُ کی پڑھو اور دعا کرو۔ صدقہ خیرات ضرور کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ جاوید اودھو۔سکھر۔

☆ بیٹے جاوید! نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد 7-7 تسبیح سورۃ آلِ عمران آیت 154 کی پڑھو اور تمام حاجات بیان کرو۔ مدت 21 دن ہے۔

□ سلویٰ۔کراچی۔

☆ بیٹی سلویٰ! اپنی توجہ صرف تعلیم پر رکھو۔ جن باتوں کو تم بہت اہم سمجھ رہی ہو وہ صرف وقت کا زیاں ہے۔ والدین کی خدمت کرو۔ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کے بعد سورۃ بقرۃ آیت 138، 99-99 بار پڑھو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عقل عطا فرمائے۔ (آمین!)

□ روزی گل۔کراچی۔

☆ بیٹی! اللہ تعالیٰ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھا کرو۔ جس قدر ممکن ہو عبادت کرو۔ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد اس طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا وِرد کرو کہ تعداد بارہ ہزار مکمل ہو جائے پھر دعا کرو۔ کرم ہوگا۔ مدت 21 دن ہے۔

□ فردوس شاہ۔لاہور۔

☆ بیٹی فردوس! اللہ تعالیٰ تمہیں خوش اور آباد رکھے۔ ممکن ہے کہ جب یہ سطور تمہاری نظروں سے گزریں تم اپنا مقصد پا چکی ہو مگر بیٹی! میں تمہیں ایک نصیحت کروں گا کہ عزت دوگی تو عزت ملے گی۔ صرف شوہر ہی نہیں بلکہ اس کے تمام گھر والوں سے محبت کرو اور ان کی عزت کرو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو درگزر کردینے ہی میں اطمینان اور خوشیاں ہیں۔ نماز کبھی ترک مت کرنا اور نمازِ عشاء کے بعد سورۃ آلِ عمران کی پہلی آیت 99 بار پڑھو اور دعا کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ امبر۔سرگودھا۔

☆ بیٹی امبر! والدہ سے کہو کہ نمازِ فجر کے بعد ایک بار سورۃ رحمان پڑھیں اور ایک پیالی پانی پر دَم کریں اور پانی بیٹے کو پلائیں۔ جب جب یاد آئے، الحمد شریف اور چاروں قُل پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ ضرور افاقہ ہوگا۔ مدت 31 دن ہے۔

□ زرینہ عمر۔لاہور۔

☆ بیٹی زرینہ! اللہ تعالیٰ تمہاری حاجات قبول فرمائے۔ (آمین!) جب قرآنِ پاک حفظ کرنے بیٹھو تو پہلے سات بار دُرود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دَم کیا کرو پھر دُعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ! مجھے اپنی اس عظیم کتاب کو یاد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ (آمین!) اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو وہ ضرور کرم فرمائے گا۔

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

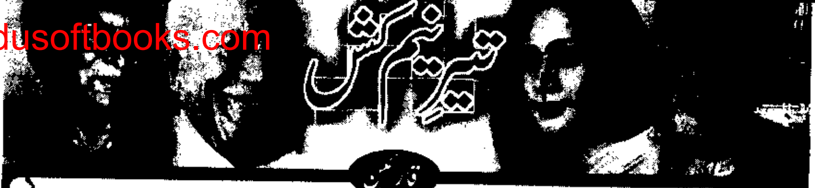

اپنی سخن فہمی کو آزمایئے، قارئین کے بھیجے گئے وہ اشعار جو یادرہ جاتے ہیں اور اکثر ذہن میں گونجتے رہتے ہیں

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ اشعار بھیجتے وقت معیار کا خاص خیال رکھا جائے۔ ورنہ شعر مسترد کر دیا جائے گا۔

انعام یافتہ شعر پر قاری کو 3 ماہ تک سچی کہانیاں بطور انعام بھیجا جائے گا۔

"تیر نیم کش" میں اس ماہ کوثر اسلم' راولپنڈی۔ آسیہ نزاکت' ڈسکہ۔ محمد افسر' کراچی کے اشعار انعام یافتہ قرار پائے۔ انہیں ستمبر 2009ء کا ''دوشیزہ'' اعزازی طور پر روانہ کیا جا رہا ہے۔

مقصود احمد بلوچ...... حیدر آباد

ضرور ہے کوئی پیغام پیڑ کا اس میں
یہ پھول شاخ سے یوں ہی نہیں گرا مجھ پر
یہ کس کی سانس مجھے گدگدا رہی ہے کبیر
ہے کون میرے سرہانے جھکا ہوا مجھ پر

رضوانہ کوثر...... لاہور

اب سہاروں کی بات مت کرنا
اب دلاسوں سے بھر گیا ہے دل

منشی محمد عزیز مئے...... لڈن وہاڑی

آج پھر پریشان ہوا ہے دل
جانے کس حال میں ہو گا مجھے چھوڑنے والا

خضر حیات...... روڈہ تھل، خوشاب

میری آنکھوں سے بہا کرتی ہے ان کی خوشبو
رفتگاں خواب میں آتے ہیں چلے جاتے ہیں
شادی مرگ کا ماحول بنا رہتا ہے
آپ آتے ہیں رُلاتے ہیں، چلے جاتے ہیں

ریاض حسین تبسم چوہان...... فیصل آباد

جاگنے کا عذاب سہہ کر
اپنے اندر ہی سو گئیں آنکھیں

ڈاکٹر شہباز...... حیدر آباد

عنوان زندگی پر بس اتنا ہی لکھ پایا
بہت کمزور لوٹتے ہیں بہت مضبوط لوگوں سے

ابو ہریرہ بلوچ...... بورے والا

نہ ظاہر ہوئی ان سے نہ بیان ہوئی ہم سے
بس سلجھی ہوئی آنکھوں میں الجھی رہی محبت

جواد انور...... اسلام آباد

خدا جانے یہ کیسے مرد ہیں جو یہ سمجھتے ہیں
کہ سب مردانگی عورت کو تھپڑ مارنے میں ہے

محمد قاسم خان بلوچ...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

جا جا کے اس کے سینے میں جا کے دھڑک اے دل
اس کے بغیر بھی جی رہا ہوں تیرے بغیر بھی جی لوں گا

سعادت علی خان...... لیہ

خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے معصوم سے لوگ
زندہ رہنے کی تمناؤں میں مر جاتے ہیں

حنا اشتیاق...... کراچی

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں اُن کی تقدیریں

محمد وسیم چدھڑ...... روڈہ تھل خوشاب

رنگوں کے پیچ و تاب میں تصویر الگ ہوئی
آنکھوں سے خواب، خواب سے تعبیر الگ ہوئی
رستے پہ حادثہ مجھے پیش آیا عشق میں
نقصان الگ ہوا مرا تاخیر الگ ہوئی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سید عبادت کاظمی......رحیم یار خان

عکس ابھرتا ہی نہیں ذہن پہ میرے کوئی
تیری یاد نے ہر سو دھند مچا رکھی ہے

اصبا معین......کراچی

اپنی نیندوں سے جاگ کر بھول نہ جانا ہمیں
ہماری ہر صبح منتظر رہتی ہے آپ کی دعاؤں کی

شاہانہ احمد......حیدرآباد

ترے آنسو نہیں اچھے تری مسکراہٹ پیاری ہے
تری یہ جو ایک جان ہے یہ میری دنیا ساری ہے
کبھی ناراض مت ہونا، کبھی جدا مت ہونا دوست
بہت خوش نصیب ہوں میں جو میرے ساتھ دوستی تمہاری ہے

ایم افضل آزاد......ساہیوال

ہے عکس میسر ترا جس سمت بھی دیکھوں
کیا ہر کوئی تم سا ہے یا سارا جہاں تم ہو

زاہد کولاچی......نواب شاہ

رقص کرتی ہوئی لو سر پر اٹھا لائی ہے
سر قلم کر کے چراغوں کے ہوا لائی ہے
مری اوقات ہی کیا تھی کہ سراہا جاتا
مجھ کو مسند پر بزرگوں کی دعا لائی ہے

سلمان عمرانی......سجاول

قدم، دہشت، جھجک، پریشانی
ناز سے کام کیوں نہیں لیتیں؟
آپ، وہ، جی مگر یہ سب کیا ہے؟
تم مرا نام کیوں نہیں لیتیں

علی رضا عمرانی......ٹھٹھہ

کوئی فیصلہ تو ہو کہ کدھر جانا چاہیے
پانی کو اب تو سر سے گزر جانا چاہیے

تنویر فاطمہ......کراچی

اس کو نہ پا سکے تھے جب دل کا عجیب حال تھا
اب جو پلٹ کے دیکھئے بات ہی کچھ محال تھی
میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرے بھول گیا سوال بھی

افشاں یٰسین بابر......کراچی

یہ کب کہتی ہوں تم میرے گلے کا ہاتھ ہو جاؤ
وہیں سے لوٹ جانا تم جہاں سے بے زار ہو جاؤ

نسیم شفیق......اسلام آباد

یہ غربتیں مری آنکھوں میں کیسی اتری ہیں
کہ خواب بھی مرے رخصت ہیں، رتجگا بھی گیا

یاسمین عمران......وزیر آباد

چلنے کا حوصلہ نہیں رکنا محال کردیا
عشق کے اس سفر نے تو مجھ کو نڈھال کردیا

رضوانہ کوثر......لاہور

مرے گلے پہ جے ہاتھ میرے اپنے ہیں
جو لڑ رہے ہیں میرے ساتھ میرے اپنے ہیں

شمائلہ اختر......لاہور

بچھڑا جو ایک بار تو ملتے نہیں دیکھا
اس زخم کو ہم نے کبھی سلتے نہیں دیکھا
اک بار جسے چاٹ گئی دھوپ کی خواہش
پھر شاخ پہ اس پھول کو کھلتے نہیں دیکھا

تسنیم ندیم......گجرات

جہاں سوال کے بدلے سوال ہوتا ہے
وہاں محبتوں کا زوال ہوتا ہے
کسی کو اپنا بنانا، ہنر ہی سہی
کسی کے بن کے رہنا کمال ہوتا ہے

بشریٰ......لاہور

دل عجب شہر کہ جس پر بھی کھلا در اُس کا
وہ مسافر اسے ہر سمت سے برباد کرے

اسامہ بلال اعوان......داروغہ والا

شام بھی ہو گئی دھندلا گئیں آنکھیں بھی مری
بھولنے والے میں کب تک ترا رستہ دیکھوں

فرح عالم......اسلام آباد

تعلقات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

☆☆......☆☆

www.urdusoftbooks.com